

اس پتھر کی کہانی جو عشق و وفا کی صلی اللہ علیہ وسلم میں رہتا رہتا تھا

# کس لیے پتھر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَاللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
شَهِدُوا بِمَوْلَى اللَّهِ  
عَاوِضًا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ

اسید میل پبلک لائبریری  
نور محمد گڑھی  
0301-7283296  
0334-9630911

محمد فیاض ماہی

## پیش لفظ

”معزز قارئین کرام!

آپ کی پُر غلوس عدالت میں دوسری مرتبہ حاضر ہو رہا ہوں۔ امید ہے کہ پہلے گھسی محبت اور پُر برائی مٹی رہے گی۔ تاکہ آپ سے میرا یہ قلمی دوستانہ غم رہے۔

ناول نگہنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کھن کا مٹیش لفظ نگہنا ہے۔ ویسے بھی آج کے ترقی یافتہ دور میں جہاں الیکٹرانک میڈیا کی بہتات نے کتاب پڑھنے والوں کو انہی کتاب سے بہت دور کر دیا ہے۔ وہاں علم اور آگہی سے بھی دوری پڑتی جا رہی ہے۔ انہی کتب نگہنے والے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ کیونکہ اچھا پڑھنے والے کمپیوٹر اور کیبل کی مہربانیوں سے وقت ہی نہیں نکال سکتے۔ مگر ان چیزوں کی اپنی بھی ایک حقیقت ہے۔ جن سے انکار ممکن نہیں ہے، لیکن اگر ان کو مثبت طور پر استعمال کیا جائے۔

آج کا قاری انہی کتاب کو ترس گیا ہے، لیکن ابھی بہت سے ایسے مصنفین ہیں جو اس کھن کا مکر انجام دینے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔ جو واقعی قابلِ تحسین بات ہے۔

میری پہلی کاوش ”گھنگھرو اور گھنگھول“ کے عنوان سے آپ کی جہانگیرہ نظروں سے گزر چکی ہے اور الحمد للہ منبولیت کی سند بھی حاصل کر چکی ہے۔ آپ کی محبت اور غلوس نے مجھے اپنا اگلا ناول نگہنے پر مجبور کیا ہے اور آپ کی محبت کا جواب محبت سے دینے کے لیے ”سٹیپل چتر“ کے نام سے اپنی کاوش کو لے کر حاضر ہوا ہوں۔ امید ہے کہ یہ بھی آپ کے بلند معیار پر پورا اترے گا۔

”گھنگھرو اور گھنگھول“ کی اشاعت کے لیے میں براہِ نو چاہے شیخ (راہجہ کب ہاؤس) کا ولی طور پر ممنون ہوں۔ ان کی محبت نے مجھے مصنفین کی صف میں شامل کیا ہے۔

اب ”سٹیپل چتر“ لے کر محترم براہِ جناب عہدِ افتخار (علی میاں دہلی کشن) کے توسط سے حاضر ہوں۔ اس کتاب کے بارے میں اتنا ہی کہوں گا کہ اب تک عشقِ حقیقی پر آپ کی

نظروں سے بہت سے ناول گزرے ہوں گے۔ جن کو آپ کے ذوق نے مقبولیت کی سند عطا کی ہے۔ یہ ناول آپ کو یقیناً پہلی بار پہنچنے پر مجبور کر دے گا۔ یہ میرا دعویٰ نہیں ہے۔ بلکہ آپ کے بلند معیار پر قائم میرا مان ہے۔

اس ناول کا مرکزی کردار کوئی جاندار اور جہان نہیں ہے۔ بلکہ ایک بے جان پتھر ہے۔ جو جیل نور کے نورانی پتھروں کے خاندان کا ایک فرد ہے اور آگے وہ جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر درود و سلام کے پھول چھلک رہا ہے۔ اس کی محبت اور عقیدت میں دن رات آسو بھاتا ہے اور یہ شریف ہے آئے والی ہوا کو، سورج کو، چاند اور آسمان کو خود سے مستر اور افضل جانتا ہے کہ وہ تو دن رات آگے وہ جہاں فرخ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس در کی زیارت سے فیض یابی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ سرور ہے جان ہے۔ سیکھا چار جتا ہے۔

اس کی المناک داستان کا آغاز اور انجام میں نے اپنے مختصر سے الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک مشرک نے اسے وہاں سے ہٹا کر دیا تو ب کریم کو اس پتھر کا رد و انصافوں کے روئے سے کبھی زیادہ پلندا آ گیا۔ اس کے رد نے اور غم میں دکھانے اور تباہی کر دی۔

ایک عاشق رسول کا قصہ کہانی کی صورت میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کہانی میں ایک کردار جو کہ "شاہ ولی" کے نام سے ہے۔ آپ کو بتانا چاہوں کہ وہ کردار حقیقی دنیا میں موجود تھا۔ یعنی شاہ ولی میرے دور و سرور میں تھا۔ وہ خاندان سے تعلق رکھنے والے آل رسول کے اس مقدس گھرانے کے عظیم چشم و چراغ سے متعلق کہیں جانے والی تمام باتیں اور کرامات کہی ہیں۔ جن کا گواہ میں ہوں میرے والدین کے علاوہ ان کے سر پرین بھی ہیں۔

اس کتاب کی تکمیل کے لیے میں نے قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور جن جن کتب کا مطالعہ کیا ہے ان میں سے جو کچھ مواد تحریر کیا ہے۔ ان کے حوالہ جات کا قاعدہ درج ہیں۔ ان محترم مصنفین کا بے حد ممنون ہوں جن کی تصانیف سے میں فطری حاصل کر کے ان کی کوتاہ نظری اور کم علمی کے باوجود اس کتاب کو مکمل کر سکا ہوں۔

"وعدہ کا شریک" کی ذات مقدس کے علاوہ ایک انسان کو مجبور کرنے والے ضیعت فیض کا فساد بھی آپ کے رد ٹکٹے کڑے کر دے گا۔ ہم بہادر اور جملی بیروں کے جنگل میں چھپے ہوئے ایک جاہل خاندان کے ابو جمل کا قصہ ہے کہ حضرت بن کعب بن ربیعہ میں بیچک

لکھتے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

لڑکر وراثت کا بخش تو آپ نے بہت چڑھا ہوا۔ جبکہ ایک پتھر کا مشق بیٹھا آپ کو چٹکے پر مجبور کر دے گا۔

اس کتاب کو تحریر کرنے کے لیے میں نے ایک صفحہ بھی بیڑ کر نہیں بکھا۔ بلکہ تمام ناول کٹڑے ہو کر لکھا ہے۔ یہ اس ناول کے مرکزی کردار (پتھر) سے میری محبت ہے کیونکہ اللہ عز و شہ سال اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرمایا اور میری عرو کی سعادت حاصل کر سکا۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارات اور فیض یابی سے ذوقان اور دل کو سکون ملا ہے۔ آپ کے معیار کے مطابق لکھنے کی کوشش کی ہے۔ مگر پھر بھی اتنی تکمیل اور وضاحت سے نہیں کھ سکا کیونکہ ان مقدس مقامات کے ایک ایک اہل سے فوراً اور معطر خوشبو میں پھونکی رہتی ہیں۔ جنہیں مجھ جیسے کم علم آدمی نے اساطیر میں لانے کی جتنی اللہ و کوشش کی ہے۔ میں ہر کچھ سنا ہوں، پیارے آقا کا کلی والے کے معدودہ اہل سے لکھ سکا ہوں اور احیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر کریم کا محتاج اور طلبکار ہوں گا۔

اس ناول کو چھ کر حسب دستور اپنے حقیقی اور تنقیدی خطوط سے مطلع کریں۔ میں ان قارئین کا بھی بے حد ممنون ہوں۔ جنہوں نے "تھکھر واد سنگھول" پڑھنے کے بعد اس کے مختلف موضوعات پر تنقیدی خطوط لکھ کر میری غلطیاں سدھاریں۔

یہ ایک اگ اور سنو موضوع ہے۔ جبکہ "تھکھر واد سنگھول" جیسے کلی موضوع کی راخیز تحریر کر چکے ہیں، لیکن کیا سائنس کا کائنات انہوں نے کیا ہر میں نے باغی اعلیٰ اگ موضوع چنا ہے۔ جو یقیناً آپ کے بے حد پسند آئے گا۔

میں ذاتی طور پر برادر خاندان حضرت زکریا کا ممنون ہوں۔ جن کی محبت نامال شامل حال ہے۔ ان دوستوں کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے میری ابتدائی تمام چھ کر مجھے لکھنے پر آسایا۔ برادر عبدالغفار نے اس ناول پر جس محنت اور لگن کا مظاہرہ کیا ہے وہ جذبہ اپنی قابل ستائش ہے۔

والسلام

محمد فیاض مہادی

ہر سال کی طرح اس سال بھی بخاری حویلی میں بہت سے لوگ جمع تھے، جو کہ ہر سال سولہوی کو بخاری بابائے والد محترم کے عرس میں حاضر ہوتے تھے۔ ملک بھر سے آنے والے قدامتہ ایک دوسرے سے واقف تھے۔ ان میں آپس کا رشتہ "بھائی بھائی" کا تھا۔ بخاری بابا جو کہ سادہ سادہ اور مردانہ جاہت کا بہترین نمونہ تھے۔ اپنے قدامتہوں کو ان کے سپیدے نام سے پکارتے تھے، جیسے ان کی اولاد کے نام بھی بابا کو پڑتے۔ بخاری بابا کسی نہیں سیدھے تھے۔ آل رسول ہونے کی نسبت سے لوگ ان کا احترام اور حیا کرتے تھے۔ وہ بھی اپنی کمال میں مست رہنے والے ایک بزرگ تھے۔ کبھی کسی کے کام میں مداخلت نہ کی تھی۔ بہت دیکھے اور سیکھے ہوئے تجربہ میں گفتگو فرماتے تھے۔ کھانا مرے دن کے ساتھ ہی زمین پر بیٹھ کر کھاتے تھے۔

اب بھی وہ وہ دور پھر کا کھانا کھا رہے تھے اور ارد گرد مرے بچن کا جم غفیر لگا ہوا تھا۔ شاہ جی جو بھی پانی یا سائیں لے کر مرے کو دیتے وہ یہ حرکت بڑے احترام اور حسدیت سے لیتا اور محبت سے تناول کرتا تھا۔

اصلی طور پر بخاری بابا کا خاص خادم تھا۔ وہ ان کے کندھے پر بٹا رہتا اور کبھی چٹکیں اور پاؤں دہانے لگتا۔ اصل میں کے بارے میں مرے دن کی رائے ملی تھی۔ کوئی کہتا کہ یہ "جین" ہے اور انسانی روپ میں شاہ جی کی خدمت پر مامور کیا گیا ہے۔ جبکہ کوئی یہ نظریہ رکھتا تھا کہ شاہ جی کی کوئی اولاد نہیں ہے، انہوں نے اصل میں کو گود لیا ہے۔ گذشتہ سترہ سال سے اصل میں کے چہرے درگت اور صحت میں کسی نے بھی کوئی فرق نہ دیکھا تھا۔ بہر کیف قدامتہ ہیں ان کے بارے میں مختلف نظریات رکھتے تھے اور طرح طرح کی باتیں بھی کرتے تھے، لیکن ان کے برعکس اصل میں نے بھی کسی مرے سے کوئی بات نہ کی تھی۔ وہ ناموش صبح اور چھیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا تھا کہ وہ تلخیر آغزا ہوا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کرتے ہوئے آسودگی کی جہزی لگا دیتا تھا۔ لوگ



’پنچاسی دی جانے گی۔“ تاج دین نے بھیجوں میں دو ہات کھدی جواب تک تمام مریدین کے لیے معافی ہوئی تھی۔

”میرے بڑھاپے کا سہارا میرے بیٹے میں ان کے لاشے اپنے کندھوں پر کیسے اٹھائیں گا؟ میں تو پہلے ہی غربت اور قسمت کا مارا ہوا ہوں۔ میرے لیے کچھ ہونے کدھے اپنے جہان فیض کے بناروں کو سہارا دینے کی استطاعت و بصیرت میں رکھئے۔ آپ کو خدا کا واسطہ سمجھ کر جو ضرور کیجئے شادی اے تاج دین کی گریہ زاری سے سارا ماحول افسردگی میں ڈوب گیا تھا۔ بلکہ کچھ زوردار احباب تو رو بھی پڑے تھے۔ تاج دین ان کا کوئی سگاتہ تھا لیکن جبر بھائی کا رشتہ تو تھا اور اسی رشتہ کی بنا پر وہ ایک دوسرے کے لیے ہمدردی اور سچ کا نرم گوشہ دل میں رکھتے تھے۔

شادی نے اٹھ کر کچھ میں دور تک لٹا دوڑائی اور ایک شخص کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ دو لوگوں کو کھٹکھٹا ہوا شاہی کے پاس پہنچا، باادب کھڑا ہو گیا۔ جب شاہی کھڑے ہوتے تو تمام مرید بھی اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، لیکن شاہی نے انہیں ان نگاہات سے بچنے کی تلقین کیا اور تھا۔ وہ ہر قسم کے دکھاوے کو بے مقصد اور فضول جانتے تھے۔

”بڑے حسین کیا تم کچھ دکر رکھتے ہو؟“ شاہی نے باادب کھڑے ہونے والے شخص سے کہا۔

”آپ کا کسم کسم اٹھوں پر سرکار، لیکن میں مجبور ہوں۔ کیوں کہ فیصلہ میری عدالت سے نکل کر سپریم کورٹ میں جا پہنچا تھا اور تمام نعمت اور دعا گوئی تاج دین کے بیٹوں کے خلاف تھے۔ گل ہونے والوں کے وارث بہت اثر و رسوخ والے ہیں۔ انہوں نے ہائی کورٹ کی رحم کی اپیلی کو سپریم کورٹ میں پہنچ کر دیا تھا۔“ باادب کھڑے شخص نے شاہی کو تمام صورت حال بتادی۔ شاہی اور اس شخص کی گفتگو سے اعزاز ہوا تھا کہ وہ ہائی کورٹ کے فیصلے ہیں۔

”ٹھیک ہے تم چلو۔ اب مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔“ شاہی نے ہنسنے پر حسین کو کہا اور واپس تاج دین کی طرف چلے۔

”اب خاموشی ہو کر بیٹھ جاؤ۔ قانون کے فیصلے بہت لمبے سمجھ کر رکھ کر جاتے ہیں۔ میں اس قانون کے فیصلے کو پہنچ کر نہیں کرتا لیکن رب اعظم سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہارے بیٹوں کو بری کر دے۔“ چچو اور دیر کا اظہار تھا۔ میں ابھی آتا ہوں۔“ یہ کہہ کر شاہی اندر کی طرف چلے گئے۔ اعدا و زان خانہ میں کسی مدمر کو جانے کی اجازت نہ ہوئی تھی اور اس

اس سے رونے کا سبب دریافت کرتے تو محض اتنا ہی کہتا: ”تم نہیں جان سکتے یہ آنسو کیوں اور کہاں سے آتے ہیں؟“

وہ خوش الحانی میں اپنا جانی نہ رکھتا تھا۔ مریدین کے کہنے پر بھی کسی سخت نہ پڑتا بلکہ مرشد سرکار کے کہنے پر مدح سرائی کرتا اور خود کو اس میں ڈوب لیتا۔ بعض دفعہ تو یہ گمان بھی ہوتا کہ اعلیٰ کی آنکھیں خون برسا، شروع کر دیں گی۔

اب بھی مریدین شاہی کی طرف دیکھ رہے تھے کہ وہ اعلیٰ کو نصرت گوئی کے لیے نہیں گئے۔ ایک دم وحشی کے من کی گت سے ایک شخص روٹا بیٹا اندر آیا اور لوگوں کے مجمع کو چڑھا اور اسید حاشا دہی کے قدموں میں گر پڑا۔ وہ بیوقوف کی گرہا تھا اور تمام لوگ اسے جراتی سے دیکھ رہے تھے۔ وہ شاہی کے قدموں میں پڑا ایک جگہ کر رہا تھا اور شاہی اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر جب کچھ کلمات اسی طرح گزر گئے تو انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ بکیرا اور لاسا دینے والے انداز میں چمچا۔

”تاج دین کیا بیات ہے۔ کیوں بیوقوفی کر رہے ہو؟ خود بھی پریشان ہو اور میں بھی پریشان کیا ہوا ہے۔ زار نہ سکون ہو جاؤ اور تمام معاملہ کھو۔“

تاج دین یہ سن کر اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔

”میں بڑا دہو گیا ہوں شاہی۔ میری دنیا بکلی ہے۔ میرا اب آپ کے سوا کوئی سہارا نہیں ہے۔ آپ ہی میری مدد کر سکتے ہیں۔ شاہی مجھے زور دے گا کہ ہونے سے بچا نہیں میں سر جھانک گا۔“ وہ مسکینوں میں کہہ رہا تھا اور شاہی کے پاؤں بھی پکڑ گئے تھے۔

”آپ کو تو معلوم ہے کہ میرے دونوں جہان بیٹے اس وقت قتل میں ہیں اور وہ گناہگار ہیں، انہیں سزا نہیں، اللہ سچا جانتا ہے، لیکن میں باپ ہوں۔ میں ان کو بے گناہ تصور کرتا ہوں، لیکن انہیں قلعہ جہنم اور دشتوں کا لٹا نہیں کرتا۔“ یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگا اعلیٰ حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا اور لوگ اعلیٰ کے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر آج میں چہنگیہاں کر رہے تھے۔

”وہ کچھ تاج دین پریشیاں گھوما نے میں وقت ضائع مت کرو۔ قصیں معلوم ہے کہ عصر کے بعد کسم شریف ہے اور بارہ بجی حاضری کے لیے جاتا ہے۔ اس لیے جگہ کی بات ہے کھل کر کہو۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ تمہاری پریشانی دور ہو جائے۔“ شاہی نے ایک مرتبہ بھارت دین کے سر پر ہاتھ بکیرا اور اپنے روحانی اور فیصلے اعجاز میں بولے۔

”شاہی قانون نے میرے دونوں بیٹوں کو پانچاسی کی سزا سنائی ہے اور سب انہیں

منا کر آیا تھا۔ اب وہ وقت وہ گزری دو گات بیت گئے ہیں۔ "شاہی نے تاج دین کے سر پر محبت سے ہاتھ بکھیرا اور اسٹیل کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اسٹیل اشارہ کچھ کر ہاتھ باندھ کر ہاتھ کھڑا ہو گیا اور سرور کا تاج کی مدد سے اس کی کلا اور لوگ اس کی کلیت اور بے سوز آواز میں سرور اور وہ چھوٹے کرتے گئے۔

بول سکا نہیں مجھ کو سحر پیارا دینے کا  
ہے لگا ہوں میں بس یہی اک سہارا چھینے کا

خوش بنتے پرندے ہیں اڑتے ہیں ان لٹاؤں میں  
کاش میں بھی کیڑا ہوتا آگ چاراندہ بنے کا

یہ شعر پڑھتے ہوئے اسٹیل کی آنکھیں سائوں کی طرح برستے لگیں۔ وہ اپنی آواز پر قابو نہ پاسکا اور انکا صراخ کئے سے پہلے ہی اس کی آواز چھٹ گئی۔ وہ ہلک ہلک کر دوا شروع ہو گیا۔ شاہی نے اس کی کلیت بھانپتے ہوئے اسے چٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ وہ شاہی کی سے کندھے دبانے لگا لیکن اس کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو گئی تھیں۔

☆=====☆

اے عبا مصطفیٰ سے ہا کہنا  
غم کے مارے سلام کہتے ہیں

سبز گنبد کی ان ہواؤں کو  
دل ہمارے سلام کہتے ہیں

اللہ اللہ حضور ﷺ کے گیسو  
بیمنی بیمنی مہکتی وہ خوشبو

جن سے معمور ہے نقا برنو  
اور نگارے سلام کہتے ہیں

آج پھر وہ بہت اداس ہو رہا تھا لیکن اپنا کم اور پریشانی دوا اپنے چھوٹوں سے نہ کہہ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ ان سب سے بڑا تھا اور بڑا بننے کے لیے بڑا چاہتا تھا۔ اس نے ضروری ہوتی ہے لیکن اس کے رفقہ دہی اس کا مزاج چاہتے تھے۔ وہ کچھ گئے تھے کہ آج "نورانی" بہت

موقع پر مختلف شہروں سے آئی ہوئی عورتوں سے حویلی بھری ہوئی تھی۔

کوئی اس چدرہ منٹ کے چان لہوا انگار کے بعد تاج دین اور حاضرین محفل نے دیکھا کہ شاہی اندر سے حویلی کے صحن میں داخل ہو رہے ہیں اور ان کے ہاتھ میں ایک بہت موٹا ڈھلا پکڑا ہوا ہے۔ جو کہ تقریباً دو حوالی فٹ لمبا تھا۔ لوگ جرانی سے کبھی شاہی کو دیکھتے اور کبھی ڈھلے کی طرف دیکھتے اور تاج دین تو شاہی کے ہاتھوں میں ڈھلا دیکھ کر بے اختیار کھڑا ہو گیا تھا۔ شاہی نے ڈھلے پر اپنی گرفت مضبوط کی اور آتے ہی پارے زور سے ڈھلا کھینچ کر تاج دین کی چھتے پر دے مارا۔ اس اچانک حملے سے تاج دین بری طرح کڑکھڑا کر دو دو لوگوں پر جا گرنا۔ جو حیرت اور دھچکی سے اس حرکت کو دیکھ رہے تھے۔

تاج دین اس زبردست چٹ سے نرمی طرح ڈھکی ہوا تھا اور دوا ہوا تھا سے شاہی کو دیکھتا ہوا کھڑکھڑا ہوا، لیکن جب اس نے اسی انداز سے ایک بار پھر شاہی کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ جین کو کچھ تباہا حویلی کے بیرونی دروازہ کی طرف لپکا اور گرتا پڑتا دروازے سے باہر گئی میں غائب ہو گیا۔ شاہی بھی اس کے پیچھے ہوئے اور تمام مردین بھی حیرت و استعجاب کے عالم میں شاہی کے پیچھے ہوئے لیکن انہوں نے شاہی کو پھر گئی میں پھر سکون انداز میں کھڑے دیکھ کر کھٹکا سا سن لیا۔ ان کے ساتھ تاج دین بھی تھا جو کہ زیادہ دور نہ جاسکا ہوا گا شاہی اسے بازو سے پکڑ کر لارہے تھے اور او اس اپنی حویلی میں آکر اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے۔ انہوں نے ڈھلا اسٹیل کو پکڑا دیا تھا۔ جبکہ تاج دین کی نظریں اسٹیل کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ڈھلے کی طرف تھیں اور وہ بار بار اپنی چٹھ کی سہلا رہا تھا۔ شاہی نے سانس درست کرتے ہوئے تاج دین کا اپنی طرف متوجہ کیا۔

"یہ تمام لوگ گواہ ہیں۔ تمہارا ایک بچہ چل بری ہو جائے گا۔ جبکہ دوسرا بچہ کسی چڑھ جائے گا۔ اگر تم دونوں مرتد ہی اپنی چٹھ پر ڈھلے کی مار سہ لیتے تو تمہارے دونوں بیٹے ہی بری ہو جاتے۔ مگر تمہیں نہ کر سکے۔" شاہی کی بات سن کر حاضرین کو سکنت ہو گیا۔ جبکہ تاج دین کی گریہ زاری میں اضافہ ہو گیا۔ وہ شاہی کے قدموں میں لوٹ رہا تھا اور اونچی آواز میں رورو کر شاہی سے کہہ رہا تھا۔

"آپ بے شک میری کرکھی کر رہی۔ میری بیٹھ کو کٹ کر غیبہ دیا دیں۔ میں اُن تک نہ کروں گا۔ میرے دوسرے بیٹے کو بھی چاہئیں۔ شاہی خدا کے واسطے۔ میری بیٹھ پر بیٹھ جائیں ڈھلے پر سائیں۔ آپ کو خدا کا واسطہ۔" وہ ہلک ہلک کر فریاد کر رہا تھا۔

"نہیں تاج دین۔ دوا دوا بار نہیں آسکتا۔ کیونکہ میں اسے رس کو بڑی مشکل سے

اداس ہے۔ اس کا وجود کم ہو رہا تھا۔ اس کی طرف سے آنے والی فدیہ وہ ہوا چھوٹے  
"نورانیوں" کو بھی غزوہ کر دی تھی۔

"نورانی کیا بات ہے؟" چھوٹے نورانی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس  
ہولناک اور خوفناک رات میں تم اداس لگ رہے ہو اور تمہارا وجود بھی جھٹلا ہوا محسوس ہو رہا  
ہے۔ کیا تمہیں اس خوفناک کا ڈر ہے؟"

"خدا سے بزرگ و بڑی کفر ہے۔ یہ ہولناکیاں، یہ طوفان اور یہ سیاہ رات میرا کچھ بھی  
نہیں ہکا بھکا سکتی۔ نہ ہی مجھے ان کا کوئی غم ہے۔ میرا دکھ اور میرا غم سب ایسے طریقے سے  
جانتے ہو۔" بڑے نورانی نے غزوہ کے لیے میں جواب دیا تو تمام چھوٹے نورانی اثبات میں سر  
ہلاتے گئے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ آج نورانی کو پیارے پیارے آقا خدا پرستی صلی اللہ علیہ  
وسلم کی یاد نے تڑپا دیا ہے۔ جب بھی کسی ایسا ہوتا وہ تمام واقعہ کن و من بیان کر دیتا تھا۔ جو  
اس نے دیکھا اور سنا تھا اور چھوٹے نورانی اپنے فدیہ وہ وجود کو بھٹکل سنبھال پاتے  
تھے۔ آج بھی وہ سمجھ گئے تھے کہ بڑا نورانی، انہیں دہائی دو چھاس حضرت محمد مصطفیٰ صلی  
اللہ علیہ وسلم کی پیادری پیادری تائیں تائیں گا اور وہی ہوا جس کی وہ توقع کر رہے تھے۔ بڑے  
نورانی نے کہا شروع کیا۔

"کئی سو سال پہلے میرے پاس ایک نورانی اور وہدانی شکل و صورت والے بشر نے  
آنا شروع کیا۔ وہ میرے پاس آکر کئی کئی راتوں کو قیام فرماتے تھے۔ ان کے پاس ستوار  
پائی ہوتا تھا۔ وہ پاداشی میں رو رو کر بچکان ہو جاتے اور ایک ہی دعا ان کے گلہ بول چیتے  
ہوٹوں پر ہر وقت نقصان ہوتی تھی۔ اسے میرے رب میری امت کو بھلا کر دے۔ میں حیران  
و حجب ہوتا کہ فیض کون ہے؟ کئی بے قراری اور بے چینی ہے اس کے لیے میں، یہ کس  
امت کے لیے دعا کرتا ہوں؟ یہ کون ہے؟"

میرے سوال اچھٹے گئے۔ میں مزید حیرت و استعجاب کے سمندر میں غرقے کھانے  
لگا۔ وہ کئی کئی دن اور کئی کئی راتوں کو میرے پاس بلکہ میرے ساتھ لپک لپک کر اللہ رب  
اعز و کی یادگار میں رو رہے۔ ہر کچھ کی بھرا آئیں کوئی عورت لینے آ جاتی۔ وہ اس کے  
ساتھ خاموشی سے چل پڑتے۔ پاؤں میں لٹپٹیں بھی ٹوٹے ہوئے ہوتے۔ ان کے کرتے  
پر کئی کئی جگہوں پر بیونہ لگے ہوتے تھے۔ میں اس محرم شخصیت کو دیکھ کر سوچنا شروع کر دیتا  
کہ یہ کون ہے؟ جس کی بھینٹی بھینٹی خوشبو سے میرا سارا گردن ملتا ہے۔ یہ کون ہے جس کے  
کون سے جس کے سر اور نوک کو دیکھ کر جانے گی اپنا آسمان چاہتا ہے؟

یہ کون ہے جس کی مصمم اور پاکیزہ گریہ زاری دیکھ کر ہمارے بھی دل دھل جاتے  
ہیں۔ یہ کون ہے جس کے وجود کی خوشبو میرے نگ انگ میں بس کر میرا وجود محسوس کر دیتی  
ہے۔

لیکن یہ سب کچھ سوچ کر ہی رہ جاتا ہوں۔ اس کا جواب میرے پاس نہ تھا۔ نہ ہی  
چاند اس اہلیت کا مالک تھا کہ مجھے کچھ بتا سکتا۔ اس اہلیت کا ضرور تھا کہ میں ان کی نورانی  
وہدانی اور روشن منوہائی کی صورت کا عجیب و غریب ہو گیا تھا۔ "بڑا نورانی یہ تمام قصہ سنا رہا تھا اور  
چھوٹے نورانی بڑے قریب سے بڑے ہوئے اس قصہ کو بخور من رہے تھے۔ بلکہ جس اور  
حیرت سے بڑے نورانی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے کچھ وقف کے بعد ہجر کربلا  
شروع کیا۔

"ایک رات جس کا اختتام ہو گیا۔ وہ سب کچھ ہوا جو میں نے کبھی بھی نہ سنا تھا۔  
اچانک میرا تمام وہ روزگار اٹھا مجھے محسوس ہوا کہ میں کس کا بیٹا ہوں جو مجھے دیا جا رہا ہوں۔ کوئی  
مجھے اپنی غمگی میں سمیٹ رہا ہے۔

اچانک ایک بڑے نورانی نے دکھانا دارے رات کی تاریکی کا سینہ چر۔  
"اقرار، یعنی بڑے۔"

"لیکن میں تو جہنم میں جاتا۔" نورانی چرے والے نے آواز کی سمت دیکھ کر کہا۔  
"اقرار، بڑے۔ آواز سے بھر گیا۔

گھروں میں جواب تھا کہ میں جہنم میں جاتا۔

آواز والے نے نورانی چرے والے کے حلقہ پر جو کھاپے بازوں میں لے کر زور سے  
دلیا۔ دوسری سرچ بھر تیسری سرچ دلیا گیا تو پھر آواز آئی کہ "بڑے" تو نورانی چرے والے  
نے پوچھا۔ "کیا پوچھو؟"

تو قرآن حکیم کی سورہ "اعلق" کی چند آیات نازل ہوئیں۔

نورانی چرے والے نے حیرت سے پوچھا۔ "تو کون ہو؟"

تو آواز آئی۔ "خضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیرائیں ائین ہوں اور آپ کو بشارت دی  
جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہیں۔" ہیرائیں ائین علیہ السلام نے آیات  
افراج خانے کے بعد آپ کو اپنا تعارف کر دیا تو حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے اپنے سر جھکا لیا اور آپ کا چہرہ خیر ہو گیا۔ اس وقت آپ کی عمر پانچ سال ایک ماہ  
تھی۔ اس سے پہلے بھی آپ کو خواب اور طاقات کی صورت میں اسرار خداوندی کے مختلف

ہوئے کا احساس ہوتا تھا۔

یہ تمام باتیں مکہ مکرمہ سے مشرق کی طرف دو میل کے فاصلے پر واقع ”کوحرا“ پر رہنے والے بڑے نورانی پتھر نے اپنے کعبہ کے چھوٹے نورانی پتھروں کو تانے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ وہ سبھی اداس ہوتا۔ اسی نورانی شکل والے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو درکن تھا اور ان کی قامت نہ چھوٹے والے واقعہ کو دلچسپی سے سننے والے چھوٹے نورانی پتھروں کو تانے تھا۔

”اور میں اس بات پر بھی فکر کرتا ہوں کہ میں سرکار کی آمد و رفت سے پہلے کو حرا تھا۔ لیکن ان کی آمد کے بعد اب ”میل نور“ بن گیا ہوں۔ آج میری فضا کی اور اداسی کی وجہ ہے سبب نہ تھی۔ بلکہ یہ منور ہونے سے آئے والی سرکار کے وجود کو عقیدت اور احترام دینے والی تھی۔ لیکن معطر ہونے لگے اداں گرد یا تھا۔ میرا وجود بھی نمی گرم ہو گیا ہے۔ بلکہ میں درد کر بھی حضور کی مدد سرائی کروں تو قیامت تک ان کی مدد میں کبھی نہیں پائا کر سکتا۔“ میرے ساتھ میرے کچھ عظیم ہیں کہ پیارے آقا کو جب نبوت عطا ہوئی۔ جب جبرائیل امین علیہ السلام آئے۔ جب قرآن کی ابتدائی نورانی آیات کا نزول ہوا تو تارے بے جان تھان کا کرب و غم اٹھاتے تھے۔ اس کی اس فضا کی شکل اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے کہ اس کے فرمان کے مطابق اس کے پیارے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھا جائے تاکہ وہ تارے دس درجہات مزید بلند فرما دے۔ ”و کچھ توقف کے بعد پھر بولا۔

”اب تجھ کو وقت ہو گیا ہے۔ پھر ہمیں غلطی خدا کی آمد ہو جانے کی۔ لہذا اس بڑے نور و وقت کو ضائع کرنے کی بجائے آقا کے درو جہاں پر درود و سلام کے خزانے اور مدد سرائی کے پھول چھاد کر شروع کر دو۔“

”بڑے نورانی پتھر“ کی ایمان افروز باتیں سن کر سرور کا نکات کی یاد میں درد و کرم ہونے والے تیلے پتھروں نے سمجھ جانے والے انداز میں سر پہ پاؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سرائی میں مصروف ہو گئے اور نادر کا پاؤں نور ہوتا گیا۔

☆=====☆

”کیا آج پھر کسی سے گھڑا کر کے آرہے ہو؟“ ماں جی نے دروازہ پار کرتے ہی اس سے سوال کر دیا تھا۔ اس نے سبب حادثہ ماں جی کی طرف منکرا کر دیکھا اور اندر گھس کر طرف بدھا گیا۔

”جو بات میں پوچھ رہی ہوں اس کا کوئی جواب ہے تمہارے پاس کر نہیں؟“ ماں جی نے انتظار کیا۔ مگر دوسرے س من نہ ہوا۔ بلکہ کچھ میں لگے ہوئے نکلے سے پانی نکال کر ہاتھ دھوئے لگا۔ ماں جی خود ہی بڑبڑاتی ہوئی نکلن میں داخل ہو گئیں۔

”یہ نہیں کہ مدھر ہے؟“ حیران زدہ ہوتا توچھے چار ہاتھ میں چار کا کوئی افسر لکھواتا لیکن وہ بے چارہ اپنی باری سے ہار گیا۔ پانچ اسی طرح جس طرح میں تمہارے ”کاش“ سے سن کر کچھ سے ہار گئی ہوں۔“ ماں جی نے چار پانی پر بیٹھ کر روٹی کا انکار کرنے والے انکوٹے بیٹے کے آگے روٹی رکھتے ہوئے کہا۔ مگر اس کی صحت پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ وہ چپ چاپ کھانا کھانے میں مشغول ہو گیا۔

”یہ روزانہ لگا فساد کر کے کچھ کیا کرتا ہے؟“ ماں جی نے اس کی طرف استہسامیہ انداز میں دیکھا تو اس نے ماں جی کو ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”خود ہی سمجھتی ہے کہ روٹی کھاتے وقت بولا نہیں کرتے اور خود ہی سواٹوں کا پٹہ دیا کہس کھول کر بیٹھ جاتی ہو۔“ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ پانی لی کر اوپر کی طرف منہ کر کے بولا۔ ”اللہ حرا اٹھ رہے“ اور سونے کے لیے اسی چار پانی پر لیٹنا چاہتا تھا جی نے بڑا تھنا اٹھانے شروع کر دیئے۔ کچھ دیر بعد وہ اس کے ساتھ والی چار پانی پر آکر لیٹ گئی۔

”میں چاہتا ہوں کہ کئی سوالات حیرے من میں چل رہے ہیں۔ پر میں کیا کروں۔۔۔ میں ہر صبح جاتا ہوں۔ دکاندار خود ہی میرے پیچھے نکلتی جاتا ہے۔ جیسے میری خوشبو اس کا پانی ہے۔“ وہ لیٹتے ہوئے بولا۔ ”کیا کروں زندہ رہنے کے لیے ہر صبح ضروری ہے۔ نہیں تو یہ دنیا تمہیں پیسے نہیں دے گی۔ میرا تو یہی چوڑے بس اس!“

”میں حیرتی اس ہو گئی دیکھن سے مطمئن ہونے والی نہیں ہوں۔ یہ بات تو خوں سے مریجہ کی ہے۔ میں حیرتی اس ہوں میں حیرے کھلے کے لیے ہی کہتی ہوں۔ میرا نظریہ کوئی ڈھنگ کا کام کرے۔ جس سے ہم ماں جی کی عزت کی روٹی کھا سکیں۔“ ماں جی اسے سمجھا رہی تھیں۔

”اچھا! کون سے کام کروں؟ چڑھا لکھا تو ہوں نہیں۔ کیا سائیکلو کو منیجر لگا دیا کروں؟“

”مجھے پتہ ہے تم یہ بھی نہیں کر سکتے۔“ ماں جی بھی آج اسے زچ کرنے پر تکی ہوئی تھیں۔ ”میں تو واقعی ہوں کہ ”میں ماں جی“ کے پاس سے کوئی تعویذ لے آئے۔ اللہ کے ایک بندے ہیں وہ کوئی نہ کوئی بندہ دست کر دیں گے۔“

وہ تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ ”تو بھی بہت بھولی ہے۔ بھلا کا کفہ کے پڑے پر الٹی سیدھی

کبیر کی کھینچ کس کو چڑھے میں "مزعوا" کر گئے میں انکے سے کوئی جگہ نہ کام سپہ سے ہو جاتے ہیں؟ ایسا ہوتا تو کچھ بہتانوں میں جاتا چھوڑ دیتے۔ کوئی مدد نہ ملکت جتنا جانتا تو تعویذ بکین کر بین جاتا۔ "دو اندھ کر چیلے گی۔" کوئی بھی دھنگ کا کام کرنے کے لیے نکلا رو پیہ چاہئے۔ سمجھتی ہے نہ۔ روز کو اندھ یہ سب کچھ اپنے پاس ہے نہیں اور اس کا مطلب ہے کہ اگر روز کو انہیں ہے تو میر کو عزت والا کام بھی نہیں۔ اس لیے مجھے بد معاشی ہی رہنے دے۔ کم از کم چار بندے رعب شب تو سپہ لینے ہیں اور بھر پور کس بھی عزت کرتی ہے۔" وہ ابھی یہ باتیں کر رہی رہا تھا کہ بیرونی دروازہ دھڑ دھڑ چٹا جانے لگا۔ اس نے سامنے دیکھا پرنگی ہوئی گھڑی پر لگا دو دروازے کی کڑا بچ جانے لگا۔

دروازہ ایک بار بھر زور زور سے دھڑ دھڑا جانے لگا۔ اب باہر سے کسی کی کڑت آواز بھی آنے لگی۔

"جلدی سے دروازہ کھولو۔۔۔ ورنہ تو زور دیا جائے گا۔"

"اورہ پائاد دروازہ نہ تو وہیں آ رہا ہوں۔" اندر سے اس کی آواز نے باہر والوں کو کچھ دیر کے لیے مطمئن کر دیا۔ وہ حیرت و استعجاب میں جھلا ماں بی کو چھوڑ کر دروازہ کھولنے کے لیے ڈیڑھ سی میں چلا گیا۔

گھر یہ کیا؟ دروازہ کھلتے ہی دس بارہ پولیس والے اسے اندر دھکیلے ہوئے اس کے گھر میں داخل ہو گئے۔ ماں بھی انہیں دیکھ کر حیران ہو گئیں۔ غفران کی وجہ سے پولیس کی بار ان کے دروازہ تک آئی تھی۔ لیکن کسی بھی سپاہی کی اتنی جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ غفران کے گھر میں داخل ہوتا، لیکن آج تو معاملہ ہی الگ نظر آ رہا تھا۔ ان سپاہیوں کے ساتھ ایک انسپکٹر بھی تھا۔ جس نے اندر داخل ہوتے ہی غفران کو پھنکڑی لگانے کا حکم دے دیا تھا۔ کاشٹیل غفران کو ابھی طرح جانتے تھے اور اس کی بد معاشی سے دہشتے بھی تھے۔ بھر بھی اپنے آپسیر کا حکم مانتے پر مجبور تھے۔ ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر غفران کو پھنکڑی لگانی چاہی تو اس نے ہاتھ کھڑا کر کے سپاہی کو روک دیا اور غور سے نئے انسپکٹر کو دیکھنے لگا۔ جس کے غم پر دوسرے سپاہی غفران کی طرف بندوبش نہ تے کھڑے تھے۔ اس نے ایک نظر ماں بی پر ڈالی اور بولا۔

"اس وقت اس طرح میرے گھر میں آنے کا کیا مقصد ہے؟ یہ بندوبش اور یہ پھنکڑی پرے کرلو۔ تم آئے گئے ہو۔ غفران کو ابھی طرح جانتے نہیں ہو۔ اس طرح اس وقت میرے گھر میں آنے سے پہلے اپنے ان سپاہیوں سے ہی میرے بارے میں پوچھ لیتے۔"

وہ انسپکٹر کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس کے لیے اور اندازے نئے انسپکٹر کو متاثر کیا تھا یا

نہیں لیکن اس کا ضرور تھا کہ وہ اس کی رعب دار آواز ماں کی شخصیت اور اس کے قد کاٹھ سے ضرور متاثر ہو رہا تھا۔

"تم مجھے بد معاشوں اور غفلوں کو اپنا تعارف کروانے کے لیے میں ان کے ڈانوں، ڈیروں اور گھروں پر خودی لگا چکا ہوں۔ وہ لگی بات یہ کہ اس وقت اس طرح میں تمہارے گھر کیوں آتا ہوں تو میری جان اب میرے پاس تمہاری پر قدرتی کا وارنٹ ہے۔" وہ انسپکٹر کا لہجہ کافی ظہور اہوا تھا، لیکن کھن کرچ اور کچھ آواز دے اس کے بات کرنے کے انداز کو کافی یاد دہانہ کر رہا تھا۔ وہ بھر پور گیا ہوا۔

"تمہارے خلاف شاخ مر حیات نے مقدمہ درج کر دیا ہے کہ تم نے ان کی کالین فیکٹری میں آگ لگائی ہے۔ آگ پر تو قابو پایا گیا ہے، لیکن تم پر قابو پا نہ سکا تھا۔"

غفران اور ماں بی خبر سن کر حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگے۔ ماں بی اپنی جگہ سے ہلکی بات کر رہیں اور انسپکٹر کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگیں۔

"دیکھئے انسپکٹر صاحب میرا بیٹا چار بار بد معاش ضرور ہو سکتا ہے۔ مگر اتنا بڑا جرم نہیں کر سکتا۔ میں ماں ہوں اس کی، اسے ابھی طرح جانتی ہوں۔" وہ گڑ گڑانے لگی تو غفران نے اسے پکڑ کر سینے سے لگایا۔

"اے کام چور اور بد معاشی ہی کرتے ہیں کوئی وہ نہیں کرتے۔ باقی تمام باتیں تھانے میں چل کر کہوں گی۔" وہ چلے اے۔" انسپکٹر نے سپاہیوں کو حکم دیا تو وہ ماں بی کو چھوڑ کر خودی ان کے ساتھ چل دیا، لیکن ماں کی ممتا جانتی تھی کہ پولیس اس کے بچنے کو بہت مارے گی۔ وہ بے چاری مجبور تھی۔ کبھی نہ کر سکتی تھی۔ وہ اٹھ سے دعا میں کرنے لگی۔ یک دم اس کے ذہن میں کلکی کی کوئی نہ۔

"کیوں نہ شاہد بی کو تھانے جانے؟ مگر اس وقت تو وہ سو رہے ہوں گے۔ نہیں نہیں وہ جاگ رہے ہوں گے۔ آل رسول سوئے ہوئے بھی عبادت ابھی میں مشغول ہوتے ہیں۔"

وہ خودی سوال و جواب کر رہی تھی۔

"یاد رکھی میں مشغول شاہد بی کو تو؟" بے آرام "نہیں کرنا چاہئے۔ خودی بھگتے۔ کیوں اگلے سپہ سے کام نہ کرے۔ دروازہ تو روکتی کوئی راتی ہوں۔ پر۔۔۔ کسی کی نہیں بات۔ اس کو سزا ملے گی تو ثانی یاد آ جائے گی۔ میں کیوں آل رسول کی عبادت میں مشغول ڈال کر کتا بگا رہوں۔" اس نے ٹوٹی پٹی کھینچ کر سہلانے کے لیے سات سات کے سپرد کر دیا تھا۔

انکے دن متا کی ماری ماں بی تھانے لگی تھی۔ غفران کی حالت زار دیکھ کر اس کی

شکرے تم بھی چڑیا کا کھار کرنے کے لیے کھتے ہے کھن ہیں۔ تم نے اپنی دانست میں انتہائی اونچی آواز بھر کر زندگی کی بہت بڑی غلطی کر لی ہے۔ اب اس کا فائدہ دیکھتے کے لیے تیار رہنا۔

ماں جی ماما سے غفران اور انیسکری کی گفتگو سنی تھی۔

انیسکری غفران کی طرف دیکھ کر اپنے آغوش میں چلا گیا۔

”تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا۔ دو تو پہلے ہی تمہارا دشمن ہے۔ پتہ نہیں کہاں سے آگیا ہے۔“

ماں جی نے انیسکری کے جاتے ہی غفران سے کہا۔ اچھی دیر میں شاہ جی تھانہ کی حدود

میں داخل ہوئے ہاں جی نے شاہ جی کو کچھ کر اڑا کر اس پر چکا کر سلام کیا۔ ان کے ساتھ

اطمین بھی تھا۔ جو کہ شاہ جی کے پیچھے پیچھے مونا پانا تھانہ میں چلا آ رہا تھا۔

شاہ جی سیدھے ان کی طرف بڑھے۔ انہوں نے ماں جی کے سلام کے جواب میں

بیا رہے رہا پنا تھانہ ان کے سر پر بیکرا۔

غفران نے بھی ہاتھ مامے پرے ہا کہ شاہ جی کو سلام کیا تو وہ مسکرا کر اس کو مخاطب

ہوئے۔

”کام دھندلے تو تمہارے سبھی غلط ہیں، لیکن اس معاملہ میں تم پرے گناہ ہو۔ اسی لیے

میں تمہاری حفاظت کے لیے آیا ہوں اور بیشک کی طرح پڑا سیدھی ہوں کہ ایک دن تم وہ کام

کر دو گے۔ جس پر تمہاری ہی پوزیشن میں ناظر کر کے لگی۔“ وہ ماں جی کی طرف رخ سے اور پھر گویا

ہوئے۔

”تم ابھی سے گھبرا گئی ہو۔ ابھی تو بہت ہی مشکلات اور کٹھن مراحل سے گزرنا ہے

تمہارے اس بیٹے کو۔ اسے کھن جتنا ہے۔ ڈاکٹر اچھی پر شاکر رہو۔ وہ بہت فائدہ دے والا

ہے۔“

پھر شاہ جی اطمین کے ساتھ انیسکری کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ سہائی نے اندر

داخل ہوتے ہی شاہ جی کو کوری پیش کی۔ وہ شاہ جی کے ہاتھ پرے کو پکڑا تھا لیکن سہائی کی

پہرہ انیسکری کو زبردستی لگا کر ایک شخص کے لیے احرا داری پیش کرنے کی کیا تک ہے؟

”کیجئے باپ جی میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“ انیسکری نے شاہ جی کے کمرے پر

پیشے ہی پر چما۔ وہ اب شاہ جی کے ہاتھ ملانے لگی تھی کہ دوسری طرف تھا۔ جبکہ اطمین

ہاتھ باندھ کر ادب کرا انیسکری کو گھور رہا تھا کہ شاہ جی کی محتاس بھری آواز سن کر چونک پڑا۔

آگھوں نے سداون کی بھڑکی لگا دی۔ دو سلاطین کو پکڑ کر دور سے چلی گئی کہ چاروں غفران اٹھنے

کی ناکام کوشش میں گر پڑا۔ وہ کتر بچا گھسٹا ہوا سانس کی پائے پاس پہنچا۔ سلاطین کے دوسری

طرف ماں جی نے دونوں ہاتھ اندر کر کے غفران کو پکڑا کر لیا۔ اس کی آنکھیں سو جی ہوئی

تھیں۔ گنا تھا کہ تمام رات اس نے جاگ کر گزاری ہے۔ یا پھر اسے پولیس کے کھنڈے نے

سوئے نہ دیا ہو۔ ماں جی کے نرم و گرم ہاتھوں کی گرمی محسوس کر کے ہی غفران کے آنسو نکل

پڑے۔ اس کا جسم ڈھک رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے کہ ساری رات اس نے کانٹوں پر گزاری

ہو۔ وہ ماں کے ہاتھوں کو چوم کر اپنے ہاتھوں سے ماں جی کے آنسو پر چھینے لگا۔

”میں نے شیخ حریت کی قیدگاہ میں آگ نہیں لگائی۔“ وہ ہنسنے لگی۔

”میں جانتی ہوں پھر شوگر نہ کر۔ میں سچی شاہ جی کے پاس لگی تھی۔ وہ ابھی آتے

ہی ہوں گے۔“

ماں جی نے اسے قہقہہ دی۔ اچھی دیر میں سپاہیوں کی ایڈیاں بچنے کی آواز نے انہیں

چوٹا دیا۔ انہوں نے دیکھا تو اپنا انیسکری تھانہ کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ بڑی رعونت اور تکبر

سے چلتا ہوا اپنے آغوش میں ہانے کی بجائے دھڑکا گیا پھر غفران کو بند کیا گیا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ طبیعت صاف ہو گئی ہوگی؟“ اس نے ماں جی اور غفران کی طرف

دیکھ کر کہا۔ ”اب بھی وقت ہے جو میں کہتا ہوں وہ کر لو۔ اس کو رے کا کھنڈہ پر انگوٹھا لگا دو۔ میں

تمہیں جانے دوں گا۔“

غفران کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی کھیر بنی۔ جیسے کہ وہ مسکرا کر ان کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ

سلاطین کو پکڑ کر آہستہ آہستہ اٹھا ہوا بالکل تن کر کھڑا ہو گیا اور انیسکری کے زخم آگھوں میں

آنکھیں ڈال کر بولا۔

”تمام رات غم اور تھکاوید سے کرا رہے۔“ جیتے۔“ کو اس کا مضبوط کر لیا ہے کہ اب اس پر

تمہاری کسی بھی سختی کا اثر نہیں ہوگا۔“ وہ انیسکری کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر کچھ توقف سے

بولا۔ ”چرا کا بچہ جب گھونٹے میں ہوتا ہے تو وہ آڑے والے پر ہندوں کو کچھ کر دل میں یہ

خیال کرتا ہے کہ وہ وہی ان کی طرح اڑ سکتا ہے، لیکن اس کی خام لٹائی اس کے گانہ کو حقیقت

میں اس وقت بدل دیتی ہے جب وہ پہلی بار اپنی اونچی آواز بھر کر لیتا ہے اور کسی نہ کسی شکرے

کا کھار دینا چاہتا ہے۔“ وہ ماماوش ہوا تو انیسکری نے ہونٹے کے لیے نہ کھوٹا، لیکن غفران نے

ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا کہ اس کی بات فہم نہیں ہوئی ہے۔

”ہاتھ اسی طرح تم نے اس علاقہ میں آکر یہ جاننے کی کوشش نہیں کی یہاں کے

”غفران کو چھوڑ دیں اینکلر صاحب۔ میں اس کی حفاظت دیتے آیا ہوں۔“

”آپ کی حیثیت تو تھیک ہے؟ بابا جی یہ بھرم ہے۔ اس نے شیخ مر حیات کی کاٹن ٹیکری میں آگ لگائی ہے اور آپ کے کمرے ہیں کہ میں اسے چھوڑ دوں اور پھر آپ کے کہنے پر کیسے چھوڑ دوں؟“ وہ کرسی سے قہقہہ سا آگے ہو کر جھکا ہوا ہوا۔ ”کیا آپ آئی جی صاحب ہیں۔ کوئی وزیر وغیرہ ہیں۔ کوئی صدر یا پھر ہائی کورٹ کے جج ہیں جو اینکلر اشرف چاولہ کو غم سے رہے ہیں؟“

اس کے گستاخانہ رویے کو اسماعیل برداشت نہ کر سکا۔ وہ یک دم آگے بڑھا اور اپنے ہاتھ سے اینکلر اشرف چاولہ کی گردن دبوچ کر اسے زمین سے تھیں چارٹ بلند کر دیا۔ اینکلر کی آنکھیں ٹھکا رہ گئیں۔ اس نے ہاتھ لگائے تو اس نے اس کی طرف سے تھیں میں بکڑا کر دیا۔ اس کی طاقت اور پھر زمین سے تھیں چارٹ کسی انسان کو کھنکھانے میں ہاتھ سے گردن پکڑ کر بلند کر دینا عام انسان تو کیا بلکہ خاص انسان کا بھی کام نہ تھا۔ یہ سب دیکھا کرتا تھا۔ وہ ایک پاس کھڑا ہوا سپاہی دیکھتا ہی رہ گیا۔

”چھوڑ دو اسماعیل اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ چھوڑ دو یہ میرا حکم ہے۔“ شاہ جی کی آواز کا سراسر اسماعیل کی ساعت سے ٹکرایا تو اس نے اشرف چاولہ کو نقصان ہی چھوڑ دیا۔ وہ دھپ سے اپنے ٹھیل پر آگرا۔ وہ انتہائی خوفزدہ لگ رہا تھا، لیکن اپنے عہدہ اور سپاہی کی موجودگی میں اس کی اس طرح بے وفائی نے اسے مزہ ”چپ“ دیا تھا۔

وہ بار بار اپنے ہاتھوں سے اپنا کھنکھار ہاتھ اور شاہ جی اور اسماعیل کو دیکھتا ہی رہتا تھا۔

”ایسا کیسے گاؤں گاؤں کر رہا رہی تھیں کھنکھیل میں مڑیں گی۔ تم نے صرف میرا نام سنا ہے۔ ٹو جانا نہیں کہ چاولہ کس کا نام ہے؟ اور تم۔“ وہ اسماعیل کی طرف متوجہ ہوا۔ ”جیسے تو اب ان لوگوں کا سامنے کہ جبری ساری مراد کی تیری شلوار کے رستے بہہ جاتے گی۔“

وہ اسماعیل کو ایک بار پھر اپنی طرف بڑھا دیا کچھ کرنا ہی کر ہی تھے کھنکھار ہوا اور ہیر کے دوسرے کوٹے پر کھڑا ہو گیا۔ جبکہ شاہ جی کا اشارہ پاس اسماعیل دیا گیا۔ جیسے جانی سے چلنے والے کھلوٹے کی جانی ختم ہو گئی ہو۔ اینکلر اشرف چاولہ غورزدہ ہو گیا تھا لیکن وہ غفران کو بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ سب قلم اس علاقہ میں لایا یا آیا تھا۔ مگر شیخ مر حیات کے تعلقات سے ابھی طرح واقف تھا اور پھر ”دین“ بھی لے چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ حیرت ہو

ہو۔ ”ایس بی صاحب کمرے کے اندر داخل ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی چاولہ اور سپاہی کی کشی گم ہو گئی۔ دونوں کی اینٹیاں منسوب انداز میں جگمگاتیں۔ جبکہ شاہ جی اپنی کرسی پر اور اسماعیل اپنی جگہ پر خاموش رہے۔ انہیں بیٹے اندر داخل ہوتے ہی چاولہ کے سیٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے۔ شاہ جی کو جبکہ کمرہ سلام کیا اور ان کے قدموں میں بیٹھنے لگا لیکن شاہ جی نے انہیں کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور بولے۔

”تم اس وقت اپنی اینٹی بی پر ہو اور سرکاری لحاظ سے جیسے اس کرسی پر بیٹھنا چاہتے۔“ انہیں نے ٹھیل کے دوسری طرف کرسی کی طرف اشارہ کیا تو انہیں بیٹے چاولہ کو حیرت زدہ چھوڑ کر اس کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ مگر انتہائی مودب طریقے سے۔

”آپ نے خواہ مخواہ ہی زحمت کی۔“ وہ شاہ جی سے مخاطب ہوا۔ ”آپ مجھے بتا دیتے جو بھی کام تھا۔ مجھے نہیں علم تھا کہ آپ نے مجھے اس لیے فون کیا تھا کہ آپ سے ملاقات اس طرح قہانے میں ہوگی۔“ چاولہ نے ایس بی صاحب کی مودب مانتھو سے اندازہ لگا لیا تھا کہ صاحب بھی شاہ جی کے سر پر ہیں اور اب اس کی مگر سختی شروع ہونے والی تھی۔

”میں تو صرف غفران کی حفاظت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ اس کو چھوڑ دیں اور جو بھی ضروری کاغذی کارروائی ہے، پوری کر لیں میں ادھر ہی بیٹھا ہوں۔“ شاہ جی انتہائی محتاط سے بولے۔ ایس بی صاحب چاولہ کی طرف مڑے۔

”کیوں بھی غفران پر کیا کہیں ہے؟ اور تم نے چارٹ سنبھالنے سے پہلے میں انعام کیوں نہیں کیا؟ کوں کو؟ کیا نام ہے؟ کہاں سے آئے ہو؟ غفران پر کیا مقدمہ ہے؟

”سراسر نے شیخ مر حیات کی کاٹن ٹیکری میں آگ لگائی ہے۔ جس سے ان کا لاکھوں کا نقصان ہو گیا ہے۔ انہوں نے غفران کو طومر نامزد کرتے ہوئے اس کے خلاف مقدمہ مودع کر دیا ہے۔“ چاولہ نے ایس بی صاحب کو اپنے تھیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

”جوانی آئی آدھ راج کی ہے مجھے دکھاؤ۔“

چاولہ گہرا گہرا لپٹا ہوا اس کے لیے اٹھا کھڑا۔ کیونکہ وہ صرف شیخ مر حیات کے کہنے پر ہی غفران کو پکڑ کر لے آیا تھا اور اسے جبراً تھوڑا کرنا پڑا تھا۔ اب وہ شیخ مر حیات کو کوس رہا تھا جس نے اس کا چاولہ یہاں کر کے اپنا ڈاکٹر عوام اور جینی لائے کے لیے غفران پر جینی مقدمہ مودع کر دیا تھا۔ حالانکہ چاولہ نے کوئی ایف آئی آر نہ کیا تھی۔ غفران کو گرفتار کرتے وقت بھی اس کی جیب میں کوئی سرکاری کاغذ نہ تھا۔ اگر غفران وزارت مانگ لیتا تو چاولہ کو

تایا گیا تھا کہ وہ اُن پر چڑھ ہے۔ کسی بھی سرکاری کاغذ سے مرعوب ہو جائے گا، لیکن غفران نے وارنٹ کا سن کر ہی اس کے ساتھ چلنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اسی وجہ سے چاولہ نے بھی کوئی ایف آئی آر نہ کافی بلکہ غفران سے سادہ کاغذ پر انگوٹھا لگاوانے کے لیے رات بھر بڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔ بلکہ اس پر قرض ڈگری کا بھی استعمال کیا تھا۔ مگر وہ جس سے منہ نہ ہوا تھا۔ کوئی تسلیم نہیں ہو پڑا۔ وہ بے شک بے حد وہ ایش پی صاحب سے محذرت کرنے لگا۔

”سر میں ایف آئی آر درج کرنے ہی والا تھا کہ شاہ صاحب آگئے۔ میں اس کی خدمت میں مصروف ہو گیا تھا۔“ اس نے سلیپ جھوٹ بول دیا وہ ایش پی کی جہانگیرہ نظروں نے چاولہ کے چہرے کا خوف کرتے وقت عرصہ کر لیا تھا۔

”جاؤ اور جا کر اسے آزاد کر دو تمہارے ساتھ جو بھی ہو گا وہ بعد میں ہو گا۔“

ایش پی صاحب کے حکم کی فوری تعمیل کے لیے وہ خود جلدی سے باہر نکل گیا۔ قحطی کا تمام عملہ آرٹ کھڑا تھا۔ جیسے ایش پی نہیں بلکہ ملک الموت آگیا ہو۔ اس نے باہر نکلنے ہی حوالدار کو حکم دیا کہ غفران کو آزاد کر دو لیکن حیرت کی انتہا ہوئی جب اس نے دیکھا کہ غفران اور ماں جی سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی وقت شاہ جی بھی کمرے سے باہر آئے۔ ان کے پیچھے اسٹیشنل اور ایش پی صاحب مؤدبہ انداز میں کھڑے تھے۔

”اپنے آئینوں کو سنہیل کر رکھو تمہارا۔ ابھی بہت ہی منازل تمہارے بیٹے کی منتظر ہیں۔“ شاہ جی نے ماں جی کے سر پر ہاتھ بکھیرتے ہوئے کہا۔

”اسے بھی کچھ سکھایا دیا، شاہ جی، اس نے میری جان بولی پر تکی ہوئی ہے۔“ ماں جی نے بدستور نظر کیا۔ جگہ سے بے غفران کی طرف دیکھ کر کہا۔ تو شاہ جی دھیرے سے مسکرا دیے۔

”یہ بھی سمجھ جائے گا۔ بس اسے قلمی کرنا پڑے گا۔ ابھی وقت نہیں آیا۔ اسے کہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ یہ شیطان کے نقشے میں ہے۔ ابھی کوئی بھی بات اس کی سمجھ میں نہ آئے گی۔ تم غور کرو اور اپنا غور نہ بھلا دیا کرو۔ ہاں البتہ اسے نماز فجر کے لیے ضرور چٹایا کرو۔“

انہوں نے اسٹیشنل کی طرف دیکھا جو اشارہ دیکھ کر شاہ جی کے پیچھے چلنے لگا اور ماں جی بھی غفران کو لے کر قحطی کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔ غفران بہت آہستہ آہستہ چل رہا تھا اپنا گناہ کفارہ سمجھ کر بھی بڑی سلاست نہ رہی ہے۔

اسٹیکو چاولہ کو ایش پی صاحب نے خاص سرزنش کے بعد چھوڑ دیا تھا۔ ایش پی صاحب

کے جانے کے بعد چاولہ نے سکون کا سانس لیا، لیکن شاید سکون اس کی زندگی سے قاصد ہو گیا تھا۔ فون کی گھنٹی نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ اس نے غصے سے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے شیخ حریت کی آواز سن کر وہ قدرے سنہیل کر بیٹھ گیا اور تمام تفصیل سن و سن جان کر لے لگا۔ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ دوسری طرف سے بھی کوئی ٹھنک کر ٹھہر نہیں ہے بلکہ جھڑکیاں ہی جھڑکیاں ہیں۔ آج دن ہی انہوں نے غفران سے ریسیور کر لینے پر چناؤ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

☆=====☆

”یہ موافقہ حریت تمہارے پیچھے کیوں پڑ گیا؟“ ماں جی نے گھر میں داخل ہوتے ہی یہ سوال داغ دیا تھا۔ ”تم نے اس کا کیا کیا کڑا ہے؟“

ماں جی نے غفران کو چار پارچے پر بلا دیا تھا۔ وہ کچا ہوا الائٹ گیا تھا۔ ماں جی اس کے لیے دو دو گرم کر کے لیے آئیں۔ اس میں ہندی ڈالی ہوئی تھی۔ انہوں نے یہ دو دو زبردستی غفران کو پلایا تھا۔

”اچھا میرا بچہ آرام کرے۔ کم بختوں نے رات بھر تمہیں سونے نہ دیا ہو گا۔“ وہ چال واپس اندر لے گئیں۔ واپس آئیں تو انہوں نے اونچی بوسیدہ کی چادر سر پر اوڑھی ہوئی تھی۔ جیسے کہیں جانے کی تیاری کر رہی ہو۔ غفران بھی جانتا تھا کہ ماں جی کسی کے گھر میں کام کرتی ہیں۔

”اچھا میرا بچہ آرام کرے تو میں جانی عبد اللہ صاحب سے بات کروں؟“ انہوں نے استہیابہ انداز سے پوچھا تو غفران ہلکے لہجے میں جواب دیا۔

”رہنے دے تجھے کیا پڑی ہے ان معاملات میں پڑنے کی۔ وہ پہلے ہی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔“

وہ چار پارچے سے الٹا ہوا بولا اور اسٹیشنل کھڑا ہوا اور ماں جی کو لے کر باہر کے دروازے تک آیا تاکہ ان کے جانے کے بعد دروازہ بند کرے۔

”ماں جی اگر آپ نے جانی صاحب سے کوئی بات کی تو میں بھی گھر نہیں آؤں گا۔ بس یاد رکھنا۔“ اس نے ماں جی کو دروازے سے باہر نکلنے سے پکار کر کہا۔

”میں جی رہی ہوں۔ کوئی رکنا نہ نہیں ہوں۔“ ماں جی بھی ہاتھ بٹھا کر بولیں۔

”جیسے تو تیراں لگا کر نکلیں وصول کرے گا۔ کہ جو دیا کر نہیں بناؤں گی۔ بس یاد رکھوں گی۔“ ان کا انداز بھی اپنے بیٹے جیسا تھا۔



ایسا فروقا جس کے چہرے پر خفاست چھٹی رات تھی۔ دو ہر جاگرو نا جاگرو صندے سے دن رات اپنی دولت کو بڑھانے میں لگا رہتا تھا۔ اب بھی کوئی سر صاحب بکا لے تھے۔ جنہوں نے یہ بتا تھا کہ تم پر کاظم کر دیا گیا ہے۔ میں اس کا توڑ چاہتا ہوں۔ بس شیخ صاحب نے انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دے ڈالی۔ دو ہر صاحب سے خاصا متثر نظر آتا تھا۔ یہی تو تمام ملازموں کو املاکات کی پوچھاڑ میں بھاگ دوڑ کرتی پڑھتی تھی۔ غفران بھی اس کے لیے کام کرتا تھا، لیکن یہ گھریلو کام کاج اس کے لیے وہاں جان تھے۔ وہ ان گھریلوں سے دور بھاگتا تھا۔ کیونکہ کسی سے ٹکس وصول کرنا۔ کسی سے بدعاشی کے دور پر کوئی کام نکھڑانا۔ کسی منظر یا ایم این اے کو بلک سیکر کرنا اس کے لئے انتہائی آسان تھا۔ جبکہ گھریلو انتظامات اس کے لیے محض اور صبر آزمائے ہوتے تھے۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ انکار کر دے، لیکن پھر وہ اپنے تجسس کے بقول بھڑو ہو گیا تھا کہ دیکھیں کون سا شیخ صاحب کی نقد پر مزہ چکائے کے لیے آ رہا ہے۔

اس نے شام تک کام دیکھ بھال کروائی تھی۔ کرنا کیا تھا۔ ہر صاحب نے لان میں آ کر بیٹھا تھا۔ بس لان کو خوبصورت کرنے کے لیے اس نے مانی کو کھڑے کر مزہ پھول اور گلے بکھولائے تھے۔ نوکر پارکوں کی کمی تھی، لیکن شیخ عمر حیات کی خواست غفران کو بعض اوقات اس کی اوقات کا دولانے کے لیے اس کے چہرے پر ہر سٹے تھی۔ وہ غفران کو بھی یاد کروانا رہتا تھا کہ وہ "کی کین" ہے۔ اس کے نگہوں پر پڑتا ہے۔ بھی بھی وہ غفران کو خود ہی کسی کی جگہ میں بیٹھا اور خود ہی اس کی حناہت کروا دیتا تھا۔ بس اپنی "چھوڑا ہٹ" قائم رکھنے کے لیے۔

ہر صاحب کی گاڑی ہنگے میں داخل ہوتی تو شیخ عمر حیات ہنگے پاؤں بھاگ کر گئے اور دیگر صلب تو اپنے جس جیسے ہر صاحب خاص ان کے لیے ہی آتے ہوں۔ وہ تو بھی ہمارے جس۔ شیخ عمر حیات نے آگے بڑھ کر گاڑی کا اٹھارہ واڑ نکھولا اور جھک کر ہر صاحب کو سلام کیا۔ ہر صاحب باہر نکلے اور دیگر صاحب نے بھی کافی جھک کر سلام کیا تو ہر صاحب کی آنکھیں چٹو چٹو لگیں، لیکن انہوں نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا اور دیگر صاحب کے سلام کا جواب منکرا کر دیا۔

"اوجھر آئے حضور۔" شیخ صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے لان کی طرف پلٹے کو کہا۔ دو ہر صاحب کے پیچھے پیچھے ایک درخت پر تمام کی طرح ہاتھ باندھ کر چلا آ رہا تھا۔ یہی حال دیگر صاحب کا تھا۔ بیٹھو اور امہ پاؤں بھی کبھی نہیں آتے تھے۔ وہ غائب ہر صاحب کے لیے

دور دراز بندہ کر کے واپس اپنی چار پائی پر لیٹ گیا۔ وہ رات بھر جاگ رہا تھا۔ خوب سوچا جاتا تھا۔ مگر جسم والے رز کی تیز تیز اسے جانے پر مجبور کر رہی تھیں۔ وہ تین دن پہلے چلے آئے والے واقعات پر غور کرنے لگا۔ شیخ عمر حیات نے اسے آگ لگانے کے جرم میں کیوں پھنسا دیا؟ وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ شیخ عمر حیات کے تعلقات کافی اونچے ہیں۔ غفران جیسے تو محض کٹھنیاں ہوتے ہیں۔ جن کی ذور شیخ عمر حیات جیسے لوگوں کے بقول میں ہوتی ہے اور شیخ عمر حیات جیسے لوگ دوپہر اور اپنی ذاتی تنقید سے غفران جیسے کچی کی بھی بھی ڈور کاٹ سکتے تھے۔ اب انتہائی محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ کیونکہ وہ شیخ عمر حیات کی اچھی خاصا تعلق دار کی بنیاد پر واقف تھا۔ مگر سنی انہوں میں بھی شیخ عمر حیات کی دعا سلام تھی۔ یہی تو اس نے اپنی مرضی سے انہیں چاؤ کو راتوں رات ہی دوسرے علاقے سے لے کر لایا تھا۔ کیونکہ غفران پر مجبور کس بنانے کے لیے ایسے ہی انہیں کی ضرورت تھی، جو غفران کا واقف کار نہ ہو اور وہ بھی کسی کام کو بڑھیل و جھٹ شیخ عمر حیات کے کہنے پر کر گزرتے۔ غفران چار پائی پر لیٹا اور ہڈیوں میں اٹھنے والی انہیں سو بکھار رہا تھا۔ مگر ہر بار سر اٹھتے مٹانے کی بجائے نگل جاتا تھا۔ جس سے سوچوں اور پر پلٹنے والی کی ذور مزہ چاٹھ جاتی تھی۔

شیخ عمر حیات کو اس طرح جرات اختیار نہیں کرنی چاہیے تھی۔ یہ بھی تھا غفران کو یہ ضرور علم تھا کہ ہمارا سلام، ہمارا رنگہ اب اس کام کو کتنے سے منع کرتا ہے۔ وہ تو ان پڑھ تھا۔ مگر شیخ صاحب کی تمام مٹی کی چمکی تھی اور اس کا حکم دہاندہ کی کو بھولی جاتی تھی اور وہ اس نے "ٹھیک" کو بھی جاہلیت کے جال کی ذور یوں میں اٹھتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اس کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھتا تھا، لیکن صرف عزت و توقیر کی حد تک۔

"امہ پاؤں بھی پاگل لگ رہا تھا۔" امہ پاؤں کا نام یاد کرنے پر اسے ایک ایک بات یاد آگئی تھی اور اب اسے خیال آ رہا تھا کہ شیخ عمر حیات نے اس پر جو ہر لازم کیوں لگایا تھا اس کی کتنی تھکے والی تھی۔ سوچوں اور رز کی تیز تیز نے اسے ایک بار پھر شیخ عمر حیات کے سامنے کھڑا کر دیا تھا۔

"غفران آج ہمارے ہر صاحب آ رہے ہیں اس لیے ہر کام بڑی احتیاط اور سلیقے سے کرنا چاہئے۔" شیخ عمر حیات نے اسے جاہت دی۔

وہ اس وقت شیخ عمر حیات کی کونجی کے لان میں موجود تھا۔ وسیع درمیش کو بھی کی ہر چیز ہی خوبصورت تھی۔ اس کے کین بھی بڑے زردہ دل اور خوبصورت تھے، لیکن شیخ عمر حیات

اصلی سے اصلی کہنا لینے لگے ہوئے تھے۔ کمانا تو ایک فن کمال پر بھی منگوایا جاسکتا تھا۔ جیسے شیخ صاحب کا قسم تھا کہ ان کے دونوں بیٹے جو باہم جائیں اور ہر صاحب کے لیے خوش آئشز کا بندہ دست کریں۔

غفران دور لان میں کھڑا یہ تمام معاملہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہر کی چال سے ہی اندازہ لگایا تھا کہ یہ بھی کوئی ایسی کی قشاش کا ہی بندہ تھا۔ لیکن لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر رہ بن گیا تھا۔ کیونکہ غفران کی عمر اس جیسے "کنٹلوں" میں تھی۔

اس نے قریب آئے پر بھی آگے بڑھ کر ہر صاحب کو سلام نہ کیا۔ کیونکہ اس کا دل گواہی دیتا تھا کہ یہ غلام آدمی ہے اور وہ ہمیشہ اپنے دل کی مانند آچا تھا۔ شیخ صاحب نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی لیکن وہ احترام میں کچھ نہ بولا۔

ہر صاحب لان میں بھی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ چکے تھے۔ ان کے درباریہ کو ایک ایک جگہ پر بٹھا دیا گیا تھا۔ بیٹھے کے تمام ملازم شیخ صاحب کی طرح ہاتھ بانٹہ کر عازری سے کھڑے تھے ماسوائے غفران کے۔

ہر صاحب نے شیخ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ ہی گھاں پر بیٹھ گیا اور یکم صاحب بھی ہر صاحب کے پاؤں دبا دیے تھیں۔ وہ "مسٹر ایچ" بہت آہستہ آہستہ پاؤں چارہا تھا۔ جبکہ اس کی نظریں غفران کی طرف ہی لگی ہوئی تھیں۔ شاید اس نے بھی سمجھ لیا تھا کہ غفران بھی کوئی بچی ہوئی ہے۔ اور غفران بھی ہر صاحب کے علیہ کو رستہ دیکھ رہا تھا۔

لے لیے بال جو جس لاکر درمیان میں مانگ لال کر کاٹوں سے بھی نیچے تک رکھے ہوئے تھے۔ کلف گئے کان کے سیدھے ٹھٹھا اٹھل کو ہر نے اس طرح پہنا تھا جیسے کاس نے کپڑے پر احسان کیا ہو۔ پاؤں میں پٹا اور کپڑا اور کاندھے پر براؤن رنگ کا "چٹا" یا "صاف" بھی کیسے پہنے ہیں۔ اس کی سرخ آنکھیں اور پان سے سرخ ٹھوٹ غفران کو ذرا بھی اچھے نہ لگے۔ اسے غلام ٹھوٹا ہی اس سے سے غرت ہوئے تھی۔ ہر کی عمر کوئی چالیس سال ہو گی۔ اس کے چہرے پر بھی کچھ واڈھی تھی۔ جو غفران کے ذہن کے مطابق لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے دیکھی گئی تھی۔

غفران نے ہر کے وجود کا اچھی طرح سے جائزہ لے لیا تھا۔ جبکہ دوسری طرف ہر نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ غفران شیخ عمریات کی طرح کھڑے کی چھٹی نہیں ہے، بلکہ جیسے والا کا کا ہے لیکن وہ ایسے کاٹے لگانا خوب جانتا تھا۔ کیونکہ وہ "ہر" تھا اور شیخ عمریات جیسے چڑھے گئے جاہلوں کو بچانے کے لیے اس نے ایک کامیاب بندہ چھپوڑ دیا تھا۔ جس

کا نام "ڈاکٹر شارق" تھا۔ اس نے ڈاکٹر شارق کا پرانی بیٹ ٹھیک ہوش ملائے میں ادا کیا تھا۔ جہاں سرینٹوں کی بیٹیوں سے رقم نکالنا کوئی مشکل نہ ہوتا تھا۔ اگر کوئی سرینٹ غلاب نہ ہونے کی شکایت کرتا تو ڈاکٹر شارق اسے ہر صاحب کا کاناٹا اور ہر صاحب اپنے "لٹا" سے اس جھلی کو اپنے قریب کی کنڈی میں پھاس لیتے تھے۔ ایسا ہی شیخ عمریات کے ساتھ بھی ہوا تھا۔

شیخ عمریات کو زمین پر بیٹھے دیکھ کر تمام ملازم حیران بھی تھے اور خدا کا شکر بھی کر رہے تھے کہ جس زمین پر یہ شخص اکڑا کر کرچا ہے، آج اس پر کیسے مسکین بن کر بیٹھا ہے۔ چاہے بکھرے کے لیے کسی ایسی انہوں نے شیخ کو کسی شخص کے پاؤں دبا دیے ہوں کبلی بار دیکھا تھا اور یکم عالیہ، وہ تو آج پر بھی نہیں بیٹھے دیتی تھیں۔ آج کسی خیم بن کر ہر کی کے پاؤں دبا دی تھیں۔

علیہ اور احمد باؤ نے لان میں داخل ہوتے ہی دیکھ لیا تھا کہ ہر صاحب کی خدمت میں ان کے والدین ہر حق صرف ہیں۔ احمد باؤ نے گاڑی سے کمانا نکالنے کے لیے ملازم کو کہہ دیا تھا۔ جبکہ ایک اور ملازم ہر صاحب کی خدمت میں طرح طرح کے مشروب کے کر فرالی کھاتے ہوئے آ رہا تھا۔ جس پر بڑی غصت سے مشروبات پہے ہوئے تھے۔

"آپ نے اپنے قیمتی وقت سے دیکھ لیا تھا۔ وہ ہر صاحب سے گفتگو شروع کرنے حیات نے علیہ اور احمد باؤ کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ ہر صاحب سے گفتگو شروع کرنے کے لیے بے تاب تھا لیکن ابھی تک ہر نے اپنی زبان سے کوئی لفظ نہ لگایا تھا۔ بلکہ علیہ کو بخور دیکھنے کے بعد اس کی آنکھوں میں ہوس کی تیرتی ہوئی تھیں اور گمان کی چمک غفران نے دیکھ لی تھی۔ علیہ اور احمد باؤ نے بھی ہر صاحب کو جبکہ کر سلام کیا اور والدین کی تھکید میں زمین پر ہی بیٹھ گئے تھے۔ ہر کی ہوسناک نگاہیں علیہ کے بڑے ہاتھ وجود کا طواف کر رہی تھیں۔ جبکہ وہ احترام میں نظریں جھکا کر بیٹھ گئی تھی۔ اب احمد باؤ بھی ایک مانگ دیا رہا تھا اور عالیہ تنگ نہ بیٹھتے ہوئے ہر صاحب کو بڑے احترام سے شربت کا گلاس پیش کیا تو وہ تھوڑا سا جبکہ کئی تھی اور ہر کے لیے بہت قیمتی تھا۔

اس نے اپنی آنکھوں کی پلاس کو عالیہ تنگ سے جھٹکے سے ہی بچھایا تھا۔ اس نے گلاس کے کر کوٹ کوٹ چٹا شروع کر دیا۔ آدھا گلاس پینے کے بعد اس نے گلاس ہر کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ لو اسے پیو۔ تمہاری تمام سرگیم پوری ہو جائیں گی۔" علیہ نے ہر صاحب

ذکی لڑکی میں تو اعتراض نہ ہوگا۔ ہر صاحب کے اعزاز سے اس بات کی تصدیق کر دی تھی۔ احمد باؤ کے نظریں جھکا لینے سے ہی اس نے اعزاز لگایا تھا کہ یہ بھی کمرے کی چھٹی چابوت ہوگا۔

"شیخ صاحب! آپ سب دور کرنے کے لیے ہمیں ایک ٹیبلہ و کمرہ دار ہوگا۔ جس میں ہم اپنا چادر کریں گے۔ جہاز کی طرف کوئی بھی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ہمیں یہ تاؤ کہ تہا رہی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟" ہر شیخ کو مکمل گرفت میں لینے والے اعزاز میں کہا تو شیخ کی تپش گل آئی۔

وہ اٹھ کر جڑ کر عاجزی سے بولا۔ "آپ ایک کمرے کی بات کرتے ہیں یہ سارا بنگہ ہی حاضر ہے۔ آپ قہر نہ کریں۔ مگر جس کمرے کو کہیں گے آپ کا اتنا نہ دیا جاسکے گا۔"

"تو ہمیں اجازت دیجئے شیخ صاحب۔" ہر نے اٹھتے ہوئے اپنے کلف گئے پیکرز کو درست کیا اور لٹاں چھین کر ان پر بٹا دیں۔ "ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ پھر کہیں آپ پر سے بلا میں دور ہوں گی۔" اس کا وہ چہرہ غفران کی طرف تھا جبکہ طالب دوستی عمر حیات اور اس کی چھٹی سے تھا۔

"آپ ایسے فکس جاسکتے۔ میرے غریب خانے پر پہلی بار تشریف لائے ہیں اور ایسے ہی کہاں کہاں سے بغیر ہی چلے جائیں گے۔" شیخ عمر حیات ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ "غفران جلدی سے کہا نا گوارا۔"

"کہاں تیار ہے صاحب۔" خانا ماں نے غفران کی بجائے ہلدی سے آواز دی۔ ہر صاحب شیخ صاحب کے اشارہ پر ڈانٹ کر دم میں چلے گئے۔ بھل پر طرح طرح کے کھانے بنو رہے تھے۔ خیر میں اور احمد باؤ نے ہر سے تیار کر رکھے تھے۔

"تم نے تو کوئی کلف نہ کرنا۔" ہماری اتنی خوراک تو کہیں ہے۔" ہر کے سہمہ میں پانی بھرا تھا لیکن ازراہ موت سے استے کہنا پڑا۔ بھلی پر اس کا پانچواں و شرب بھی موجود تھا۔ ہر صاحب نے کمری پر بیٹھ کر کھانا شروع کیا تو باقی تمام افراد ہاتھ باندھ کر احترام سے کمرے کو رہے۔

غفران باہر لان میں ہی دل ہلار ہاتھ۔ وہ جلد یاد پر اس کو بھوک کرنا چاہتا تھا، لیکن بغیر موت کے شیخ کو کھانے نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس وقت تک چادر جوڑ چھ کر بونا شروع ہو گیا تھا اور اس چادر کو توڑ ڈھونڈنا تھا۔ وہ انجی سوچوں میں غفلان تھا کہ گیت سے ایک سوئٹ بونٹ

سے گاس کے رینچ شروع کر دیا وہ سوچ رہی تھی کہ چھینا نا پڑے کہ وہ کس کو پسند کرتی ہے۔ کیا چاہتی ہے۔ لیکن اس کا باپ اس کی پسند کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ اب وہ ہر صاحب کو کہہ کر اپنی مرضی پوری کر سکتی تھی۔ ہر صاحب کی زبان سے یہ پہلے الفاظ تھے جو اس بچے کے کہنوں نے سنے تھے اور وہ بھی سید سے صاحب تھے۔

"شیخ صاحب تمہارے گھر میں آئیے۔" ہر صاحب نے پیشہ وارانہ لہجے میں عمر حیات کے سر پر جم پھینکا۔ شیخ عمر حیات اس وقت دنیا میں سب سے سبکھن خود کو ہی سمجھ رہا تھا۔ وہ نہایت عاجزی سے بولا۔

"گھر کا میری تو کسی سے دشمنی نہیں ہے۔ بھلا کونھے کیوں شک کرے گا؟" اس کے لیے کی عاجزی اور سبکدوشی دیکھ کر ہر صاحب نے دوسرا پتہ پھینکا۔

"جس سے عاجز اور شریف ہو۔ جو کسی کو شک نہ کرے گا۔" دشمن بھی اسی کے ہوتے ہیں۔" کچھ دیر وقت کے بعد ہر صاحب نے اپنی کلف لگی پھیل سے ایک پان لکلا اور کھانا شروع کر دیا۔ جبکہ شیخ صاحب نے وہ کافہ جس میں پان لچھا ہوتا ہے۔ بڑے احترام سے اپنے ہاتھوں میں بٹھالیا۔

"تمہاری بیوی تمہاری اہود ہے۔" ہر نے عالیہ بیگم کے دل میں بھی ہلکے جانے کے لیے اس کی تعریف کی۔ "دیکھو کھانا تمہارے ساتھ ہے۔ اس گھر سے آئیے دور کرنے کے لیے ہمیں بڑی سخت کوشش کرنا ہوگی۔ ہمیں قہوڑی کی تکلیف تو ہوگی، لیکن باقی تمام زندگی سکون سے گزارو گے۔"

"آپ حکم کریں۔ آپ کے لیے تو جان بھی حاضر ہے۔" اس پر احمد باؤ نے جواب دیا تو ہر صاحب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے دیکھنے کا اعزاز ایسا تھا جیسے وہ احمد باؤ کو بھی بار کچر ہوا۔

"کہیں بڑا کاس کی راہ میں رکاوٹ نہ بن جائے۔" ہر نے اپنے دماغ میں آنے والے اس امکان کو رد نہ کیا تھا۔ اس کے لیے بھی چال بچھانا ضروری ہو گیا تھا۔

"ہمیں تمہاری جان کی ضرورت نہیں بیٹا بلکہ پر واد ہے اور ہاں تمہاری جان تمہیں ضرور ملے گی۔" ہر صاحب نے اندھیرے میں تیر چلا یا تو وہ ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔

کیونکہ احمد باؤ نے اس کی بات سن کر شرمندہ ہو جانے والے اعزاز میں نظریں جھکا لی تھیں۔ جس عمر میں احمد باؤ تھا اس عمر میں تو کسی لڑکے کی ذکی لڑکی میں دلچسپی لینے ہیں اور پھر احمد باؤ کا بیٹا سونڈا تھا۔ سونے پر سہاگہ ہے کہ وہ مارن جھلی سے تعلق رکھتا تھا۔ کسی

آدمی اندر داخل ہوا۔ غفران نے اسے پچان لیا تھا وہ چوتھیں کچلے سالو جو ان شیخ صاحب کی فرم میں پہنچ رہا تھا۔ وہ بھی غفران سے ابھی طرح واقف تھا۔ کیونکہ غفران شیخ صاحب کے ساتھ ان کے اس جاہل ہوتا تھا۔ وہ بے یقینی کی حالت میں اسے صاحب غفران کی طرف بلا حارمی علیک سلیک کے بعد بولا۔

"غفران کیا بات ہے۔ آج شیخ صاحب اس نہیں آئے اور سو پانچ بھی بند ہے۔ مگر کے تمام دن صرف مل رہے ہیں۔ میں کب سے کوشش کر رہا ہوں۔"

غفران نے اس کی بات سن کر کوئی رد عمل نہ کرنا بلکہ ان اس سے سوال کر دیا۔

"کیا بات ہے مگر صاحب آپ کچھ بڑے بڑے گھر سے ہیں؟"

"بے یقینی ہی کی تو بات ہے۔ آج شیخ صاحب کی جاپانی مصلحتکاروں سے بیٹنگ تھی۔ وہ آفس میں دو تھکے اندھا کر کے بیٹے گئے ہیں۔ بلکہ ناراض ہو کر گئے ہیں۔ شیخ صاحب کا کروڑوں کا نادمہ ہوتے ہوئے رہ گیا ہے۔" تلخ نے آخری فقرہ غفران کے کان میں سرگوشی کے انداز میں کہا تو غفران اسے اختیار میں بڑا۔ جبکہ تلخ مگر اس کا منہ دیکھنے لگا۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟ گھرے تمہاری یہ حرکت نہ مری گی ہے۔"

"اچھا مگر تلخ صاحب۔ نئی سے تو نئی ہی تھی۔ دیکھو یہ ہم آپ کی بہت عزت کرتے ہیں آپ کا پیغام میں شیخ صاحب کو پہنچا دیتا ہوں۔ آپ تک بلان میں تشریف رکھیں۔"

اسی اثناء میں انہوں نے دیکھا کہ شیخ صاحب جی صاحب کے ساتھ باہر نکل رہے تھے۔ گاڑی پر چڑھ کر ڈرائیور ریٹ کے پاس لے گیا تھا اور باہر نکل کر متوہانہ انداز میں کھڑا تھا۔ تلخ مبین اور غفران یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"شیخ صاحب میری ایک درخواست ہے کہ آپ مجھے سرکار نہ کہا کریں۔ بلکہ مجھے صرف "بابائی" کہا کریں۔ میرے لیے جی لفظ کافی ہے۔" تلخ صاحب نے شیخ جلی کے دل میں گھبراتے کے لیے ایک اور تیر چوڑا۔ جو شیخ جلی کے بیٹے میں جست ہو گیا۔

"کیوں شرمندہ کرتے ہیں سرکار۔ آپ مجھ سے کچھ بھی نہ کہتے۔ درخواست تو مجھے جیسے کہنے لوگ کرتے ہیں۔ آپ کا تو یہ ایمان مرتب ہے۔" شیخ حریات کو اس طرح عاجز اور کمین دیکھ کر مقرر کو لگا کہ وہ کی لفظ مگر کسی لفظ آدمی کو دیکھ رہا ہے۔ یہ تو شیخ حریات نہیں ہے۔ اس نے اپنی آنکھیں مل کر دیکھا لیکن وہ خود غلط تھا اور جھوٹا دیکھ رہا تھا۔ وہ حقیقت ہی تھی بلکہ شیخ حقیقت۔

بابائی کی گاڑی روانہ ہو گئی تو غفران کے ہونٹوں سے سنی کی صورت میں اطمینان بھری سانس لی۔ جسے تلخ نے بھی محسوس کیا۔

☆=====☆

شیخ حریات کا ایک نام نہاد دیر میں اس حد تک دلچسپی لیتا تھا کہ کھنگرہا تھا اور ہلکے اور احمد باؤ کی جہالت کی انتہی بھی بڑی طرح چاہی بن گئی تھی۔ مگر وہ تو مجبور تھا۔ کچلے کی نہ کر سکتا تھا۔ وہ تو صرف خام خام کھانا تھا، حکم کا کلام۔ وہ جانتا تھا کہ شیخ حریات ایک بلا کا نام ہے۔ کیونکہ اس کے دوسرے چہرے کو صرف غفران ہی جانتا تھا۔

جس طرح زکوہ دینے کے لیے ہر شخص کے دروازے ہوتے ہیں۔ ایک اچھا اور دوسرا بُرا بکھل اسی طرح شیخ کے بھی دو چہرے تھے۔ ایک چروا خیریں کا بھروسہ ایک اعلیٰ صنعت کار کا روپاری اچھا اور کراہندہ۔ لیکن دوسرا وہ چہرہ جو کہ بُرا بکھل جانتے تھے۔ وہ صرف بُرا ہی نہیں بلکہ بہت گناہ بھی تھا۔ اتنا گناہ تو تھا کہ اس کے تعلقات مفسر اور ان اعلیٰ افسران تک تھے جو خود تو اس کا ایک اور شایعہ فروخت کرنے جیسے دھندوں سے منسلک تھے۔ لیکن شیخ حریات کے ساتھ بھی کاروباری شراکت داری تھی۔ وہ جو نام نہاد مفسرین کی گروام کی فلاح و بہبود پر کروڑوں خرچ کر کے نہ تو اپنی دعوے ہی کرتے تھے۔ وہ بھی شیخ حریات کے سامنے دار تھے۔ دوسرے شخصوں اور ان کے مال مٹوانا اور اسے اپنے تسلیم وطن کی رنگ رنگ میں جاسور کر کے پکھانا ہی شیخ حریات اور ان اعلیٰ عہدہ داروں کا "مشغلہ" تھا۔

شیخ حریات جو کہ اللہ کی ناک کا گناہ دار تھا۔ ان کی وفات کے بعد تمام مقرر و غیر مقرر جانیہ اور کاردار تھے۔ کوئی تحریر تھی۔ اللہ نے عالیہ بیگم بھی خیر خواہی دی تھی اور ہر ایک بیٹا اور بیٹی بھی نعمت خداوندی تھی۔ ہوزری کارکنس کا بڑا کس تھا۔ مگر میں ابھی خاصی آدمی تھی۔ جو کہ پانچوں کی کی نہ تھی۔ "امیر غریبہ" کے نام سے شیخ صاحب کی ابھی خاصی پچان تھی۔ یہ عرب اور وسطی ایشیائی ریاستوں میں شیخ صاحب کا بڑا ہوا اور آؤ زار اور اپر انتہائی اچھے داموں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا تھا۔ ایک پونٹ میں انتہائی ایمان داری سے یہ کام ہوتا تھا۔ جبکہ دوسرا پونٹ انکی جگہ تھا جس پر صرف "مال" بہر پہنچا جاتا تھا۔ نراؤ زار اور اپر کے اندر رعایت کی چڑیاں سلائی کے سلائی کر دی جاتی تھی۔ آدمی پینٹ پونٹ نمبر اسے اور آدمی پینٹ پونٹ نمبر 2 سے مکمل کر کے بڑے پیر شپ تمام مال متعلقہ ممالک کو بھجوا دیا جاتا تھا۔ یہ تمام امور سکریٹری اہتمام دینے والا فرد واحد غفران تھا۔ جو کہ شیخ صاحب کے اصلی اور نقلی تمام دھندوں سے ابھی طرح واقف تھا اور اپنا حصہ وصول کر لیتا تھا۔

امہ باؤ کو باپ کے دو غبر و حسد کے کی خبر تھی۔ وہ تو صرف یہ جانتا تھا کہ اس کا مہربان باپ دن رات سخت کرتا ہے۔ وہ باپ کے کام میں اس کا ہاتھ پٹانے کے لیے آفس جوتوں پر چکا تھا۔ جبکہ باقی تمام امور اسے غیور مظہر حسین نے سمجھا دیے تھے۔ امہ باؤ جو کہ ایک بی اے تھا۔ کام کو طبعی سمجھ کر اس پر حاوی ہو گیا تھا۔ اس نے بہت تیزی کے ساتھ کام کو ترقی دی تھی۔ جس کی وجہ سے شیخ صاحب کو مزید یمن یمنٹ لگانے پڑے تھے۔ ان کی دیکھ بھال بھی امہ باؤ کی کرتا تھا۔ وہ خاصے وسیع دار اور کاروباری ذہن کا مالک تھا۔

شیخ نے گزشتہ برس ایک ایس سی کی امہ باؤ کو اکثری کرنے کا ارادہ تھا۔ والدین کی لاڈلی بیوے کے ناٹے اپنی پروردہ متوالی تھی اور شیخ صاحب بھی اس کی زبان پر پھول چڑھاتے رہے تھے۔

عالیہ بنکر ایک معزز اور ایک چڑھی عورت تھی۔ ملازموں اور چھوٹے لوگوں کو منہ لگانا اس کے خیال میں اپنی بدنامی کرتا تھا، لیکن ملازموں کے بغیر گھر چلنا خاصا مشکل تھا۔ اس لیے ملازم ان کی مجبور تھے۔ ورنہ وہ ان کی تکین کوٹوں کو بلاتا اور ان کی طرف دیکھتا بھی اپنی تو جین پھینکتی تھی۔ ایک غفران سی تھا جو اسے رعب دار لپکے اور ایل ڈول سے اس کو اس کی اوقات یاد دلاتا تھا۔ وہ غفران سے وہی بھی تھی۔ مگر ٹاپر نہ کرتی تھی۔ کچھ بھی تھا۔ غفران تھا تو ان کا ملازم ہی۔

غیر غفران میں خاصی دلچسپی لیتی تھی۔ کیونکہ شیخ صاحب کی غیر موجودگی میں بھی غفران کا آنا جانا لگا رہتا تھا، لیکن غفران اسے کوئی خاص لطف نہ کرتا تھا۔

”میں تو غریب اور ان پڑھا آدمی ہوں بی بی۔ میری جان کی غلامی کرتے“ وہ شیخ کے پیار بھرے اظہار کے جواب میں ہاتھ جوڑ کر کہتا تو شیخ اس کے اس انداز پر ہزار جان سے قربان ہو جاتی۔

وہ جانتی تھی کہ غفران گڑے کی چھلی ہے۔ جب بھی دولت کی کنڈی ڈالوں گی۔ اسے پکڑا کر اپنے دل کے سر جان میں قید کر لوں گی۔

جبکہ دوسری طرف غفران کے خیالات بکسر مختلف تھے۔ وہ ہر لڑکا کام کر سکتا تھا، لیکن کبھی بھی مالک کے ”بھابھے“ میں ہاتھ نہ مار سکتا تھا۔ غفران میں خامیاں ہی خامیاں تھیں۔ کوئی بھی ایسی بات نہ کہی جو غولبی ہوتی اور جینگی ہوتی۔ تو بچہ چار سال پر اس کی غولبیوں اور نیکیوں کی تعدد و نظر پر جے ہی حیران ہو جاتی تھی۔

دولت کی فراوانی اور مضبوطی ”کنڈ“ نے اس کو عیاں بھی بدایا تھا۔ تمام تھانوں میں

اس کا ریکارڈ تھا۔ نماز روزہ اور دین اسلام سے وہ اتنا ہی دور تھا۔ جتنا ایک پیر پتھر کا دور تک آدمی گناہ کی سوچ سے دور رہتا ہے۔

بیاد محبت اور عشق اس کی کوئی بھی گنجائش نہ ملتی تھی کہ وہ غفران کے دل میں اپنی جگہ بنا سکیں۔ وہ اکثر آدمیوں کو ہار جاتا۔ جبکہ اس کی ہار میں رات کو روزہ و کھول کر اس کی رواد دیکھتی رہتی تھی۔ ماں جی اور اس کی بی بی انی تھی کہ وہ تمام لڑکا کا چھوڑ کر کوئی معمولی نوکری کر لے، لیکن غفران نے جو روایت کیا تو تھی۔ وہ جانتا تھا کہ روزہ و کھول کر کوئی کمالی نہیں جانتی بلکہ چھٹی جانتی ہے اور چھیننے کے لیے طاقت ضروری ہے۔ کیونکہ روزہ و کھول کر کوئی کمالی نہیں جانتی ہے۔ کیونکہ وہ شیخ عمر حیات کے ساتھ بطور پاؤں کا کارڈ کی انم پاریز اور فکشنز میں جا چکا تھا۔ کسی بھی لڑکا کام میں ملوث ہونے پر متحفظ تھا۔ اس کی معمولی سرزنش کرتا اور پھر اسے چھوڑ دیا جاتا تھا۔

غفران نے بھی شیخ عمر حیات کی لگا بھول سے اوچھل اپنا ایک ڈارہ دکھا تھا۔ جس پر اس کا جگری بار اور ”خیر“ جانی ”رہتا تھا۔ بہترین اور بڑے سکون جگہ تھی۔ جو شیر سے چند میل کے فاصلے پر تھی لیکن شیخ عمر حیات کو اس کا علم نہ تھا۔

جانی ایک خیر اور دار و لڑتے جو جان تھا لیکن اس کی جہانی اور خوبصورتی نے اسے کوئی اضافی فائدہ نہ دیا۔ بلکہ غربت اور بے بسی نے اس کے بغیر مزید کم کر دیے تھے۔ یہ غربت اور مطلق اس دنیا کے انوکھے جرم ہیں۔ جن کی سزا اس ملک کا قانون نہیں بلکہ امراء کے ہاتھ سے ہوئے قوانین دہشتہ ہیں۔ جن حلال کی روزی کمانے کے لیے بہت سے باہر بیٹھے چرتے ہیں، لیکن باہر بیٹھے کے لیے بھی غریب کو کچھ نہ بکھیرنے کے لیے شل میں روکا رہتا ہے جو ہمیشہ درکار ہی رہتا ہے۔ جس کو تو غریب کسی نہ کسی امیر کے درکار ”کھاتا“ بن کر رہ جاتا ہے اور اپنی ساری عمر اپنے امیر مالک کے کمرے چاہتے ہی گزار دیتا ہے اور پھر ایک دن اپنے ذرا بے میں موت کو گھٹے کا لیٹا ہے۔

جانی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی تھا، لیکن بروقت غفران نے اس کو سنبھال لیا تھا۔ اسے کسی امیر آدمی کا بے بس نہ کر دینے دیا تھا۔ بلکہ اپنا جگری بار بدایا تھا۔ جس کو جانی بھی اس کا دم بھرتا تھا۔ وہ ابھی طرح جانتا تھا کہ غفران کیا وعدہ کرتا ہے اور کس کے ساتھ کیا کام کرتا ہے۔ بس اس نے بھی غفران سے کوئی سوال نہ کیا تھا۔ یہ اس کا احساس محرومی تھا۔

پھر غفران کی عزت کرتا تھا۔

ہزار ہا رعایوں کے پاؤں پر جانی کی ایک غولبی بھی تھی کہ وہ کبھی بکھار اپنے رب کے

آنکھوں کو کچھ کر کوئی تھمر نہ کیا تھا۔ دعا سے فارغ ہونے کے بعد جانی بھی غفران سے پاس  
جھکی ہوئی چار پائی پر آکر بیٹھ گیا۔

"آج میرے سرکار کیسے راست بھول گئے؟" جانی نے اس کے ہاتھ ملانے پر کہا۔  
غفران نے اس کی طرف بڑے غور سے دیکھا۔

"میرے ایک سوال کا جواب سوچ کر دینا۔ اگر جواب غلط ہوا تو "بھیس" بھی  
بھیروں گا۔"

"تجھے تو یہ ہے غفران بھائی کہ جانی نے بھی بھی تجھے جواب نہیں دیا اور نہ ہی کبھی  
کوئی سوال کیا ہے۔" جانی بھی خوشامروڑ میں تھا۔ "جو بھی بولنا ہے۔ جلدی سے بول  
دے۔ میں جو بھی کہوں گا تجھ کی کہوں گا اور تجھ کے سوا کچھ نہ کہوں گا۔" جانی نے آخری فقرہ  
ہاتھ اٹھا کر اپنے پیش پیش کیا کہ غفران کو بے ساختہ سی آگئی۔

"یہ تو جوائے کے آگے جھکتا ہے۔" غفران نے کہا شروع کیا تو جانی غفران کے منہ  
سے پہلی بار اللہ کا مزن کر حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر دل دھان سے متوجہ ہو گیا۔ کیونکہ  
آج تک غفران نے کبھی بھی اللہ رسول کا ذکر نہ کیا تھا۔ وہ اپنی سستی میں ہی مست رہنے والا  
بندہ تھا۔ جس کو جانی کی حیرت دو چھڑی۔

"مجھے تاکہ اللہ کے سوا کسی انسان کے آگے جھکتا ہوا ہے؟"  
"غفران بھائی بہت مشکل سوال کر دیا ہے تم نے، میرا حال میں اپنی باتیں مصلحت  
کو استعمال کرتے ہوئے اپنے علم کے مطابق اس کا جواب دینے کی کوشش کرنے لگا ہوں۔"  
جانی غفران کے منہ سے سوال سن کر ہی پریشان ہو گیا تھا۔

"اللہ تعالیٰ نے کائنات، ممالک اور جنوں کو تخلیق کرنے کے بعد انسان کو بنایا۔ پہلے  
انسان کو جانے کے بعد اس نے فرشتوں سے اس انسان کو سمجھ کرنے کے لیے کہا تو انھیں  
نے انکار کر دیا۔ رب کائنات کے سامنے اللہ کی سمجھا نہیں ہوئی، لیکن انھیں کی دلیل حق  
کہ وہ کسی انسان کو سمجھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اللہ نے انسان کو کھینچ کر بنی مٹی سے پیدا کیا ہے۔  
جبکہ جنوں کو گندہ اور کریم نے پیدا کرتے وقت آگ کا استعمال کیا تھا۔

انھیں کا انکار جن کر رب واحد نے اسے جنت سے نکل جانے کا حکم دیا۔ تو انھیں نے  
بھی اس کے ہاتھ سے ہونے والوں کو بھگانے کا بیج بکھیر دیا۔ کبھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ  
جن کو بھگانے کا۔ دو زبان کا امکان نہ ہوگی اور جو میرے بھگانے پر بھی سچا ہوگا سیدھا میری  
راہ پر چلے گا، جنت اور طرح طرح کے پھل دیوار سے اس کے فطر ہوں گے۔ جو اللہ کے

حضور سمجھ رہا ہو جاتا تھا۔ اس کے اس کبد سے میں رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ وہ بڑے  
انجام کے لحاظ سے تھا تھا، لیکن جب وہ درود دہنا تو میں محسوس ہوتا تھا کہ اس روئے  
زمین پر اس سے حکام انسان کوئی ہے ہی نہیں۔ شاید یہ غفران کی صحبت کا اثر تھا۔ بس اس  
کے اندر جو قوت ہی انسانیت زندگی دے۔ وہ کسی بھی زبان سے نکلے اور سب کو بھگوان چھاؤ کر  
بھاگنے پر مجبور کرتی تھی، لیکن وہ جانتا تھا کہ یہاں سے نکلنے کے بعد اس زمانے میں دور کی  
شوگریں اور فطر جس اس کا مقدر بن جائیں گی۔ کوئی بھی اسے تو کر ہی نہ دے گا اور محال  
کمانے کے لیے اسے کسی امیر کا بڑا بڑا بچہ نہ دے گا۔ وہ یہ سب نہ جانتا تھا۔ بس یہ خیالات اس  
کے اندر جاتے والی انسانیت کو بھر پورا دیتے تھے۔

غفران نے اسے بھی بھی سخت فطروں سے نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ بعض دفعہ وہ جانی  
سے کوئی نہ کوئی مشورہ بھی لے لیا کرتا تھا اور جانی کے قصائد مشورہ پر عمل کرتے ہوئے وہ کسی  
بار اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہوا تھا۔ اب بھی اسے شیخ عمر حیات کے اس نام لہذا "ہابانی"  
سے چمکدار حاصل کرنے کے لیے جانی سے پُر غلو مشورہ درکار تھا۔ وہ جلد از جلد جانی کے  
پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ اسے ہابانی کا ہر قدم اور ہر زاویہ ہی غلط نظر آ رہا تھا۔ وہ تمام بات جانی  
سے کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اسے بہت کچھ کھٹک نظر آ رہا تھا۔ وہ اپنے اس شک کے کاغذ کو  
ٹکاتا جاتا جانتا تھا۔ بس انجمنی خلیوں میں خلاص اور اپنی مولز سائیکل پر جانی کے پاس اپنے اڈہ پر  
پہنچ گیا تھا۔ دروازہ حسب معمول کھلا ہوا تھا۔ آبادی سے بہت کر اس مکان میں کسی غیر یا  
انجمنی کے آنے کا ذکر نہ تھا اور پھر "چندروں کے گھر سے مور" کیا لے جاتے۔ اسی لیے جانی  
بھی ہر وقت دروازہ کھلا ہی رکھتا تھا۔

اس وقت جانی پر بھی بھگوار چڑنے والا دورہ چڑا تھا۔ وہ اس وقت نماز چڑھ  
رہا تھا۔ غفران خاموشی سے گھن میں پی بی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا تھا اور جانی کے نماز سے فارغ  
ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کتنا بڑا اثر اسے ہوا ہے۔ کبھی نماز چڑھنے لگتا ہے اور کبھی شراب و  
شباب کے مزے لینے لگتا ہے۔ پلٹ پلٹ کر یہ ہے مجھ سے تو اچھا ہے۔ میں تو کبھی مسجد میں نہیں  
گیا۔ اسی اثنا میں جانی نماز سے فارغ ہو گیا تھا۔ غفران نے غور سے دیکھا تو اس کی  
آنکھیں آنسوؤں سے دھلی ہوئی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ جانی جب بھی اللہ کے حضور درجہ رہ  
ہوتا تھا تو پھر یہ فطر کے ساتھ نماز چڑھتا تھا اور اللہ کی وحدانیت بیان کرتے وقت اس کی  
آنکھیں سادہ بھادوں کی جھڑی لگا رہی تھیں۔ جیسی تو غفران نے اس کی شفاف اور حور

کھل کر بننے والے دائرہ اسلام میں داخل ہو گا۔ اس تعلیم اور بابرکت ذات نے مجدد صرف اپنی ذات پر ہی واجب قرار دیا ہے۔ کیونکہ جس عبودیت کی عبادت کی جائے۔ مجدد بھی صرف اسی کو کیا جاتا ہے۔ اسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مجدد کہنے سے منع کیا ہے۔ یعنی کہ یہ شک وہ انسان میری بخشش اور رحمت کا حق دار ہو گا جو میرے محبوب پر درود و سلام پڑھے گا۔ لیکن ایک انسان ہونے کے ناطے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے شک تمام انسانوں سے اعلیٰ و ادنیٰ تعلیم سے بھی تعلیم تر پیوے ایسے کیے ہیں۔ مجدد ان کو بھی جائز نہیں ہے۔ ان کے سامنے بھی مجدد کی تعلیم کے لیے جھکا جائز نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو مجدد کے قابل نہیں بنا رہا تو ایک عام انسان کی کیا اوقات ہے کہ اس کو مجدد کیا جائے۔ اس کے سامنے جھکا جائے۔ لہذا میری بات کا حاصل یہ ہے کہ مجدد صرف اس وحدۃ الشریک کو واجب ہے۔ کسی انسان کو نہیں۔ بے شک وہ بھی ایسا نہیں بن سکتا۔

جانی کی شہرت اتنی تھی کہ غفران کو گمان ہونے لگا کہ وہ بہت بڑا مقرر ہے۔ کوئی بہت بڑا عالم یا مقرر ناصر اسلام ہے، لیکن وہ جانی کے کردار سے بخیر واقف تھا، اس لیے حیران بھی تھا کہ جانی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اتنا کچھ جانتا ہے۔ اس سے پانہ گیارہ سو چھاپی بیٹھا۔

”یہ سہارا کون سارو پ ہے؟“ وہ جانی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ جس کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔ وہ اپنے آنسوؤں کو چھپاتے ہوئے بولا۔

”غفران بھائی اللہ تعالیٰ کا ناس کرم ہے کہ اس نے ہمیں مسلمانوں کے گھرانوں میں بھیے کیا ہے لیکن ہمیں اپنی ذات پر افسوس ہے کہ اس کے اس تعلیم احسان کے بدلے ہم اس کے سامنے ٹھٹھکے سے گر پڑے ہیں۔ یہ میرا کیا روپ نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کی عطا ہے۔“ وہ خاموش ہوا تو غفران بول پڑا۔

”تم کو کہتا ہوں کہ تمام دھندے جھوڑ کر ہم دونوں ”خیر“ ہی بنی جاتے ہیں۔ تمہیں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں معلوم ہیں۔ مجھے تو لوگوں کو ”کمزور“ دینا آتا ہے۔ پار کوئی کمانی ہے اس دھندے میں اور بھر خوبصورت سے خوبصورت لڑکیاں۔ ہائے ہائے جانی بڑا شاد راقتور کرو کہ میری جیسی گوری بچی خوبصورت جوان لڑکی تمہارے پاؤں دھاری ہو اور تم اس کے پاس بیٹھ شرب سے اپنا دل بھارے ہو اور بھر حسن کی بخشش تمہارے اندر دامن چکارتی ہو میں تو کہتا ہوں وارے چارے ہو جائیں گے اور بھر کوئی چہرہ نہ کہے گا کہ غفران اور جانی غلط سے بدعاش ہیں۔ جس حق حلال کی روزی کما لے

تا لے ہوئے راستے پر چلتے ہیں وہ خداوند کریم کی نعمتوں سے مالا مال ہو جاتے ہیں اور جن کو انہیں بیکہ کر اپنے راستے پر لگا لیتا ہے۔ وہ بھی مالا مال ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان کی زندگی کے پلڑے میں گناہوں کا بوجھ بڑھتا رہتا ہے اور پھر زندگی میں ایک گناہ بھی آتا ہے کہ گناہوں کا پلڑا بڑا گناہ بھاری ہو جاتا ہے کہ زندگی بوجھ بھگتے جتنے ہیں۔ موت مانگنے سے بھی نہیں ملتی۔ انسان دردی کی غمگین کھائے پر مجبور ہو جاتا ہے لیکن جب وہ ایک بار سچے دل اور مخلص سے غمخو و رنجیم کی طرف دیکھتا ہے تو وہ بھی سچے دل سے بیکہ جینے بیکہ اپنے اس بندے کی طرف دیکھتا ہے۔ اس پر آخری وقت تک وہ بے درد و اندازے بند نہیں کرتا۔“

جانی یہ کہہ کر کچھ دیر کے لیے رکھا۔ اس نے غمخس کیا کہ غفران بڑے سادہ پاک سے اس کی مشکو سن رہا تھا۔ غفران جانی کے پانہ کس طرح رک جانے پر مضطرب و بے چین نظر آ رہا تھا۔ لیکن وہ جب نہ سکون ہو گیا۔ جب جانی نے دو بار وہ کبیر شریعہ کیا۔

”اس نے بخشش کے لئے ویسے بیکہ کیے ہیں۔ تو تو اتنا غمخو و رنجیم ہے کہ بندہ گناہوں سے نصرت ابراہیمی ہو، اس ایک مرتبہ بے دل سے اس کی طرف رجوع کرے۔ وہ دس ور سچے اپنے بندے کی طرف بڑھتا ہے۔ جو کوئی بھی سچے دل سے کلمہ طیبہ کا دروازہ ہے، رب کریم اس کلمہ میں پانے والے دوسرے نصیحت اور مسرت سے ہی اس کی بخشش کر دیتا ہے۔ ہمیں کوئی عبود لائق عبادت کے سوا ہے اللہ تعالیٰ کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ پس وہ اپنے نام کے ساتھ اس چیز کی گواہی مانگتا تھا کہ اس کے بنائے ہوئے انسان ”اشہدان محمد عبدہ و رسول“ کہتے ہوئے اس بات کا اعادہ ہو کہ اللہ بے شک ایک ہے۔ وہی وحدۃ الشریک ہے وہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ ان کا مقام اور درجہ بھی کسی کو نہ ملتا تھا اور نہ ہی ملنا تھا۔ کیونکہ تمام بشرت اور جن و ملک، چرند و پرند، پہاڑ و دریا، آسمان و زمین کی تخلیق سے پہلے ہی اس پر ہوا اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق کر دیا تھا۔ پس وہ جانا پانا جانتا تھا کہ اس کے محبوب کی قدر و قیمت اس کی بشر بھی کرتی ہے باتیں۔“ وہ کچھ دیر توقف کے بعد بھر بولا۔ ”اگر تمہیں تو انسانیت کی بخشش نہ ہو گی۔ کیونکہ اس نے اپنی مقدس کتاب میں فرمادیا ہے کہ۔“ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ اسے ایمان والو تم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجو۔“

جو شخص اللہ کی اطاعت کرے گا۔ اس پر ہی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی واجب ہے۔ کیونکہ صرف اتنا ہی کہنے سے کوئی مسلمان نہیں ہو گا کہ ”لا الہ الا اللہ“ بلکہ اس تعلیم پر

ہیں۔

غفران کے تانے کا انداز نازا تھا، لیکن علیحدہ کے نام پر جانی چٹک گیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کتنی عمر حیات کی اکٹھی بیج کا نام علیحدہ ہے اور وہ غفران میں دیکھی گئی ہے۔ جیسی تو وہ تمام امور والے طاق رکھتے ہوئے غفران سے سوال کر بیٹھا۔

”اس ساری بات میں تمھارا بابائی کا ذکر کیسے؟ اور پھر تم آج کیسی باتیں کر رہے ہو؟ جو بھی کہانی ہے مجھے مکمل کرنا دو۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمھارے درد کو کوئی دوا دے سکوں۔“

غفران نے اس کی طرف جھپٹی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

”بابائی تو کتنا بے مروت ہے۔ وہ بھی تک کوئی“ ”بیوا“ ”ہی نہیں کی، وہ ڈرامہ رچا ہے کوئی کھانے کی چیز کال کرنا۔ پھر تمہیں بتا دوں۔“

”میں تو کہتا ہوں غفران بھائی! اتنی اچھی باتیں ہو رہی ہیں۔ میرا اٹھنے کو دل ہی نہیں کرتا۔“

”باتیں تو بہت اچھی ہو رہی ہیں۔ پر تجھے تو پتہ ہے کہ یہ عشق محبت میرے بس کے کام نہیں ہیں۔ یہ تمہاری چیزیں ہیں، ایک کام کرو، یا پھر چلو یہ سب سب دیکھا ہے۔ لوگ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے بھی جھوٹے کہتے ہیں۔“ غفران نے جانی کی بات کا جواب دیا۔

”اچھا یہ بتاؤ کہ تم آج اسے دوں بعد کو حیرت بھول دے ہو؟“

”خوب یاد دلایا ہے۔“ ”ذرا غور سے سنو۔“ غفران سسکا کر تمام بات جانی کو سنانے لگا۔ جانی بڑے اشتیاق سے سن رہا تھا۔ وہ غفران کی ایک ایک بات پر غور کر رہا تھا۔ جب تمام گفتگو ختم ہوئی تو جانی بولی ہوا۔

”غفران بھائی تم کیا چاہتے ہو؟“

”اس بابائی کا مکمل درد دار بعد۔ وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ آیا ہے؟ کیا چاہتا ہے؟ شیخ عمر حیات اس کا اتنا مطیع کیوں ہے؟ علیحدہ اور احمد باؤ کچھ بڑے گیسے جانی اس کی منسوخی کیوں کرتے ہیں؟ ان تمام باتوں کے لیے تمہیں ایک ماہ کا وقت دیتا ہوں۔“ بس! ”غفران نے ہاتھ اٹھا کر جانی سے کہا اور باہر کی طرف پکا تو جانی بھی اس کے پیچھے ہی آگیا۔

”اس آج کل جیب خالی ہے اور بھال بھال کرتی ہوئی جیب جانی کا طریقہ نہیں ہے۔“

”تجھے سننی بار کہا ہے کہ اس گھر میں پڑی ہوئی ہر چیز تمھاری ہے۔ سچی چاہے تم و منتہا کرو۔“

”آپ کو تو علم ہے غفران بھائی کہ میں نے کبھی بھی آپ کی اجازت کے بغیر اس گھر سے ایک ٹکڑا بھی نہیں اٹھایا۔“

”اچھا ابھی تو میں دیکھ رہا ہوں کہ اس گھر میں کتنا گند پڑا ہوا ہے۔ اللہ کے بندے کتنا تو اعلیٰ کرنا کر۔“ یہ غفران کی طرف سے اشارہ تھا کہ وہ سچی چاہے تم استعمال کر سکتا ہے۔ اس گھر میں جسے انہوں نے لڑا دیا تھا تھا۔ چھپکے کرے میں ایک تہہ خانہ بھی تھا۔ جس کا علم صرف جانی اور غفران کو ہی تھا۔ اس میں غفران نے کافی دولت اور اسلحہ جمع کر رکھا تھا۔

بوقت ضرورت جانی اور غفران اس حرام کی کمانی سے اپنی ضروریات پوری کر لیتے تھے۔

ماں کی کوئی خاطر تھا کہ شیخ عمر حیات اپنے گھر کے دروازہ کی کمانی سے اس کا بیٹا غفران، شیخ کا ملازم تھا۔ اس کی جیلری میں ملازمت کرتا تھا۔ شیخ عمر حیات کے گھر کے دروازہ کی وجہ سے اس کا بیٹا بھی بدنام ہو رہا تھا۔ بس ماں کی بی بی غفران کو کچھ کھانے کی تھیں، لیکن اس کے کان پر تو بھل گند نہ دھکی تھی۔

اب بھی غفران کی سولہ سالگی اپنے گھر کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ وہ کیوں بوند اپنے گھر جا رہا تھا۔ اس نے بابائی کے پیچھے جانی کو لگا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جانی کام کا بندہ ہے۔ وہ بہت جلد بابائی کا چٹا چٹا کھول کر رکھ دے گا۔ اسے خواہ مخواہ اسی بابائی سے نفرت ہو رہی تھی۔ حالانکہ یہ اس کی ٹھیک سی ملاقات تھی بلکہ یہ کبھی کبھی مر جتا تھا۔

اسے اس شخص کے چہرے پر یہ خفاست لگتی صاف نظر آتی تھی، لیکن شیخ عمر حیات جیسا ”خراست“ بندہ اس کی اطاعت کر رہا تھا۔ کچھ تو کچھ تھلا تھا۔ بس وہ انہی سوچوں میں گم اپنے گھر پہنچ گیا تھا۔

وہ کالی دونوں ہاتھ گر آیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ماں ہی سے بھڑکیاں مٹی چڑی گی، لیکن جب وہ اندر داخل ہوا تو حیران ہی نہیں بلکہ پریشان بھی ہو گیا۔ کیونکہ اس کے گھر میں ”بھڑکی بابا“ اور ان کا خاص مرے اسٹیل بھی موجود تھے۔ وہ حسب عادت زمین پر چھٹی ہوئی پٹنی پر ٹھہر بیٹھا تھا اسٹیل ان کے پیچھے کھنکھوں کے شل ہوا کر ان کے کندھے پر پار تھا۔ جبکہ ماں کی کبھی ٹھہر نہ رہی تھیں۔ اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ ماں کی پیچھے کمرے میں ہوں، لیکن واضح محسوس ہو رہا تھا کہ گھر میں کبھی بھی ماں کی نہیں ہیں۔

شاہد کی اسے خاص طور پر دیکھ رہے تھے۔ وہ ناکھٹلہ و گھڑی کر رہا تھا مگر اس نے شاہد کی کی بیوی عزت کی تھی۔ کیونکہ اس نے اپنے دادا اور والد کو بھی شاہد کی کے خاندان کی تقسیم اور تو قیور کرتے ہوئے زندہ نہیں گزارا۔ اس نے دیکھا تھا۔ بس اس نے کبھی بھی شاہد کی کے



ساتھ ساتھ نہ اٹھائی تھی۔

اور سوال داغ دیا۔

”کیا میں سے آ رہے ہو؟“

وہ جانتا تھا کہ شاہ علی اللہ کے ایک بندے ہیں اور پھر آل رسول بھی اور پھر اسے یہ بھی معلوم تھا کہ شاہ عثمانی نے شاہ علی کے دادا کی کوہستہ ساری طم کی دولت سے نوازا تھا۔ پھر یہ علم ان کی وقت کے بعد ان کے گدی نشین یعنی شاہ علی کے والد محترم کی زیر نگرانی رہا اور پھر ان کی زندگی میں ہی انہوں نے اپنے علم اور اسرار خداوندی شاہ علی پر آشکار کرنا شروع کر دیے تھے۔ یعنی طم کی دولت اور اسرار خداوندی، دین اسلام کی کچھ بے پیمان کی میراث تھی۔ وہ اسی شاہ علی سے کوئی جھوٹ نہ بولنا چاہتا تھا۔

”جانی کے پاس سے آ رہا ہوں۔“ وہ کہا جیت لیا بات سے بولا تھا۔

”یہ جانی کون ہے؟“

”میرا دوست ہے جی۔“

”کبھی ملایا تو نہیں کرتے اس دوست سے۔“

”وہ بھی میری طرح کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ بس اسی لیے میں اسے اس قافل نہیں سمجھتا تھا۔“

”اگر وہ بھی اچھا آدمی نہیں ہے اور تمہاری طرح خراب آدمی ہے۔ تو تم میرے پاس بیٹھو۔“

”میں ملایاؤں گا جی اس کو آپ سے۔“

”تو پھر کب ملایا رہے ہو؟“

”یہ شاہی کو جانی میں دلچسپی نہیں ہونے لگی۔ حالانکہ انہوں نے کبھی اسے دیکھا بھی نہیں تھا اور فطران کو جہاں تک یاد پڑتا تھا۔ اس نے کبھی اس سے کبھی اس کا ذکر نہ کیا تھا۔ پھر شاہی جی جیسا عقیم انسان ایک غلط سے بد معاش سے کیوں ملتا چاہتا تھا؟“ فطران سوچ میں ڈوب گیا تھا کہ شاہی کی آواز نے اس کے رہے ہے حواس بھی باندھ کر دیے۔

”وہ غلطہ بد معاش ضرور ہے۔“ وہ دیکھ کر کے لیے چپ ہوئے۔ شاہی فطران کے چہرے پر اپنی کبھی ہونے کی بات کے تاثرات دیکھنا چاہتے تھے۔

”اس کے اندر بھی تمہاری طرح ایک انسان چھپا ہوا ہے۔ جو ایک تو بے تحاشی سلطان کے نرے میں نہی کی طرح پھنسا ہوا ہے۔ وہ کبھی کبھار اس جنگل سے نکلنے کی کوشش میں دو چار جہر سے خداوند کو ضرور کرتا ہے۔ مگر دل سے بے ایمانی نہیں جانتی۔“ وہ کچھ وقت کے بعد

ماں جی نے کی بار کہا تھا کہ شاہی اسے بھی بیٹ کر لیں۔ اپنا مرچہ بانٹیں۔ تو شاہ علی کا ایک ہی جواب ہوتا تھا۔ بیٹ کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ یہ پیداؤں کی طور پر ہی ہمارا مرچہ تھا اور ہم نے بھی اسے دل و جان سے مرچہ مان لیا ہے، لیکن انجی کچھ دیر ہے۔ بہت سے ٹھکن اتھکانات مقصود ہیں۔ جن سے گزر کر ہی یہ کنڈن بنے گا اور کسی مرچہ کا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں بیٹ حاصل کرنے کے لیے بھی آتا ہے جب وہ زمانے اور حالات کی بجلی میں تپ تپ کر کنڈن بن چکا ہو شاہی اس کی طرف دیکھ کر بیٹھ کی طرح اب بھی مخصوص مسکراہٹ ہوتی ہے۔ ہاتھ سے منہ دھو کر کھانا کھا لیتی گا اور کر رہے تھے۔

فطران نے جوتی اتار کر ایک طرف رکھی اور لٹک چیں جھکائے ہوئے چٹائی پر شاہی کے قدموں میں دوڑا لٹک چیا۔ اسے خاموش بیٹھا دیکھ کر شاہی نے لب کشائی کی۔

”السلام علیکم؟“

فطران شاہی کے منہ سے سلام کی پہلی سن کر انتہائی نام ہوا۔ وہ سوچ رہی نہیں کر سکتا تھا کہ شاہی اس کی اس لفظی کو اس طرح سدھار رہی تھی۔ یقیناً یہ اس کی لفظی تھی کہ وہ ہمارے آیا تھا اور پھر شاہی کے مرچہ کے مطابق اسے سلام کرنے میں پہل کرنی چاہتے تھی۔ اسے کچھ نہ سوچا۔ اس نے بھی بیٹھ سے سلام کر دیا۔

شاہی اور افضل اس کی اس حالت سے حاسے محفوظ ہو رہے تھے۔

”وعلیکم السلام ورحمت اللہ وبرکاتہ“ شاہی نے اس کے سلام کا جواب دے کر ایک بار پھر اسے احساس دلایا کہ اسے شاہی کے سلام کا جواب دینا چاہئے تھا۔ اسے کچھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ سینکڑوں بے نیس والوں کو اپنی انگلیوں پر پچانے والا فطران اس وقت ان کے سامنے بیٹھ گیا تھا اور تھا۔

”وہا۔۔۔۔۔ بات اصل میں یہ ہے جی کہ۔۔۔۔۔“ وہ دیکھ کر کے لیے رکا، لیکن شاہی نے انتہا میں ایسے سر ہلایا کہ وہ اس کی بات بہتیں گوش ہو کر سن رہے ہیں۔ اسے اور تو کچھ نہ سمجھا یا اس میں کبھی نہ سمجھا۔

”معافی چاہتا ہوں شاہی۔ پڑھا کھانا نہیں ہوں۔ اسی لیے ادب و آداب کا لحاظ نہیں رہتا۔“

اس کا خیال تھا کہ شاہی اسے تقسیم کی افادیت اور ادب کے موضوع پر ایک طویل چکر دیں گے، لیکن وہ تب حیران ہوا۔ جب انہوں نے اس کی بات کو گھڑا گھڑا کرے ایک

بھروسے۔ "اس کا دل بھی دھوا پڑے گا۔ اس کے گھر بھی جانا پڑے گا۔"

غفران کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ وہ بے بات اچھی طرح جانتا تھا کہ جانی بھی بکھا رہا تھا پڑھ لیتا ہے اور پھر یہ تو آج کا تازہ واقعہ تھا کہ اس نے چھوڑے کے موضوع پر غفران کو طویل گفتگو کیا تھا۔ وہ خود کے موضوع پر بڑا دلچسپ لڑا لڑلا کر کرتے ہوئے روز بے وقار تھا لیکن غفران جانتا تھا کہ وہ کچھ بھلا آدمی نہیں ہے۔ بعض اوقات جب اس کے اندر چمکا ہوا اچھا انسان اسے بھجور کرتا ہے تو وہ نماز میں پڑھنی شروع کر دیتا ہے اور جب اس کے دل سے سبکل شدہ اور گھٹیا سوچ ختم ہوتی ہے تو وہ اپنا دریاغ استعمال کرنے کی بجائے دل کا فیصلہ مانتے ہوئے بھجور جاتا ہے۔ کیونکہ بھول شادی اس کے دل پر شیطان کا غلبہ ہے۔ اس کے دل کے میل کو دھونا پڑے گا۔

"مگر کیسے؟ کیا جانی کا دل نکال کر دھوئیں گے؟ اس طرح تو جانی مر جائے گا۔ کیا شادی ہی اس سے اس کا دوست بچیں نہیں گے؟ نہیں نہیں۔ شادی بھی جیسا مظہر انسان ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ بھی وہ کسی کی جان نہیں لے سکتے۔ نہیں کسی نہیں۔ نہیں نہیں۔ وہ بے خیال میں یہی بولنے لگا۔ وہ خیالات کے صندوق میں الجھ کر بہت دور نکل گیا تھا۔ اسے یہ بھی ہوش نہ رہا کہ وہ اپنے گھر میں ہے اور شادی کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے خیالات کی راہمن سلجھانے کے لیے شادی نے اپنی نرم اور مٹھنی آواز سے خیالات کی دھڑکا ایک سراپا اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے اسے پکارا۔

"کیا تم اپنا دل دھونا چاہتے ہو؟"

"ہاں؟" وہ گھبرا کر پوچھا۔

"تو پھر شیطان کا دامن چھوڑ دو۔ اس سب اطمینان کا دامن پکڑو جو دونوں بچانوں کا رہا ہے۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔" وہ بے اختیار بولا۔ شیطان ایک بار پھر اس پر حاوی ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ مزے لٹکھو ہوئی۔ چروٹی روزانہ سے بے ماس جی راض ہوئی دکھائی دیں۔ ان کے چہرے ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی جی جی۔ جس کی عمر تقریباً بیس برس سال ہوگی۔ جبکہ اس سے ایک بارہویہ سال لڑکے کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا اور لڑکا اس سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ مغلدر کچھ کر اطمینان تو آگے آجائے۔ اس نے لڑکی سے لڑکے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ماس غفران کو دیکھ کر خوش بھی ہوئیں اور ہم آہنگی۔ کیونکہ وہ اسی طرح ایک آقا تھا۔ آج تو شادی ان کے قریب نہ تھی نہ بد قسم

تھے۔ وہ آسانی غفران کی بات ان سے کر سکتی تھیں۔

"اچھا تو یہ تمہاری چال ہے رشید حسین! میں بھی کہوں کہ یہ کیا آج کچھ کہاں کے رہا رہی ہے؟"

بارہ سال لڑکے کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے تھے کہ اطمینان اور غفران کے تین دن میں آج تک کئی جی۔ انہوں نے چونکہ کڑا کے کی طرف دیکھا۔ جس کی آنکھیں سرخ آنکھ ہو رہی تھیں۔ وہ اطمینان کے مضبوط ہاتھوں سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بار بار اشارہ جی کی طرف دیکھ رہا تھا اور مٹھے سے پتھر مار رہا تھا۔ وہ بارہ سال کڑا کا اطمینان کے ڈھیلے ڈول اور مضبوط جوہر کو بھی مار رہا تھا۔

غفران نے اس خوبصورت لڑکی کی طرف دیکھا۔ جس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے موتی جھلک رہے تھے۔ وہ اپنی نرم ہاتھ نازک انگلیوں سے ان کو صاف کر رہی تھی۔ وہ غفران کی موجودگی سے بے خبر تھی۔ یہ بھی تو اس نے کوئی پردہ نہ کیا تھا۔ اس کا سن اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ اگر چاہو اسے دیکھ لے تو روشنی اور چاندنی کی جھلک مانگ لے۔ مگر اس کی نکھری ہوئی سیاہ آنکھیں ہال دیکھ لیں تو "گھٹا میں رہنا بھول جائیں۔"

اس سے پہلے کہ غفران اس کے سراپا حسن پر مزے غور کرتا۔ وہ روٹی ہوئی ماس جی کے پاس ہی چٹائی پر بیٹھی۔ غفران بھی شادی کی طرف دیکھا اور بھی اس لڑکے کی طرف دیکھا جو شادی کو مسلسل گھور رہا تھا۔ اس کی نگاہ میں یہ معاملہ نہ آ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کا ذہن مزید الجھتا۔ اس لڑکے کے منہ سے بڑی صبا تک آواز آئی۔ جو یقیناً اس کی اپنی آواز نہ تھی۔

"رشید حسین! اجازت چاہو۔ وہ تمہاری لاش پر دوئے والوں کو بھی نہیں چھوڑیں گا۔"

اس کی آواز میں نہ جانے کیا کچھ تھا کہ ماس جی اور وہ لڑکی سر ہٹا کر کانپ کر رہ گئیں۔ جبکہ غفران بھی اپنی جگہ پر بیٹھ کر رہ گیا لیکن ان سب کی حالت سے بے نیاز "رشید حسین! بھاری" مسلسل دیکھ رہا ہے۔ ان کے ہونٹ متحرک تھے اور بے لگات اس لڑکے پر بھاری ہو رہے تھے۔ وہ اطمینان کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے تڑپ رہا تھا، لیکن اطمینان نہ جانے کیا کیا تھا کہ اس نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے لڑکے کو تھپکایا ہوا تھا۔ غفران حیرت زدہ ہو کر یہ سارا معاملہ دیکھ رہا تھا۔

اسی اثناء میں شادی اپنی جگہ سے اٹھی اور لڑکے پر بھونک ماری۔ اس بھونک میں نہ جانے کیا آواز تھا کہ وہ لڑکا بے ہوش ہو گیا۔ اطمینان نے شادی کے اشارہ پر اس کا ہاتھ چھوڑ کر اسے آگے سے زمین پر لٹا دیا۔ پھر انہوں نے تمام لوگوں کو وہیں اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے

روایت سے انسویں چمک کر ہلک گیا ہوگی۔

”پھر تھک کر دو گھنٹہ پر رحم کیا۔ مجھے ایک پرائیویٹ سکول میں تیسری کی جانب مل گئی۔ اس خواہ سے ہمارا تکرار ہونے لگا۔ میں نے خالہ کو بھی قرآن پاک کی تعلیم دینی شروع کر دی تھی۔ یہ ماں باا جہد تین بارے حلقہ کر چکا ہے۔ ایک دن سکول سے واپس پر اس نے کئی درخت کے نیچے چٹاب کر دیا۔ بس اسی دن سے اس کی بے حالت ہو گئی ہے۔ راہ جاتے ہوئے لوگوں کو کاکائیاں دیتا ہے۔ لوگوں کے دروازوں پر پائٹیں مارنے لگتا ہے۔ کبھی کبھی تو راتوں کو اٹھ کر دیواروں پر چٹانا شروع کر دیتا ہے۔“ دوسرے سے بے ہوشی بڑے ہوئے خالہ کو کچھ رسی تھی۔ اس کی آواز بھرا جاتی تو شادی سے اسے اذاسا دیتے تھے۔ جبکہ ماں جی، فخر علی اور مطلق اس ماں بھرا جاتی اور خاموشی سے سن رہے تھے۔

[illegible]

کوئی اور بات جو روٹی ہو؟“ شادی نے پوچھا۔ تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔ وہ جذبات کا غبار نظر آ رہی تھی۔ جیسے وہ کوئی اہم بات چھپانا چاہتی ہو، لیکن اہم علم سے وہ بچا نہ سکتی ہو۔

”جو بھی بات ہے باغور و خفا کہہ دو بیٹی! اس بار میں جی مصر سے کاغذ ہوئی  
 ہیں۔“

شاہ جی پھر گویا ہوئے۔ ”میں یقین دلانا ہوں کہ تمہارے بھائی کو کچھ نقصان نہیں ہو گا۔“

وہ جیسے ٹھگ ہو کر رہ گئی تھی۔ کیونکہ اس کے ذہن میں فوراً ہی یہ خیال آیا تھا کہ اگر وہ

رہنے کا کہا اور خود شہادت کی انہی کے اشارے سے چٹائی کے ارد گرد اس طرح دائروں کا خاکہ  
اس رقص افراد جو بیٹھے ہوئے تھے خود کو جانوروں کے اندر محسوس کرنے لگے۔

رشید حسین بخاری واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے۔ اس بار اطمینان کے ساتھ ہی باادب روزانو بیٹھ گیا تھا۔ شاہ جی ان کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

”آپ کو بھی فرداں چنانچہ میں نے دیا۔ چاہے حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یہ بھی ڈرا اور خوف کی بنا پر پھر کسی عرصہ پر شدید بازی کی دہشت سے متاثر ہو کر گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُن اور کچھ دلائل میں نے لگا دیا ہے۔ صرف آپ کی حفاظت کے لیے لگا دیا ہے۔“ وہ کچھ کچھ کے لیے خاموش رہا۔

”اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے کوئی بھی شیطانِ عاقبت آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔“ اس کے بعد وہ غلہ سورت لڑی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ”مصرعہ! تمہارا رحمت۔ خدا نے جاننا تو تمہارا ایمان کیا تھا! اٹھا پہلا اور جانے لگا۔“

شاہ ولی کے اس لڑکے کو خواجہ گرب نے بے پرفران کو معلوم ہوا کہ اس مجسمہ حسن کا نام عصمہ اور اس لڑکے کا نام خالد ہے جو اس کا بھائی بھی ہے۔ اٹھ جانے اس کو کیا بیماری تھی اور شاہ ولی نے جانے کیا کرنے والے تھے۔ وہ دو ایک بار پھر عصمہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

”جینی جو بھی بات ہے۔ نکل کر بتاؤ تا کہ میں اچھی طرح اللہ کی رضا سے اس کا عمل کر سکوں۔“

مصر سے پہلی بار اپنے ارد گرد و ماحول پر نظر ڈرو گی کہ جو غلطی کی نذر آت کہ احساس اور مشرقی صورت کی جس جاگ بجاچی۔ اس کی آنکھوں کی سرخی اور کھٹی اور سے بتا رہے تھے کہ وہ کی راتوں سے جو نہیں کسی اور مسلسل رونے سے اس کی آنکھیں سوچ گئی تھیں۔ وہ اب بھی روتا رہا آنکھوں سے سسک سسک کر نظر سے جھکا گئی ہوئی تھی۔

”والہ یمن کی وفات کے بعد اس انگوٹے بھائی کی ذمہ داری بھی پرآن پڑی۔ یمن نے بچنے کو میرے ساتھ قابو کنہ سے اس بوجھ کو برداشت کرنے کے لیے مجھے اس بے شرم اور نام نہاد شرافہ کی دنیا میں کوئی کام کرنے پر مجبور کرنے گئے۔ میں حافظہ قرآن ہوں۔ میں نے گرجہ سب سے بھی کیا ہے۔ اپنا اور اس بھائی کا بیٹ بھرنے کے لیے کئی دفاتر کے چکر لگائے۔ مگر کسی نے بھی اپنی ہوس کو کبھی پشت ڈال کر میرے ٹینٹ اور مجھ کی قدر نہ کی۔ بلکہ اپنا جائزہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔“ یہ کہہ کر وہ رونے لگی اور سامنے چلے ہوئے بے ہوش بھائی کو دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں کرب اور غصہ کی جھلک نمایاں ہو گئی تھی۔ وہ اسے

تمام بات شادی کو تیار دے تو کہیں اس کے بھائی کو نقصان نہ پہنچے۔ شاہ بی نے اس کے دل کی بات فوراً سچ نہ کی تھی۔

وہ چمکی اٹھی اور باشعور ہو کر کہی۔ ”دیکھو اچھی کتاب اس“ ”نیک بادشاہ“ ”جو کبھی نہیں چھپانا چاہئے وہ اس انداز میں ہوئی کہ جیسے نہ بدعتی اس سے کوئی بیان لیا جا رہا ہو۔

”میں ایک دن قرآن حکیم کی تلاوت کر رہی تھی کہ خالد نے باہر سے آکر میرے ہاتھوں سے قرآن کریم چھیننے کی کوشش کی لیکن میں نے ایسا نہ کرنے دیا۔ عصمہ ایک بار پھر رو پڑی، اس کی بات سن کر حاضرین پر سخت طاری ہو گیا تھا۔ غفران کو تعلیم کی کمی اور غلط فہمی نے کبھی بھی قرآن حکیم کی طرف رغبت نہ ہونے دی تھی، لیکن وہ اکثر دیکھتا تھا کہ اس کی ماں قرآن حکیم کو چوم کر اپنی آنکھوں سے لگا کر قہقہے سے اسے اچھی طرح محبت سے بوسے دے کر پھر انتہائی احتیاط سے کھول کر پڑھتی تھیں۔ وہ یہ جانتا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہزل کی ہوئی وہ کتاب ہے۔ جس نے اپنے پیارے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ اللہ علیہ وسلم پر اتاری تھی۔ اس کا ایک ایک حرف ایک ایک ذرہ بڑا شہدہ حرام نقطہ ہر چیز غرض کہ اس کو پھینک دیا۔ جزدان بھی قاضی تعلیم اور واجب احرام تھا۔

”اس پر ایک جن کا قبضہ ہے۔“ شاہ بی کی آواز کی بھی ماں سب کے لیے ایک بھڑکائی۔  
”وہ جن بی بی ہیں۔ اس بچے نے جس جگہ بیٹھ پایا تھا۔ وہ جگہ اس کا مسکن تھی۔ اس نے اُن جاننے میں آیا کیا تھا۔ جس وجہ سے جن اس پر بائیں ہو گیا۔ اس کے اندر بیٹنے والا جن اسے چھٹے چلنے پر مجبور کر رہا تھا۔ دوسرے مجبور کر رہا تھا کہ یہ خلا کام کرے۔ لوگوں کو کھالیاں دے۔ لوگوں کے دروازے توڑے تاکہ لوگ اسے الٹ دیں۔ اس کے جسم کو تکلیف پہنچائیں۔ ایسا کر کے وہ جن اپنے خاندان کو تحسین پہنچاتا تھا۔ جس پر اس نے بیٹھاپ کر دیا تھا۔ قرآن حکیم کی بے حرمتی اس کا آخری حربہ تھی اگر خالد اس عقیم اور مقدس کتاب کی بے حرمتی کر دیتا تو جیتنے والوں کے مار ڈالنے اور مہکے ہوئے مٹی میں چاہتا تھا۔ اس طرح اس کا انتقام ہو رہا جاتا۔“

شاہ بی خاموش ہوئے تو ماحول سرزد ہو گیا تھا۔ غفران جو کہ روزانہ نہ تو دل اور جدید اسطو سے کھیلتا تھا۔ اسے یقین نہ ہو رہا تھا کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ”جن پر پاؤں“ ہوئی ہیں لیکن یہ بات کوئی عام آدمی نہ کہہ رہا تھا۔ شاہ صاحب کہہ رہے تھے۔ جراثیم رسول تھے اور انہوں نے کبھی بھی جھوٹ نہ بولا تھا۔ ان کی کوئی بھی بات اپنی طرف سے نہ ہوتی تھی۔ بلکہ ہر بات میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہوتی تھی۔

”تم فکر نہ کرو اللہ تعالیٰ بھڑکے گا۔ اس کی دوا اور خفا سے ہم کچھ نہ کچھ ضرور کر سکتے ہیں۔“ یہ کہہ کر شاہ بی منہ مڑی منہ میں کچھ پڑھنے لگے، لیکن انٹیلیجنس کے چہرے پر اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ بیٹھ کر دہرایا۔ یہ بات غفران نے ہی محسوس کی تھی جبکہ عصمہ اور ماں جی سر جھکا کر ہونے لگی تھیں۔ شاہ بی نے فکر بچاؤ میں منہ جگ پڑنے کے بعد پہلے ہوش پڑے ہوئے خالد کے چہرے پر ہلکے بھوک ماری تو وہ ہرجم جھری گئے کہ اللہ بیٹا۔ وہ حیرانگی سے تمام لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس ماحول کو ابھی سمجھ کر وہ اللہ کر بھانجا چاہتا تھا، لیکن اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا۔ اس نے جب عصمہ کی طرف دیکھا تو وہ تار تار ہلا۔

”آئی ہم کہاں آ گئے ہیں؟“ ”یہاں کون ہیں؟“ ”مجھے اس سے رنگ نہ رہا ہے۔“  
”محمد خالد، میری طرف دیکھو۔“ شاہ بی کی آواز میں جو کڑک تھی وہ خالد کا درنا بدلنے کے لیے کافی تھی۔

”آپ کون ہیں؟“ وہ شاہ بی سے مخاطب تھا۔  
”اللہ کا بندہ ہوں۔“  
”مجھے کیوں پتا نہ چلا ہے؟“ خالد کا چہرہ آہستہ آہستہ سرخ ہونا شروع ہو گیا تھا۔  
”ابھی کھول دیں گے۔“ شاہ بی نرمی سے بولے۔  
”تم آگ سے ٹھیک رہے ہو رشید حسین۔“ خالد کے منہ سے بکا یک تیز آواز نکلی۔  
اس کا چہرہ آگ کی طرح لال ہو گیا۔ ہلکے بھوک ہو گیا تھا۔ آنکھوں سے ٹھون لگتا محسوس ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا ابھی اس کی آنکھیں خون ریز شروع کر دیں گی۔ اس کی آواز میں تبدیلی ہوئی تھی۔ اب کوئی بچہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ بارہ سالہ بچہ خالد بات کر رہا ہے۔ عصمہ اپنے بھائی کی حالت دیکھ کر پھر روئے لگی تھی۔ ماں جی اور غفران مضطرب نظر آ رہے تھے۔ جیسا انٹیلیجنس نے نہ سونہ ہو چکا تھا۔ خالد کا چہرہ کچھ تار تار ہوا تھا۔  
”رشید حسین! آواز جاؤ۔ میں تمہاری تسلی نہیں کر دوں گا۔“ خالد بھر پور آواز۔

شاہ بی نرمی سے سکرانے۔ ”تاخیر نہ کرواؤ کہ تمہارے اجداد شروع سے ہی آگ سے کھینچے ہوئے آ رہے ہیں اور میری نسل ختم کرنے کی بات تم نے خوب کہی۔ کیونکہ میری کوئی اولاد نہیں۔ میرے مرے ہیں ہی میری اولاد ہیں۔“ وہ خالد کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ ”اور تم اپنی جرات نہیں کر سکتے کہ میرے کسی بھی مرے کو کوئی نگاہ دے کہہ سکو۔“ یہ کہہ کر ان کے ہونٹ پھر حرکت ہو گئے۔ وہ پڑھتے جا رہے تھے اور خالد کی جسمانی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ غفران اور عصمہ کو تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی الف بیلوی داستان کے کردار

ہوں۔ کیونکہ وہ دونوں ہی اس طرح کی ناقابل یقین باتیں اور عمل کیلئے بارود کچھ رہے تھے۔ جبکہ ماں بی بی بالکل بے سکون تھیں۔ کیونکہ وہ بخاری بابا کی پرانی سرے کی تھیں۔ اسی لیے یہ کام اس کے لیے کوئی نیا نہ تھا اور اسماعیل نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ بالکل اٹھنا نہ بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

”رشید حسین اپنے آپ کو روک لو۔ یہ تمہارے لیے آخری مہلت ہے۔“ خالد بولا۔ کیونکہ شاہی نے کہا تھا کہ اگلی چھ دن کے بعد اس کے چہرے پر ہلکے باری تھیں۔ جس سے وہ تڑپ کر رہ گیا تھا۔ شاہی نے اب خالد کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے تھے۔

”کوئی بھی آپ کو روکے گا۔“ وہ خالد کے اندر موجود حساسی جن سے مخاطب ہوئے۔

”رشید حسین تم کیا چاہتے ہو؟“ وہ سٹپ لکے میں بولا تو شاہی خصوصاً مسکراتے ہوئے ہوئے۔

”اس نے مجھے چھوڑ دو۔“ اس نے سہرے قہقہے پر اس وقت گندہ لالا ہے جب ہم کہاں کہاں رہے تھے۔ ”یہ ناان ہے۔ ذرا تو سوچو کہ یہ تمہیں دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اسے تم نے بہت ستایا ہے۔ اب اس کا دلچسپ چہرہ اور ہریاں سے دھبہ ہو جاؤ۔“ شاہی نے آخری تھوڑی دھت لکے میں کہا۔

”میں یہاں سے نہیں نکل سکتا۔ مجھے کافی سکون ہے۔ تم اپنا اور میرا وقت برباد کر رہے ہو۔“ اس کا انداز ایسا تھا۔ جیسے وہ سب بات نہیں کرے گا۔

خالد نے سختی سے ہونٹ پھینکی لیے تھے۔ شاہی نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے اور جب میں ہاتھ ڈال کر ایک کاغذ نکالا۔ اس کاغذ پر جن سے کچھ لکھنا شروع کیا تھا کہ خالد کی حالت بگڑے گی۔ وہ چیخنے لگا۔

”مجھے چھوڑ دو۔ رشید حسین۔ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے صاف کر دو۔ سب لکھو۔ میں برباد ہو جاؤں گا۔“ وہ تڑپ کر بولا۔ اس نے شاہی کے پاؤں پکڑ لیے، لیکن شاہی پر اس کی گرفت زاری کا کوئی اثر نہ ہوا تھا وہ مسلسل کھڑے تھے جبکہ خالد کے اندر موجود وحیت درویشا جن کا پیٹھ پر اور بے چین تھا۔

”رشید حسین! تمہیں تمہارے بی کا واسطہ۔ مجھے صاف کر دو۔“ وہ لپکتے سے بولا۔ اس کاغذ پر شاہی نے جانے کیا تحریر کر رہے تھے کہ وہ جن یک دم منت امیر لہجہ اختیار

کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

”ایک شرط پر صاف کر سکتا ہوں۔“ شاہی کے ہاتھ رک گئے تھے۔

”مجھے تمہاری برسرِ شہرہ منظور ہے۔ جلدی ہو لو مجھ سے یہ مطالب برداشت نہیں ہو رہا ہے۔“

”تم اور تمہارا قیدی دو بارہ اس ملک میں نظر نہیں آئیں گے۔“

”ایسا نہیں ہو سکتا۔ میرے قیدی نے بہت سی بیگنوں پر بہت سے جھولوں پر ڈیرہ بنایا ہوا ہے۔“

”نیک ہے اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو رہتے رہو۔“ شاہی نے یہ کہہ کر ایک بار پھر کاغذ پر ہلکے لکھنے لگے اور وہ بھڑکنے لگا۔

”میں نے تم سے کہا ہے کہ سب لکھو۔ میں مر جاؤں گا۔ مجھے صاف کر دو۔“

”اسماعیل اس کے لیے قیدی خانے کا گیت کھلو۔“ شاہی اسماعیل سے مخاطب ہوئے تو تمام افراد ان کی بات سن کر حیران ہو گئے کہ کون سا قیدی خانہ؟ کون سا گیت؟ یہ باتیں باخوش اہل شہر و دیہات تھیں، لیکن وہ اس تمام کہانی اور چشم و چل کے گواہ تھے اور پھر ان کی حیرت مزید دو چند ہو گئی جب اسماعیل نے اپنی ٹیبل کی سائیلنٹ پیپ سے ایک شیشے کی بیڑی کی بوجھ نکالی۔ اس کا دھکن کھول کر اس نے بوجھ شاہی کی طرف بڑھا دی۔

”اب اس لڑکے کا بیٹھا چھوڑ کر خاموشی سے اس بوجھ میں آ جاؤ۔ یہی تمہاری نجات کا راستہ ہے۔ ورنہ تم اسی بل کر خاک ہو جاؤ گے۔“ شاہی نے خالد کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہاں خوف جھلک رہا تھا۔

”مجھے جانے دو۔ رشید حسین۔ میرے چھوٹے بیٹے ہیں۔“ اس کا انداز ایسا تھا کہ عصر کو سہاگیا تھا۔ پہلی ہی بات پر بہت ترس آ جا۔ مگر وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ بس دھتکتی ہی رہی۔ ”تمہاری جان کی سلامتی اسی شرط پر منحصر ہے کہ تم اس بوجھ میں رہنا چاہتے ہو۔ یا پھر بل کر خاک کرنا۔ میں بل جانا پسند کر دو گے۔“ شاہی کے لہجہ میں سختی عموماً تھی۔

”رشید حسین! تم سزاؤ نہ دو۔ اس کا کات کے اعلیٰ ترین خانہ ان کے چشم و چراغ ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم وعدہ و خلافی نہیں کرو گے، لیکن میں نے تمہیں تمہارے بی کا واسطہ دیا ہے۔ کیا تم اس واسطے کاغذ نہ دیکھو گے؟“

وہ بھی بڑا کاہل تھا۔ اس نے اپنی طرف سے ایک شاعرانہ چال بچایا تھا، لیکن آل رسول کے اس چشم و چراغ پر اس کے کمر کا اثر نہ ہوا تھا۔

انہوں نے کاغذ پر بارود لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اب وہ بھڑکنے لگا۔ خالد کے ہاتھ

پاؤں تلے سے ہو گئے انھیں ابلنا شروع ہو گئیں تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ خالد کے جسم نے ایک زبردست جھٹکا کھا ہوا پھر وہ بیوش ہو گیا تھا۔ اسٹیشن پر پول کا دسکن بند کر لیا تھا۔ شادی کے عزم پر اس نے پول واپس اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔ شادی کا چہرہ اب بڑھنوں تھا۔ انہوں نے سسکا کر سب کی جانب دیکھا اور بولے۔

”اب تم لوگ اپنی اپنی جگہ چلو کھڑے ہو۔ میں نے جن کو پول میں بند کر دیا ہے۔“

انہوں نے اٹھ کر مصعد کے سر پر بار سے ہاتھ پھیرا۔

”اب تمہارا ایمانی باطل ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص کرم کیا ہے۔ اسے پھر سے حافض قرآن بننے کے لیے قصیدہ پڑنا شروع کر دو۔ ان شاء اللہ یہ سندھ بھی آسانی سے پار کر جائے گا۔“ اب وہ غفران کی طرف مڑے۔ ان کے کھڑے ہونے پر یہ تمام لوگ بھی کھڑے ہو گئے تھے۔

”غفران یہاں!“

”یہ شادی!“ وہ لوگ کان بوجھا کر بولے ہاتھ باندھ کر کھڑا تھا۔

”کمانہوں کی زندگی بہت لمبی ہوتی ہے۔ اس میں لذت اور حرا ہوتا ہے۔ ایسی زندگی چھوڑنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ وہ اس میں دم ہو چکا ہوتا ہے۔ قدم قدم پر دشمن حرازی اور دولت کی فراوانی انسان کو یاد دہانی سے غافل کر دیتی ہے۔ انسان غفلت میں اللہ تعالیٰ سے دوری دور ہوتا جاتا ہے اور پھر جب اس کی زندگی تمام ہوتی ہے تو نزع کے عالم میں باطل آخری وقت میں بھی خداوند کرم اپنے اس بندے کی طرف محبت سے دیکھا ہے۔ کیونکہ اس نے اس وقت بھی اپنی بندہ پر اپنی رحمت اور نور کے دروازے بند نہیں کئے ہوتے۔ سچے دل سے خدا کی راہ میں لگے۔ اس کے دین کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے ایک قدم بھی چلا تو تمہارے پاؤں پر ننگے والی گرد بھی تمہارے لیے دعا کرے گی۔ کیونکہ پیار سے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حد سے ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کے قدم اللہ کی راہ میں ٹھہرا آلودہ ہوں اور پھر جہنم کی آگ اسے چھوئے۔“

”اپنے اعطاء پر دم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو نواز دیا کاغذ دیا ہے۔ پانچ وقت کی نماز پڑھنے سے تمہارے جسم کے تمام اعضاء اور ان کے جوڑا بھی طرح طرح مل جاتے ہیں۔ جو بیشیہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں۔“ وہ کچھ توقف کے بعد پھر گویا ہوئے۔

”تو بے مخلوط پرائی ٹیکسوں کی تعداد اتنی ہی صاف کر لیتے والے تھے کھیتے تھے کھیت جاتیں۔ اگر تم قرآن پڑھو گے تو نہیں ہو تو اس وقت حاضر و کر۔ جب تمہاری ماں ہی قرآن کریم کی

مداوت کر رہی ہوں۔“ اب وہ مصعد کی طرف مڑے اور بولے۔

”اب نہایت شہان نے خالد کے جسم پر قابض ہو کر قرآن کریم کی بے حد حقاری کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی سزا اس قدر ہو چکا کہ ہوگی کہ اس کا فیصلہ تو کیا آئے والے والی نہیں بلکہ عذاب الہی سے بچ نہ سکیں گی۔ میں نے اسے پول میں بند کر لیا ہے۔ اس کا فیصلہ حریفی جا کر کروں گا۔“ وہ جانے کے لیے مڑے اور پھر کچھ زیادہ کیا تو مصعد سے غلاب ہوئے۔

”اور ہاں۔ میں ایک قوی بھیکوں گا۔ جس پر اللہ رب اعزرت کا کلام درج ہو گا۔ خالد کے گھٹے میں باندھ دینا اور بھی بھی مست اترتا۔“ یہ کہہ کر وہ باہر کی جانب چلے گئے۔ اسٹیشن ان کے پیچھے پیچھے ہاتھ باندھ کر چل پڑا تھا۔ ان کے باہر چل جانے کے بعد ماں جی نے دروازہ بند کیا۔ واپس پلٹ کر گمن میں آئیں تو مصعد اور غفران گنگ کھڑے تھے۔

”بھئی ایہ میرا غفران ہے۔“ ماں جی نے تعارف کر دیا۔

مصعد نے سر کے اشارے سے غفران کو سلام کیا تو اس کے اندر کی دنیا چل چل ہو گئی۔ جبکہ مصعد نے گلا چس چکا لیں۔ ایک بار پھر ماں جی کی آواز ابھری۔

”مصعد پھر ایک سکول میں ماسٹر ہے۔ بچوں کو انگریزی پڑھاتی ہے۔ یہ خالد اس کا کابھی ہے۔ بے چاری کا آگے کچھ کوئی نہیں ہے۔ بس اسی بھائی کو کوئی حق کا نکات سمجھتی ہے۔“ ماں جی نے مصعد کا بھی تعارف کر دیا تھا۔ جواب تک اپنے بیوش بھائی کے پاس بیٹھ چکی تھی۔

”ماں جی کوئی روٹی دھیرہ بھی ہے کہ“ کھٹکھٹ سے پیٹ میں دوڑنے والے چہرے باہر نکل آئیں۔“

غفران نے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہا تو مصعد اس کی اس بے ساختگی پر مسکرائے خداوند سکی اور ویسے بھی اب پریشان اور کوئی تھی۔ وہ ماں جی سے غلاب ہوئی۔

”ماں جی! میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں اور یہ خالد بھی تک ہوش میں نہیں آیا۔“

”پریشان نہ ہو بھئی۔ اس پر پانی کے پھینٹے مارے ابھی بھلا چنگا اٹھ کر کھڑا ہو جائے گا۔ خود کچھ لے۔ ابھی اس کو گا۔“ ماں جی یہ کہہ کر اندر پڑ پڑی خانے کی طرف بڑھ گئیں۔

”آپ ماں جی کی بات مان کر دیکھیں گی۔ یہ بھی بچی ہوئی عورت ہے۔“ غفران کا انداز اب اچھا تھا کہ مصعد نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا اور کل کر فیس پڑی۔ وہ نہ جانے کتنے صبیحوں بعد کل کر فیس بھی اور اس کے مسکرائے غفران کو ایسا کھتا کہ کتنے پھول اس

دیکھا ہی نہیں کہ مصمم نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا۔ اس نے فوراً ہی خالد کو اٹھا پا اور باہر کی جانب لپکا۔ جبکہ مصمم کو بھی اس کی جڑی کر رہی تھی۔

مصمم کو بڑا عجیب لگ رہا تھا کہ وہ غفران کے ساتھ چل رہی تھی۔ گوکہ غفران نے اپنے گریبان کے نکلے ہوئے تمام ہتھ بندہ کر لئے تھے۔ مگر ہر گز بھی اس کی چال اور لباس سے اس نے اندازہ نہ لایا تھا کہ غفران کوئی ایسی قیاس آ آدمی نہیں ہے، لیکن جمہوری تھی۔ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ کر اس نے غفران کو اندر آنے کے لیے کہی نہیں کہا۔ وہ اس گلی اور محلہ میں شرافت کی زندگی گزار رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئلہ اس کے خلاف باتیں کریں۔ لہذا اس نے غفران کا باہری سے شکریہ ادا کر دیا جس کا مطلب تھا کہ اب وہ جاسکا ہے۔ لیکن غفران تو غفران تھا جس اس کی کڑواہی تھا۔

”بھئی بھی گھبراہٹ کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ غفران بچگی کے ہی بات کر رہا تھا۔ جبکہ مصمم ہاتھ کھولنے میں مصروف تھی۔ ”بھئی بھی چیز کی ضرورت ہو تو خالد کو مان گئی کے پاس لگاؤ اور کریں۔“ اس نے جان بوجھ کر اس کی کاڈ کر لیا تھا۔ وہ براہ راست اپنا نام نہ لیتا تھا جتنا تھا، کیونکہ وہ اس لڑکی کو اچھا نہ کر سکا۔ اس نے اس کی کوشش کر رہا تھا۔ پتہ نہیں اس امر کی ضرورت کیوں تھی۔ وہ مصمم اور خالد کے اندر داخل ہو جانے کے بعد اپنے گھر کی طرف واپس چل پڑا تھا۔

\*\*\*\*\*

ڈاکٹر شارق رضا، ایم بی، بی ایس اور نہ جانے کون کون سی انگریزی ایف سی سی کے کھسکی ہوئی تھی۔ اس وقت کلینک کے بورڈ پر جانی کی نظر میں آئی ہوئی تھیں۔ جبکہ کلینک ابھی بند تھا۔ وہ غفران کی چہرے پر اس نام نہاد ”خیر“ کا حدود اور یہ معلوم کرنے سے لگا تھا۔ غفران نے اسے یہ بتایا کہ وہ ابتدائی کام اس کلینک سے کرے۔ کیونکہ اس کی معلومات کے مطابق ناسور ایسے جگہ سے پھیلنا شروع ہوا تھا۔ اسے کلینک کے نام تکمیل کا طعنہ تھا۔ اس نے پڑھ لیا تھا کہ شام سات بجے سے رات گیارہ بجے ڈاکٹر شارق رضیوں کو چیک کرتے ہیں اور جو بھی دوا ان کے لیے مناسب ہوتی ہے، تجویز کرتے ہیں۔ ابھی تک تو جانی فارغ ہی تھا۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا تو صرف پانچ بجے تھے۔ کلینک ابھی اس کی دو گھنٹے باقی تھے۔ وہ یہ دقت نہیں گھم بھم کر گزارنا چاہتا تھا۔ اس کے پاس ابھی خاصی رقم تھی۔ اس نے سوچا کہ اس قدر پیسے جو کارٹی لیا جائے۔ وہ کلینک سے چند قدم کے فاصلے پر رہنے ہوئے ایک اچھے ریستوران کی طرف چل پڑا۔ شہر کے بارہائی علاقے میں کلینک تھا۔ ابھی خاصی

کے گھر میں آسمان سے آگے ہوں۔ مصمم کی نظریاتی سے ابھی محظوظ ہوا تھا۔

”میں خالد کو اٹھا کر چھوڑ آؤں۔“ غفران نے مصمم سے مخاطب ہو کر کہا۔

”نہیں۔ آپ کو باوجود ہی تعظیم ہوگی۔“ وہ غائب نہیں چاہتی تھی کہ غفران اس کے گھر

میں جائے اور ہر اس طرح کے خاندانی ہوش میں نہ تھا۔ اس نے وہ جلدی سے ہوئی۔ ”میرا ماں جی کے ساتھ چلی جائوں گی۔ یہ پاس تو میرا گھر ہے۔ آپ کہاں کہاں نہیں۔“

”اچھی باتیں ہیں، مگر اسے پانی کی بوتلی لے کر۔“ یہ شادی کا پڑھا ہوا پانی ہے۔

ماں جی نے دھن کھول کر خود ہی اس میں سے تھوڑا سا پانی لے کر اس کے پیچھے سے ہوش خالد

کے چہرے پر چھینکے تو وہ کسمسا کر انھیں کھول کر دیکھ گیا۔ وہ جی راگی سے اندر گرو دیکھ رہا تھا۔

کیونکہ وہ اسے تاجی کا صاحب یہاں لایا گیا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی، لیکن مصمم پر لگاؤ

پڑتے ہی وہ اس سے لپٹ گیا۔

لیکن بھائی کا یاد رکھی قدرت کا انوکھا تھا۔ ہوتا ہے۔ یہ رشتہ بے ٹوٹ اور ہر قسم کی غرض

سے پاک ہوتا ہے۔ مصمم اس کی بڑی بہن تھی۔ وہ بھائی کو تازہ دم اور ٹھیک تھا کہ دیکھ کر

خوش سے پہلے واسلے آسودہ پاؤں پر قابو نہ رکھ سکتی تھی۔ دونوں بہن بھائی جب درود کرنا پڑتی جا

کر چکے تو مصمم کو یاد آ کر واپس گھر میں جانا ہے۔ کیونکہ کافی دیر ہو گئی تھی گھر سے آئے

ہوئے۔ اس نے اجازت طلبہ نظروں سے ماں جی کی طرف دیکھا۔

”بھئی! میں تو کہتی ہوں کہاں کہاں کر چلی جاتا۔“ ماں جی کے لہجے میں غلوں اور محبت کو

محسوس کر کے وہ ایک بار گہرا آدیا دھو لگی، لیکن خود پر قابو پاتے ہوئے غور ہوئی۔

”آپ خالد کے لیے دعا کریں۔“ وہ غفران کی طرف بھی نکھیں سے دیکھ رہی

تھی۔ ”شاد ہو گئی ہے اس کا توبہ لاکر مجھے ضرور پہنچا دیجئے گا۔ آپ نے مجھ پر بہت بڑا

احسان کیا ہے۔ زندگی سے متوقع دیا تو اس کا بدلہ ضرور جاتا رہے کی کوشش کروں گی۔“ وہ منہ

سے پھول کر رہی تھی۔

”نہ خیر!“ ماں جی نے اس کے سر پر ہاتھ بچھرتے ہوئے کہا۔ ”کیوں تم کو گناہ بچھ

کر رہی ہو۔ یہ تو سب کچھ اللہ کے فضل و کرم سے ہوا ہے۔ بس اس سے شاد ہو جاؤ۔“ وہ اپنے ہاتھ

سودا ہوا تھا۔ وہ خود بخود از میں پڑا ہے۔ اس نے اپنے بندے پیدا کیے ہیں۔ جو اس کے علم

سے اس کی مرضی سے لگاؤ کھینک کر رہے ہیں۔ ”ماں جی اب غفران کی طرف مڑیں۔“

”اچھے ہی دوا!“ گھڑا ہے۔ چاہا کہ مصمم اور خالد کو ان کی دینی تک چھوڑا۔“

اندھا کیا گیا ہے وہ انھیں کے صدق غفران نے فوراً ہی پاں کھڑی۔ اس نے

"ڈاکٹر صاحب میں اس طرح آسانی سے ٹپنے والی نہیں ہوں۔" بڑی بھی ضد کی کہی تھی۔ "مجھے معلوم ہے کہ کبھی نے آپ کو میرے ساتھ ڈانچ کے لیے بھیجا ہے اور آپ آج "کک" کر کے ہی جائیں گے۔"

"تعلیق ہے!" ڈاکٹر کی آواز جانی کے کانوں میں پڑی۔ "اپنی ڈیٹا ملتا ڈا۔"

"صرف دس لاکھ۔" بڑی نے مختصر سا جواب دیا۔

"صرف تو ایسے کہہ دی ہوتی کہ جارا تو اتنی کسی "شیخ" کے سکو کے میں چاہے چڑھ گیا ہے۔" ڈاکٹر کی آواز میں طر تھا۔ "وہ اس ملک کا شیخ عریضات ہے۔ کوئی عربی "شیخ" نہیں ہے۔ قیلا اندھوڑا کھولو۔ چکا آسانی سے مگر ہو۔"

"اوکے اب میرا مدد کسی مناسب موقع پر ہی کیلے گا۔" غائب لڑکی نے جانے کے لیے کمری کھسکا لی تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر کی آواز آئی۔

"بچہ کہ بات کروانا کہ معاملہ نیت نکلتے۔"

"صرف دس لاکھ۔"

"میں صرف آٹھ لاکھ دے سکتا ہوں۔"

"تم نے کون سا بی بیب سے ادا کر لے ہیں۔"

"میرا آپ کوئی ذمیت نہیں ہے۔ پتہ نہیں کب اس شیخ کے پیسے سے کوئی مولی رقم برآمد ہوتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ قاعدت کرو، کیونکہ قاعدت پسندی ابھی چڑ ہے۔"

"یہ کتنی باتیں اسے پاس ہی رکھو۔ میں کوئی روٹی ہوتی بی بی نہیں ہوں جو آسمان پر چپکتے ہوئے چاند کو تیر کر بیکل جاؤں گی۔" پس پاؤں۔"

"تعلیق ہے اترم کل تمہارے اکاؤنٹ میں جمع ہو جائے گی۔ اب معاہدے کے مطابق تمہاری ایک برائیاں نہیں آؤ گی۔" ڈاکٹر کی گھٹت غور و آواز آئی تو کمری اس کے کھسکے کی آواز پر جانی نے بھی اپنا باقی کمانڈا ہر مار کر شروع کر دیا۔ اس نے ڈاکٹر اور بڑی کو غور سے دیکھ لیا تھا۔ جبکہ ان دونوں کے گمان میں بھی تھا کہ کسی نے ان کی گفتگو سنی ہوگی۔ بڑی کو کافی خوبصورت تھی اور جانی کے خیال میں کنواری بھی ہوگی، لیکن اس کی چال اچال اور گفتگو سے پتہ چلتا کہ وہ کافی چالاک بھی ہوگی۔ بھی تو اتنی بڑی اہلیا کیسے کیسے ہی ملے کے چلتی تھی۔

جانی نے سوچا کہ ان میں سے کسی کا قہقہہ کرنا چاہئے لیکن پھر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ وہ سب سے پہلے ڈاکٹر شارق سے ملنا چاہتا تھا۔ بڑی اس لڑکے کو کبھی ڈاکٹر کہہ دی

آہٹ ہوتی ہوگی، لیکن غفران نے ڈاکٹر شارق کے کیلک سے ہی اپنی کو چپکے کرنے کا کیوں کہا تھا۔ ڈاکٹر ایک اچھا خاصا فیاض بندہ ہوتا ہے۔ یہ ہے۔ جن، بھوت یہ پر یاں وغیرہ تو کم محسوس اور بے شعور لوگوں کی سوچ میں شامل ہوتی ہیں۔ سائنس اس بات کو نہیں مانتی۔ پھر اگر ڈاکٹر شارق میں بھوت اور پر یاں کا علاج کروانے کے لیے مریضوں کو باہمی کا پتہ بھی دیتا تھا تو اس کا کیا معاہدہ۔ اس طرح تو اس کے کیلک کی آہٹ کم ہوتی ہو گی۔ یہ غفران بھائی بھی تسلیم کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے دماغ کو سکون پہنچانے کے لیے کسی "دھوت" کا انتظام اور بندہ راستہ کرنا چاہئے گا۔

جانی اپنی سوچوں اور خیالوں کے ساتھ چن چن اور استواران میں داخل ہوا۔ اپنی چیزوں کا آراء وہ سے کہ اس نے ادا کیلگی کی تو خوبصورت سبز کاڈنگز کر لے اس کا آراء چند منٹ بعد سرور کر دیا۔ وہ اپنی چیزیں اٹھائے ایک خالی ٹیبل کی طرف گیا۔ جس کے ساتھ والی میز پر ایک نورجان جڑا خوش میوں میں مصروف تھا۔ وہ کسی بھی سامنے پڑی ہوئی پلیٹ میں سے خرچ ملا نہیں کے وہ ایک ٹگو سے کرکٹ میں رکھ لینے اور پھر ہر کسی بات پر مسخرانے لگتے۔ جانی نے یکن برگر پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا تو تیسرے ٹوالے پر ہی اس کے ہاتھ رک گئے۔ اس کے کانوں میں بات ہی ایسی پڑی تھی۔ ساتھ والی میز پر بیٹھ ہوا جوڑا ہاتوں ہاتوں میں شیخ عریضات کا ذکر ہو چکا تھا اور شیخ عریضات کا نام سن کر جانی کے ہاتھ رک گئے، لیکن کان کھڑے ہو گئے تھے۔ اب وہ مشروب کے بیکلے بیکلے پینے لگا تھا تا کہ ان کی باتیں غور سے سن سکے۔ اس نے ارد گرد مریضوں پر نگاہ ڈالی تو ہر کسی مصروف نظر آیا۔ اس جوڑے کو گمان بھی تھا کہ کوئی ان کی باتیں سننے کے لیے اپنا مکان ترک کر چکا ہے اور پوری توجہ سے ادا نہا نک سے ان کی طرف متوجہ ہے۔

"دیکھئے ڈاکٹر صاحب۔" یہ عربی آواز لڑکی کی تھی۔ "شیخ عریضات کوئی معمولی آسانی تو ہے نہیں جو آپ اس طرح انکار کر رہے ہیں۔ اس پارٹی سے چلتی بھی آہٹنی ہو گی۔ وہ ہم میں سے تسلیم ہوگی کیونکہ یہ پارٹی میں نے اصرار ہے۔" وہ یہ کہہ کر خاموش ہوئی تو ڈاکٹر بول پڑا۔

"دیکھو میری جان! اور یہ جبر آئے جانے والی چیز ہے۔ تم نے آسانی اصرار ہے۔ اس کا معاوضہ تمہیں مل جائے گا۔ باقی روٹی تین حصوں والی بات تو یہ میرا اور "بھلی" کا معاملہ ہے۔ وہ مجھے کیا دیتا ہے؟ میں اس سے کیا لینا ہوں؟ لینا بھی ہوں یا نہیں۔ یہ تمہارا سرور نہیں ہے۔ لوکے!"



میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "ایسا لگتا ہے جیسے کوئی مجھے قتل کر دے گا۔ بس اسی وجہ سے میں اپنے بچپن کا گھر رہتا ہوں۔" اس کا حیرت انگیز پتہ لگا تھا۔ ڈاکٹر کی آنکھوں میں مخصوص چمک تھی اسے بات آگے بڑھانے کا حوصلہ تھا۔

"دینی اور بچپن کو میں نے امریکہ کیجھرا دیا ہے۔" جانی بھارا لاشعری سے بات کر رہا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر بہت کم کوئی ہے۔ "میں انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے لگتا ہے کہ کوئی آسیب ہے جو کہ میری جان کا دشمن ہے، لیکن بغیر خودی سحرانے لگتا ہوں کہ آج کل کے ترقی یافتہ دور میں یہ تو کتنا ہی عام ہے۔۔۔۔۔"

"نہیں یہ ٹھیک کتابی باتیں نہیں ہیں۔" ڈاکٹر نے اس کا دل والا ہوا دلچسپا شروع کر دیا تھا۔ "جیسا تو اس نے جانی کی بات کاٹ دی تھی۔" آسیب کہیں بھی اپنا گھر نہیں بناتا ہے، لیکن ہر بیماری کی دورا ضرور ہوتی ہے۔ اس طرح آسیب کا تو ذکر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی ذکوہی وسیلہ آدمی کی صورت میں بنایا ہوتا ہے۔"

ڈاکٹر پرانی بات کہنے لگے۔ "بہت کثرت کے بعد بھلا۔۔۔" میں نے کچھ اپنا بکھوڑا تھا۔

اس نے پرانی جانی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ کو چھ دن لوہاڑے کی رحمت ہوگی۔"

"آپ کی دورا انہیں میرے بیٹے کی بھینٹ اور دل کا درد تو قسم کر دیں گی۔" جانی نے پرانی کو کر تہ کرتے ہوئے اسے جیب میں ڈال لیا تھا۔ لیکن میرے اندر جو خوف چھپ گیا ہے۔ اس کا کیا ہے؟"

"دیکھیں یہ ہم تو سائنس کی رو سے آپ کا علاج کرتے ہیں۔" ڈاکٹر سحرانے ہوئے بولا۔ "آپ کو روحانی علاج کی ضرورت ہے۔ کسی جڑی کا ٹل سے ملنا ہے گا۔"

"آج کل تو میرے کامل نہیں ملتے۔ جڑی کا تو کیا ہے۔" جانی اسے ایک بار پھر مٹری پر مار رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر کے دماغ کا انہیں ایک مرتبہ اس کی بچھائی ہوئی مٹری پر چل چڑھے۔ پھر کبھی لالہ لالہ ہی پر رکنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ کیونکہ لڑکی نے بھی اسے کسی عامل کا خاص مزہ نہ دیا تھا۔

"میرے ایک جانے والے ہیں۔" بالاخر وہی ہوا جو وہ جانتا تھا۔ ڈاکٹر اس کی بچھائی ہوئی مٹری پر اپنے لالہ لالہ اور میٹرو دماغ کے ساتھ اپنے دل کے انہیں کو لے کر چڑھ گیا تھا۔ "میں ان سے بات کروں گا۔ امید ہے کہ بات بن جائے گی، لیکن ان سے وقت ذرا مشکل سے ہی ملتا ہے، لیکن آپ میرے "مریض" ہیں تو آپ کے لیے کوشش ضرور کروں گا۔" ڈاکٹر جانی کا اور جانی ڈاکٹر کو اپنے اپنے ذہن کے مطابق شے میں اتر چکے تھے۔ جانی نے اپنے

جانی۔ کہیں یہی ڈاکٹر شارق تو نہیں ہے؟ طرح طرح کے سوالات اسے پریشان کر رہے تھے۔ اسے اس عام معاملے سے کوئی ذاتی دلچسپی نہ تھی، لیکن مفران کو دلچسپی تھی۔ وہ شیخ مفران حیات کا صاحب خوار تھا۔ جبکہ جانی مفران کا صاحب خوار تھا۔ مفران کو عالیہ بلکہ "بابائی" کے سامنے بھگنا اچھا نہ لگا تھا اور جیسے بھی مفران خود جس قسم کا بندہ تھا۔ بابائی بھی اسے اپنا ہی کوئی "پٹنی بھائی" لگا تھا۔ وہ جانتا ہی جانتا تھا کہ یہ بابا کہاں سے آیا ہے اور کیوں آیا ہے۔ بس اسی جیسے جانی کی ذاتی نگاہ تھی۔ باباں کہہ لیں کہ جانی مفران کا کام کرنے کے لیے مجبور تھا۔ وہ اس کام کو اپنے پتیل تک پہنچانا چاہتا تھا، لیکن اب اس مسئلے کی زنجیر کی جلیں کڑی اس کے سامنے تھیں۔ وہ لڑکی اور وہ ڈاکٹر جڑی کی کے ساتھ تھا۔

جانی انہی سوچوں میں کھن اپنا وقت گزار رہا تھا۔ چھانچے تھے۔ اس نے سوچا کہ کیونکہ یہ جا کر بیٹھنا چاہتے، بعد میں مریضوں کا دل زیادہ نہ ہو جائے۔ دور یہ ستوران سے باہر لگا اور شارق کیونکہ کی طرف چل چلا۔

اس کے نوک کا نمبر بولا گیا تو وہ اللہ کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے ہلکا لگا۔ سامنے کرسی پر وہی ڈاکٹر بیٹھا ہوا تھا جو ستوران میں لڑکی سے ڈبل کر چکا تھا۔ جانی نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ڈاکٹر کے سامنے رکھے ہوئے سٹول پر بیٹھ گیا۔

ڈاکٹر شارق اپنے "ایٹھ سوکھ سوکھ" سے سنبھالنے ہوئے جانی سے مخاطب ہوا۔

"جی کہنے کی بات ہے آپ؟"

جانی کو کچھ نہ آئی تھی کہ کیا بتا دینا۔ کیونکہ وہ کوئی بھی بیماری بتا تو ڈاکٹر اسے چیک کر لیتا اور ضرورت ہونے کی صورت میں نظارے پر وہاں ہی رہی دورانی کچھ دینا اور جانی کے دورا ہوا اس کیونکہ پر آنے کا جو اثر ہو جاتا۔ بہت سوچا کچھ کر جانی بولا۔

"راہ اصل ڈاکٹر صاحب۔" وہ کچھ دیر کے لیے رکا کچھ لفظ متع کر رہا ہوا۔ "میرا مسئلہ جو ابھی ہے۔ میرے دل پر کبھی کبھار درد ہونے لگتا ہے۔ درد کی شدت اس قدر کمزور ہوتی ہے کہ میری کچھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا کروں۔ پھر ایک بابائی کے گھر اس فاضلی بوجھ سے آئیے ہو جاتا ہے جیسے کوئی پڑ گیا ہو۔"

ڈاکٹر شارق نے انہوں اس کا معاملہ کیا اور ایٹھ سوکھ سوکھ کو اس کی چھانچہ پر مختلف جگہوں پر رکھ کر چیک کرنا رہا۔ "بھابھو کوئی نقص معلوم نہیں ہو رہا۔" جانی نے ڈاکٹر کی بات سے اپنے ہونے ایک اور پتہ چیکنے کا سوچا۔

"کئی دنوں سے مجھے اپنی کھٹی سے انجانا سا خوف آتا ہے۔" وہ ڈاکٹر کی آنکھوں

علیہ وسلم کے مقام پر بحث نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ اللہ کا مقام اللہ کا حبیب جانے اور حبیب اللہ کا مقام اللہ جانے۔

چھوٹے نورانی نے بڑی خوش الحانی سے اپنی نعت شریکی تو تمام نورانی چہرہ درود و سلام پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ یہ سلسلہ نہانے کب سے شروع ہوا تھا لیکن اتنا ضرور ہے کہ یہ سلسلہ نہ قیامت چٹا رہے گا۔ کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین ہیں اور نہ قیامت تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی رہیں گے۔ جس طرح کلام الہی (قرآن مجید) اللہ رب العزت کی کھل اور جامع کتاب ہے۔ اس میں کسی بھی چیز کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کسی چیز کو نکالنا جاسکتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کتاب میں لفظ اللہ کا اضافہ بھی ناممکن ہے اور لفظ شیطان کو نکالنا بھی ناممکن ہے۔ لہذا تنبیہ یہ ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہی رحمت ہیں۔ کیونکہ یہ اللہ کا فرمان ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس سے جوے ہوئے اس عظیم لقب کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔

بڑا نورانی محمد سر تھا اور تمام نورانی پیارے آقا اور رب ذوالجلال کی پیاری پیاری باتیں کن کر سر و عن رہے تھے۔

☆=====☆

ماں جی اس وقت حاجی عبداللہ کی عظیم الشان کوٹھی کے کچن میں سو ہو جھیں۔ وہ اس کوٹھی میں ایک فرو کی مشینت اختیار کر چکی تھیں۔ ماں جی کے بقولوں میں عجیب سی لذت تھی۔ ایک بار جوگی ان کے ہاتھ کا پکا پکا کھانا کھا لیتا تھا۔ بس انہی کے کمن کا تھا۔ گھر کا ہر فرد وہ چھوٹا بڑا وہ ماں جی کا احترام کرتا تھا۔ حتیٰ کہ حاجی عبداللہ بھی ماں جی کو ”آپاں“ کہہ کر بلاتے تھے اور سرسبز بیجہ وہ تو ماں جی کو سر اٹھکوں پر بٹھاتی تھیں۔ کیونکہ ماں جی نے ان کے گھر کو سنبھال کر تینکے صاحب کو روز روز کے کچنوں سے نہایت دلا دلی تھی اور دوسری بات یہ کہ یہ گھر انہی بخاری بابا کا مرید تھا۔ وہ تمام لوگ شادی پر ہر گھر جان بھر کئے پر تیار رہتے تھے، لیکن وہ جانتے تھے کہ شادی ایک ایسی شیطیت کے ناک ہے۔ وہ اپنے مرید کو خواہ مخواہ انہی تکلیف نہ دیتے تھے۔ حاجی عبداللہ کا بھی ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی فرما بھرا اور لاو دلی تھی حاجی صاحب کو وہ اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتے تھے۔

کوٹھی کے گیٹ پر ہر گھر دو عین پر لیس والے چوکنے انداز میں کھڑے رہتے تھے۔ کیونکہ حاجی عبداللہ کوٹھی کے ایوان اے تھے۔ وہ بہت با اصول آدمی تھے۔ لوگ ان کی عزت

ہوئے ہاتھ ملایا اور اگلے دن آئے گا وہ دکر کے گلیک کے باہر نکل پیا۔

☆=====☆

”بڑا نورانی حجر“ چھوٹے چھوٹے نورانی چہروں کے سامنے حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری بیٹی جیسی صفات جان کیا کرتا تھا۔ جیلا نور کا یہ بے زبان کنبہ جو کہ بھاری تو انسانوں کے لیے بے زبان ہی تھا۔ مگر اپنی زبان میں اپنے انداز سے اپنے انداز سے غرض کہ جس طرح بھی ممکن تھا اپنی آخر کار مان، شائع محشر، پیارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت اور محبت کا جذبہ پر کھتا تھا۔ وہ مزید شریک کی طرف سے آئے دانی یعنی کھلی لوشو کو محط و مطہر ہوا کیڑہ ہوا کو اپنے بے جان وجود سے نکراتے ہوئے محسوس کرتے تھے۔ ایسا انھوں نے لے لیا ہی تھا۔ جیسے کسی قریب المرگ مرابط کو ڈاکٹر وقت آخری زندگی کی نوید سنائے۔ وہ اپنے طور پر اپنی عقیدت کا اظہار کرنے کے لیے ہر روز آدمی رات کے بعد آقا سے نادر تا دہر دینے کی محفل بنایا کرتے تھے۔

ایک چھوٹا نورانی بڑی عقیدت اور محبت سے آقا سے دینہ پر نگہائے عقیدت چٹھا اور کیا کرتا تھا۔ کیونکہ پیارے آقا تاجدار دینہ پر نعت ہمیشہ سے پڑھتی آ رہی ہے اور ان کی مدح سراہی میں فرشتے تو فرشتے، اللہ تعالیٰ خود بھی بد یہ عقیدت پیش کرتا ہے۔ یہ انسان ہی ہے جو ان کو اپنے طور پر کی طریقوں سے عقیدت و احترام اور محبت کے ساتھ ساتھ ہی فرقوں اور مسلکوں میں بانٹ رہا ہے۔ یہ سراسر لعین اور گناہ گیارہ ہے کیونکہ ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں:

”وہ شخص اللہ کو پس مناسا جو اللہ کا حکم نہیں مانتا۔ کیونکہ اللہ کا دعویٰ ہے کہ ”وہا رب ملک الارض للعالمین“ ترجمہ: (اس نے اپنے حبیب کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)۔ اس دعویٰ کو یاد رکھنا چاہئے۔ اگر کبھی ہم محشر اپنے اعمال کی کسی کی وجہ سے جہالت اور خوف کبریا سے لرزہ طاری ہوتا تو یہ ضرور یاد رکھیں کہ حبیب کبریا کا نام ہی ولیہ بخشش اور رحمت ہوگا۔ کیونکہ عاقبت خیر والوں کے ساتھ ہے اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والے دوزخ میں نہیں جاسکتے۔ حقیقی ایمان و راسخ عشق محبوب الہی ہے۔ کیونکہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی محبت عطا کرتے ہیں اور اللہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا کرتا ہے۔ اگر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ بس صرف اللہ ہی ہوتا۔ اگر صرف اللہ ہی ہوتا تو کیا ہوتا؟ حاصل یہ کہ ہمیں اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ

”کیا بات ہے؟“ شیخ عریضات اس لڑکے سے مخاطب ہوا۔ ”تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟“

”سرا میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ آج کل پریشاں صاحب نے بہت سختی کی ہوئی ہے۔“ وہ ڈرتے ہوئے انداز میں بول رہا تھا۔ کیونکہ شیخ عریضات کس بڑا کام ہے، وہ جانتا تھا۔ ”اس وجہ سے تھوڑی سی پریشانی ہو رہی ہے۔“ بالآخر اس نے اپنی بات مکمل کر دی۔

شیخ صاحب کی بیٹائی پر مل پڑ گئے تھے، لیکن کچھ ہی دیر بعد اس نے اپنے آپ کو مارل کر لیا تھا۔ وہ اس وقت اپنے غلیظ تہ خانہ میں موجود تھا۔ جس میں ایک کلاس روم کی طرح کافی تعداد میں کرسیاں رکھی ہوئی تھیں اور ایک بڑی کرسی پر شیخ عریضات براہمان تھا۔ جبکہ غفران اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس طرح لگ رہا تھا کہ شیخ صاحب ایک پروفیسر ہیں اور باقی تمام لڑکے اس کے سٹوڈنٹ ہیں۔ بات تو ٹھیک تھی۔ سٹوڈنٹ تو وہ ہی تھے، لیکن شیخ پروفیسر نہ تھا۔ اس تہ خانہ سے غفران کے دل پر تمام سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تیر دس جیسا ملک زہر پکایا جا رہا تھا۔ یہ وہ تمام سٹوڈنٹ تھے جو شیخ کے خاص کارندے تھے۔ اپنی اپنی جگہ پر ہر کارندہ پر کتا اور مستعد تھا۔ شجر کی مختلف درجہ کھجوریں میں یہ زہر عام فرودست ہوتا تھا۔ شجر کے تمام قانونوں میں ”مٹھانی اور جانے“ کے نام پر پابند قوم نکلیا دی جاتی تھیں۔ اگر کوئی کارندہ پکڑا بھی جاتا تو وہ وہی چند روز صحت بخیر ہی رہا ہو جاتا تھا۔ کیونکہ یہ پکڑیں محض کارروائی کے لیے در خواست گزار کی تسلی کر دیتی تھیں۔ تو شیخ صاحب کے ”مٹھنی تھکات“ سے بخوبی واقف تھے۔ ان سب کو پکڑتی غفران نے ہی کرنا ہوئی تھی۔ شیخ عریضات مبینہ میں صرف ایک بار ان کے ساتھ میٹنگ کیا کرتا تھا۔ دوسرے ملکوں کو زہر پکڑنا تو اس کا معمول تھا ہی، لیکن اپنے ملک کے ہر راجہ کی درگ درگ میں بھی وہ خون کی جگہ اس زہر کو دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ ہر کسی کو اپنا گھوم دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ لوگ اس کی پوکھت پر کتنا کمر بھر گئے۔ اس کے کونے چاہیں۔ وہ ان تمام بے حس لوگوں کا حاکم بننا چاہتا تھا اور اپنی پوشش میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی تھا۔

ان تمام لوگوں سے رقم کی وصولی سے لے کر ”بال“ کی بیٹائی تک تمام کام غفران کو کرنا ہوتا تھا۔ جو وہ بخوبی کر رہا تھا۔ سختی زہر کھائیں، کچھ گھبرا گئے تھے۔ کوئی صاب کرنے والا نہ تھا۔ کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ محاذ ہی لینے سے تھے۔ انسان درندے بن گئے تھے۔

”تم کسی بھی پریشانی کی فکر نہ کرو۔“ شیخ عریضات نے اس سٹوڈنٹ کو پیٹنے کا اشارہ

کرتے تھے۔ وہ بھی عزت کروانا جانتے تھے۔ چھٹی تو وہ بھی اپنے حلقہ میں بکھر کر تمام ملنے والوں سے انتہائی غلوں اور محبت سے ملتے تھے۔ ان کی سٹ کی معیاد قسم ہو رہی تھی اور عامی عبداللہ عمام کے پُر زور اصرار پر انکا ایکشن بھی لڑنا چاہتے تھے۔ اس وقت وہ اپنے گھر پر موجود اپنی بیٹی کے ساتھ کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ ماں کی کھانا بھلی پر تیار کرنا وہ ایک طرف سے ہو کر تمام افراد کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جو بڑے انہماک سے کھانا کھا رہے تھے۔

”آپ کی کیا بات ہے؟“ حاجی عبداللہ ماں جی سے مخاطب ہوئے۔ ”آپ بڑی خاموش ہیں۔“

”بس حاجی صاحب اغفران کی وجہ سے پریشان ہوں۔“ ماں جی دل کی بات زبان پر لے آئیں۔

”کیا پریشانی ہے؟“ حاجی عبداللہ کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ اب وہ بہتر ماں جی کی طرف متوجہ تھے۔

”وہی۔۔۔“ وہ کچھ وقت کر کے بولی۔ ”شیخ عریضات کے ساتھ کام کرتا ہے اور مجھے وہ ہندو ٹھیک نہیں لگتا۔ مجھے وہ بے کرکس اس کی کرنی میرے بچہ کو نہ بھرنی پڑے۔“

”بہرہ وہ اپنی اپنی طبیعت کے مطابق کام کرتا ہے۔ جیسا چاہتا رہتا ہے۔ قدرت نے اسے ویسا ہی کام دے رکھا ہے۔“ حاجی عبداللہ نے ماں جی کو سمجھانے والے انداز میں کہا۔

”اگر وہ وہ چار مہینے چاہتا تو میں کبھی ملے میں ہی لگا ہوتا۔ مجھے تو ہر روز اس کے دستے فساد کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ بہر حال پھر بھی آپ گھبراہٹیں نہیں۔ میرے لائق کوئی خدمت ہوئی تو ضرور دتا کریں۔“ کھانا کھانے کے بعد حاجی صاحب باہر کی جانب نکل گئے۔ جبکہ شریں بیگم ”جو میرے“ اور ”حاکم“ نے اپنا کھانا کھا کر گرام چارٹی دیکھا تھا۔

☆=====☆

”اس سفید پاؤں کو میں ہر گھر کے جوانوں میں غفلت ہوتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔“ شیخ عریضات اس وقت یونیورسٹی کے فنڈ و رازنگ سٹوڈنٹ کو کھارہا تھا۔ جو اس کا خصوصی فنڈ کار تھا۔ ”کسی بھی قسم کی کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟“

”نہیں سر!“ سٹوڈنٹ نے غصہ سا جواب دیا تو اس کے دوسرے ساتھی نے اٹھ کر کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا۔ لیکن پہلے والے سٹوڈنٹ نے اسے آگے کے اشارے سے ہی گھبرا دیا تھا کہ وہ خاموش رہے۔ مگر اس کی یہ حرکت شیخ عریضات سے بھی نہ دھکی گئی۔

کیا۔" یہ کام مجھے مست تھا یا کرو۔ اپنے کام غفران کرتا رہتا ہے۔ پہلے بھی کسی پر نہیں دیا۔ ایک ہی نہ ہو چکے ہیں۔ ایک اور کہی۔ "اس کے چہرے پر فریاد تھا کہ یہ نہ ہو گی۔" ابھی یہ باتیں جاری تھیں کہ شیخ صاحب کے سوا کچھ پر غصہ کیا جہاں شروع ہو گئی۔ اس نے فہرہ دیکھا تو کمرے سے نکلتا آیا جا رہا تھا۔

"بڑی فوراً کمرہ نکلیں یا ابھی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" دوسری طرف سے امیر ہادی کی آواز تھی۔

"غفران! یہ تمام حساب کتاب سمیت کڑی لکھی ہوئی ہے۔" شیخ مرحیات نے ہادی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس کے چہرے پر فریاد تھا کہ یہ نہ ہو گی۔" ابھی یہ باتیں جاری تھیں کہ شیخ صاحب کے سوا کچھ پر غصہ کیا جہاں شروع ہو گئی۔ اس نے فہرہ دیکھا تو کمرے سے نکلتا آیا جا رہا تھا۔

"بڑی فوراً کمرہ نکلیں یا ابھی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" دوسری طرف سے امیر ہادی کی آواز تھی۔

☆=====☆

شیخ مرحیات کوئی میں داخل ہوا تو غلام نے بتایا کہ ہادی اپنے خاص کمرے میں ہیں۔ شیخ صاحب نے ہادی کے کہنے پر غصہ کر دیا تھا۔ اس کمرے میں بیوی اور فریاد دہن کیسے رہ سکتا اور دیگر ضرورت زندگی مہیا کر دی گئی تھی۔ جو ہادی کی طرف اشارہ تھی۔

شیخ صاحب نے فہرہ سے اپنی بیوی کو دیکھا جو ہادی کی باتیں سن رہی تھی۔ امیر ہادی اس کی طرف اشارہ کیا۔ "جیکہ جیکہ یہ باتیں سن رہی ہیں۔" امیر ہادی نے فہرہ سے کہا۔ "جیکہ جیکہ یہ باتیں سن رہی ہیں۔" امیر ہادی نے فہرہ سے کہا۔

شیخ صاحب نے فہرہ سے کہا۔ "جیکہ جیکہ یہ باتیں سن رہی ہیں۔" امیر ہادی نے فہرہ سے کہا۔ "جیکہ جیکہ یہ باتیں سن رہی ہیں۔" امیر ہادی نے فہرہ سے کہا۔

شیخ صاحب نے فہرہ سے کہا۔ "جیکہ جیکہ یہ باتیں سن رہی ہیں۔" امیر ہادی نے فہرہ سے کہا۔ "جیکہ جیکہ یہ باتیں سن رہی ہیں۔" امیر ہادی نے فہرہ سے کہا۔

"علم کیجئے سرکار" شیخ مرحیات کے لہجے کا بڑی دلچسپی تھی کہ کبھی کبھار تھا کہ یہ ایک عالم، معیار اور محقق شخص ہے۔ اس نے ان گھبراہٹوں کے چراغ گل کر دیے ہیں۔ اس کے چہرے پر وقت اس وقت مصیبت اور بچاؤ کی نظر آ رہی تھی۔

انسان نے اپنے چہرے پر کئی کتاب چڑھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ داخل اور موقع کی سادہ سادہ سے دو چہرے پر کتاب بدل رہا تھا۔ اور ایک کام کا تھا۔ یہ بھی قابلِ توجہ تھا۔ وہ اس وقت لاچار اور بے چارہ نظر آ رہا تھا۔ لیکن بظاہر بے چارہ نظر آنے والا شیخ ایک خطرناک انسان تھا۔

"ہمارے اس طرح تمہارے گھر میں چلے آئے سے تمہیں تکلیف تو کافی ہوگی۔" ہادی نے اپنا پیلا پتہ چھپا۔ "کیونکہ ہمارے سر پر عین کی مخصوص طور پر آمد تمہاری پہلی کے لیے درست ہوگی۔"

"آپ نے تو مجھے شرمندہ کر دیا ہے ہادی۔" شیخ مرحیات کے انداز میں مزید سبب جاری کر رہی تھی۔ "یہ کمرہ تو آپ کا ہے۔ اس طرح غیریت پر غصہ کے تو میں نہیں کاں رہوں گا۔" شیخ نے اپنے سر پر ایک بلیک جاکٹ ہادی کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔

ہادی نے اس کی پشت پر ہاتھ بھرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ساتھ ہی ساتھ کہتے بھی جا رہے تھے۔ "اتھ تمہیں بہت دے گا۔ تم میرے سر پر ہو۔ کوئی تھلا جھجھکیں چھو بھی نہ سکے گی۔"

ہادی نے شیخ کو کندھوں سے پکڑ کر اٹھا دیا اور اپنے سامنے خاموش بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود مد میں کچھ چمکنے لگا۔ "جو کچھ خود ایک فرما تھا۔" "کالے علم" کے دس بارہ حرف جانتا تھا۔ جس سے انسان کو اپنے کام میں کیا جاسکتا تھا۔ اب وہ دوسری علم چمکنے پر شیخ مرحیات پر پھونک رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ گھر کے بچوں افراد پر اپنا اثر بٹا چکا تھا۔ اس پابوک نے شیخ کی دنیا ہی بدل دی تھی۔ وہ دل کی گھبراہٹوں میں ہادی کا "مطلع" ہو گیا تھا۔

"شیخ صاحب! کوئی بھی بات دل میں نہ رکھنا۔ بکواس ہے دل کو آئیے گی فخر صاف خلاف رکھنا۔" ہادی نے امیر سے میں جہاں کے کاغذ لکھا تھا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم اس مرتبہ پھر انکسٹن لانا چاہتے ہو، پچھلے انکسٹن میں تو کتنی ہی دماغی نے حامی عبداللہ کا ساتھ دیا تھا۔ لیکن اب میرا ساتھ تمہارے لیے شیخ اور کامیابی کی نوبت میں نہ جائے گا۔"

ہادی کا انداز میرے میں پھینکا ہوا تھوڑا سا تھا۔ شیخ ہادی کی اس چال کے آگے اپنا سب کچھ بڑا گیا تھا۔ وہ اس بات کا رویہ ہو گیا تھا کہ ہادی کو تمام حالات کا

علم ہو چکا ہے اور آگے کیا ہو گا وہ سب جانتے ہیں۔ بس شیخ بابائی کے حال میں پوری طرح پتھر چکا تھا۔ پھر اور احمد بابائی باپ سے مختلف خیالات نہ رکھتے تھے۔ وہ بھی جانتے تھے کہ شیخ صاحب گزشتہ کشت کا بدلہ حاجی محمد اللہ نے لینا چاہتے ہیں، لیکن کوئی بھی ترکیب کا راز نہ دے پوری قسمی۔ اب بابائی کی مدد اور ساتھ ہی ان کے والد کے لیے آگ اور کھانا مانیوں کی نوید ہوئی۔ کیونکہ وہ جان گئے تھے کہ بابائی بہت "تکلف" والے ہیں۔

\*\*\*\*\*

"مگر بہت جناح پرواز ہائی سکول" کی پُر شکوہ محاورات کے گیت سے اس وقت بچے باہر نکل رہے تھے۔ انہوں نے ہلکے ہلکے چار رکھا تھا۔ کیونکہ چھٹی ہو گئی تھی۔ بچے اپنے اپنے گھروں کو جانے کے لیے چلے گئے، مگر گیت سے باہر آرہے تھے۔ کئی والدین اپنے بچوں کو لینے کے لیے گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں پر آئے ہوئے تھے۔ تقریباً چار سو صف بعد ہی تمام کلاسز خالی ہو گئی تھیں۔ اب بابائی ہمارے تمام گھر بھی رخصت ہو رہی تھیں۔ اس سکول کو دو سیکشنوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک میں اول تا دہم اور دوسرے میں ششم تا دہم کے تعلیم حاصل کرتے تھے۔

مصر میں اس سکول کے پہلے تیسٹیشن میں پتھر چھٹی۔ دو لاکھ کو سو سیات اور انھیں کی تعلیم دیتی تھی۔ بس اسی نواہ سے وہ اپنا اور اپنے بھائی خالد کا بیٹ بانی تھی۔ یہ ایک عزت دار روزگار تھا۔ خالد ایک سرکاری سکول میں پتھر چھٹی، عوام کا ہونا رطاب علم تھا۔ شاہ ولی کے علاج کے بعد اس نے دوبارہ چھٹا شروع کر دیا تھا۔ وہ بڑی ذہنی سے چھٹا میں لگن تھا۔ جبکہ رات کو وہ مصر سے قرآن کریم کی تعلیم بھی حاصل کر رہا تھا۔ اس کا سکول گھر کے پاس ہی تھا۔ جبکہ مصر کو ایک دو ہزار کر اس کرنے پڑتے تھے۔ خالد خود ہی گھر پہنچ جاتا تھا۔ اس کے آئے تک مصر نے کھانا تیار کر کے رکھا ہوتا تھا۔ وہ دونوں سکن بھائی اکٹھے کھانا کھاتے تھے۔ پھر کچھ دن آرام کے بعد خالد ٹیوشن چھٹا اور بعد میں قصور اوقات خلیل کو دس گزدار کروا دیں گھر کو کر جاتا۔ اسی طرح شب و روز گزار رہے تھے۔ ذہنی مراد کا ذہنی ستوری مکان تھا۔ جو والدین کی وقت کے بعد ان دونوں سکن بھائیوں کی کل دوا بنت تھا۔

مصر نے بھی دوسری ٹیچرز کی طرح اپنا بیٹ ایک اٹھارہ گیت سے باہر نکل گئی۔ جبکہ انہوں نے مصر کے ساتھ جب سلسلہ شروع ہوا تھا۔ وہ جو بھی سکول سے گھر جانے گئے تھے لگتی۔ ایک موٹر سائیکل پر نو جوان اس کا پیچھا کر دیتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی رہتی۔ جبکہ موٹر سائیکل والا بھی کبھی آگے بھی بچھے چلا رہتا۔ اس آگے کے بھی بھی

مصر کو کھانا نہ دیا تھا۔ مصر نے بھی کبھی نہیں اس کا اسے نہ دیکھا تھا۔ بس وہ کھینچوں سے ہی دیکھتی تھی کہ وہ لڑکا اس کے آگے پیچھے پھر لگتا ہے۔ وہ ٹیک اور وضع دار لڑکی تھی۔ پر وہ کی باندھ اور اب بھی وہ غلاب کے ہوئے تھی۔

ابھی وہ سکول کے گیت سے باہر نکلتی تھی کہ اس نے موٹر سائیکل کی خصوصیات آواز سنیں۔ وہ سمجھ گئی کہ لڑکا لڑکا۔ وہ اب اس کے گھر تک جانے لگا۔ مصر کو بہت خوف آتا تھا۔ اگر کسی ختم دار کو علم ہو جائے تو سختی پڑنی ہوگی۔ وہ تمام محلہ میں ایک ابھی اور ہر کاردار کی بھی جانی تھی۔ ختمی کی لڑکیاں اس کے پاس قرآن مجید کی تعلیم کے لیے آتی تھیں۔

وہ اس لڑکے کی وجہ سے بدنام نہ ہونا چاہتی تھی۔ وہ اس سے صاف صاف کہہ دیتا چاہتی تھی کہ وہ اس کا چچا چھوڑ دے۔ کیوں اسے بدنام کرنے پر تلا ہوا ہے؟ لیکن اس کی طرف سے ابھی تک کوئی ایسا اشارہ نہ ملتا تھا کہ جس سے وہ سمجھتی کہ واقعی اس کے لیے آتا ہے۔ بابائیں نے بھی کبھی ظاہر نہ کیا تھا کہ وہ مصر کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔ یہ مصر کی اپنی سوچ تھی اور سوچ پر باندھی تو فیصلہ لگانی چاہی تھی۔

"آن دیکھئے حسن کو بہت بھرا سلام" لڑکے نے موٹر سائیکل اس کے بائیل ساتھ کرتے ہوئے کہا اور اسے نکل گیا، لیکن اسی لمحہ مصر کی آنکھیں اس کی آنکھوں سے چار ہو چکی تھیں۔ دل دھڑک کر بیٹے سے باہر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یہ کیا کہہ گیا تھا؟"

"اسے زبان کیسے مل گئی؟"

اس نے تو پہلے ایک ماہ سے بھی بھی مصر سے کوئی بات نہ کی تھی۔ مگر آج اس کی جرأت اور کمال بھرنی نے مصر کو علم پانے پر مجبور کر دیا تھا۔ سارے شلوک و شبہات دور ہو گئے تھے۔ وہ اسی کے لیے آتا تھا۔ بھی تو اس نے یہ فقرہ کہا تھا۔ کیونکہ اس نے بھی بھی مصر کو بے غلاب نہ دیکھا تھا۔ آج اس نے مصر کا بیٹا لہجہ ہو گیا ہوگا۔ جیسی تو وہ اپنے دل اور اپنی زبان پر قابو نہ کر سکا۔ اس کا بیٹا جواب دے گیا۔ اس نے جو بھی نہیں کیا تھا۔

"آن دیکھئے حسن کو بہت بھرا سلام" واقعی وہ اگر مصر کو کچھ لیتا تو بھینچا وہیں اس کے قدموں پر ہی گر پڑتا۔ اس نے اس کی چال اور چلتی کر اور چلتی چلی گہری آنکھیں ہی دیکھی تھیں۔ وہ اس کا چارہ لگتا تھا۔ مصر ابھی سوچوں میں لگن گھر پہنچی تو ایک اور آفت اس کی ختم گئی۔

اس نے جو بھی گھر میں قدم رکھا تو خالد ایک گھومت پکڑے دور از سے کی طرف ہی

”انہو کے حسن کو محبت بھرا سلام“

”اس گستاخی اور فطنی کی صفائی چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میری یہ حرکت آپ کو گوارہ ضرور دے گی۔ لیکن میری مجبوری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مسئلے کو ضرور مدد فرمائیے۔“

”کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور آپ کو حتمی کرنے کا کوئی بھانسی نہ تھا۔ میرے چہلوں اگر کھلی باہر چلے گئے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی بھی آپ کو پشیمان نہ کروں گا۔ اگر چہلوں مجھے باہر چلے گئے تو۔۔۔“

حیرانگہ ہو جو کبھی چاندنی رات میں  
پھر کیوں نہ گھڑی جلوے اس کائنات میں

شب و روز عروج طے کرتے اسی دور میں  
کہ ذکر خیر اسی ہو زمانے کی ہر بات میں

حیرا ساتھ ہو نہ گھبراؤں گردِ شبنمِ دُورِ ایں سے  
کہ پُشیدہ ہو جیتِ میری، ہر ماتِ عین

بکھری لہیں جو جہری دیکھیں تو خیال آیا  
جانے چاہیں ہر ناگن ہے سیاہ رات میں

مخلص کیوں جہنم اُجھڑے ہوئے سو چاہی نہیں  
تیری بات چھڑ گئی تھی بات ہی بات میں

بہک جاؤں فرشتے بھی جو حسن حیران کچھ نہیں  
خدا کی تو رکھتا حیرتی ذات میں

طا ہے بہت مہربان صیاد ہے خوش  
بہی دیکھنے آن پہنچے ہیں حیرتی گھات میں

”ہاں رکھے حسن کی طہ مت بل مہرِ امیت مہرِ اسلام“

”اے دیکھے حسن کا ایک شعر“

دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ اس کا منتظر ہو۔ اس نے آہی کو آنکھوں سے ہی دھوکہ دے پکڑا دیا اور ساتھ میں ایک کانٹہ بھی جوڑ دیا گیا ہوا تھا۔

”یہ کہاں سے لائے ہو؟“ عصمرہ نے مگدستہ اور کاغذ خالہ کے ہاتھوں سے لپٹے ہوئے پوچھا۔

”مجھ سے کیا ہو چھ دہی ہیں؟“ خالد نے اچنی کچھ اور مصمومیت سے جواب دیا۔ ”یہ تو دو موٹرنگلیں ولادے کر گیا ہے۔ اس نے کہا کہ اس کی بیٹی کی تمہاری آپا کے پاس پڑھتی ہے اور وہ اس ہاں کی کوششوں سے فرسٹ پوزیشن لے سکے۔ بس اسی خوشی میں وہ شکر یاد کرنے آچکا۔“

خالد یہ کہہ کر باہر نکلے گا تو عصمہ نے آواز دی کہ وہ کہاں تو کھائے۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔ رات کو ہی اکٹھا کھالیں گے۔“ یہ کہہ کر خاندان باہر نکل گیا۔

اس کی آئی جرات ہوئی ہے کہ وہ میرے کمر پھول بیٹھے۔ ’’عصمرہ نے گلدستے کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

”تم کیا کیوں رکھوں اسے؟ میں باہر پھینک دوں گی۔ وہ سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو؟ اور اور یہ کتنا غصہ بھی۔ نہ جانے کیا لالچیں ہوگی اس میں؟“

اس نے پہلی اشیا کرنا سے دو بار پروے مارنے چاہے۔ لیکن یہ کیا؟ وہ ایسا نہ کر سکی تھی۔ پہلی اس کے ہاتھ میں تھے۔ وہ بھلا ان کو کیوں چھوگے۔ ان سے تو بیدار کیا جاتا ہے۔ محبت کی جاتی ہے۔ عظمت کی جاتی ہے۔ نفرت ہی کرتی ہے تو اس کے پیچھے والے کرتی ہوگی۔ پہلوں کا قصور؟

دو عجیب شش درخت میں جٹا ہو گئی تھی۔ دو پہلی کانڈ کو دیکھتی جو تہہ شدہ تھا اور ابھی تک اس کا تہہ میں بکڑا ہوا تھا۔ اس نے غور سے کانڈ کو دیکھا تو وہ ایک بچہ کی صورت میں اس کے ہر پر چھٹے لگا۔ اس نے تڑپ کر اسے دور چھینک دیا۔ مگر یہ کانڈ کو دین میں چڑا ہوا اسے ایک بیباک اور غرور آ رہا تھا جس کی ہر ایک جھلکی اسے اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ اس نے ارد گرد دڑی دیکھی اور اسے غور سے دیکھا۔ کوئی اس کی ان حرکات کو دیکھ نہیں رہا؟

اس نے خود اپنا گھر باور ڈالا اور آواز نہ کر دیا۔ اب وہ گھر میں اکیلی تھی۔ کچھ دنوں اور  
 لال اس کے منتظر تھے۔ اسے چاروں طرف ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے کسی خاص  
 دوست کی رنجش ہو۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کالڈ اٹھا دیا اور کھون شرع کیا۔ راز سے  
 وہاں باور ڈالنے والے کو ساتھ کالڈ نہ لکھ کر اس کے سامنے تھا۔

جانی کو گیت سے اندر داخل ہوتا دیکھ کر غفران حیرت و استعجاب کے ساتھ سر ہلے  
کھانے لگا لیکن اس کی حیرت ایک بار پھر دو چاند ہو گئی۔ جب جانی نے اس کی طرف دیکھ کر  
متر دوسری طرف کر لیا۔ جانی جب باہمی کی طرف بڑھتا گیا تو غفران نے سکون کی سانس  
لی، کیونکہ وہ جانی کو سمجھ نہ سکتا تھا۔ جبکہ جانی نے اس سے کوئی بھی تعلق ظاہر نہ کر کے اس پر  
توجہ نہ دیا تھا کہ وہ ایک اچھا اور مستعد جاسوس ہے۔ جانی نے جا کر باہمی کے پاؤں کا  
لے۔ یہ پہلو دیکھ کر غفران بھی اندھ کر ان میں ان کے پاس چلا آیا تھا۔ شیخ عمر حیات، عالیہ  
تیکم، اور عبد اللہ نے بھی جانی کے چہرے پر دکھ کی غماز دیکھ لی تھی۔ احمد پاؤں اس لمحہ وہاں  
موجود تھا۔ وہ دیکھ کر جانی کی تعداد بڑھانے کی ننگ ورد میں لگا ہوا تھا۔

جانی چاکلہ اور ہوشیار جاسوس تو ثابت ہو گیا تھا، لیکن اب جو غفران نے اس کی  
اداکاری دیکھی تو دل باغ باغ ہو گیا اور وہ جانی کی بے ساختہ ٹیکنک پر اسے داد دینے لگے  
شروع سے۔ مگر کچھ عرصہ تھا کہ جانی، باہمی کے قدموں میں بڑا زوردار رہا تھا۔ جبکہ باہمی  
جی اس کی پشت چھتیار رہے تھے۔ جب اس کا تکیہ لگا ہو گیا اور اس نے قدموں سے سر اٹھایا  
تو باہمی نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ بھی شیخ صاحب کی طرح دوزخ میں بیٹھ گیا۔ اس نے بھی ہاتھ باندھ لیے۔ باہمی اس  
کی طرف متوجہ تھے۔ وہ جی آسانی آنے پر دل علی دل میں خوش ہو رہے تھے۔

”میں یہ تو نہیں کیوں کہ تم میرے پاس کس لیے آئے ہو؟“ باہمی نے جانی کو  
غضب کرتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔ ”لیکن ان ضرور چھوٹے جاسوس کا کہ جس تکلیف اور  
پریشانی نے تمہیں یہاں آنے پر مجبور کیا ہے۔ اس کا قصور اس حال تو جان کر۔ تاکہ میں اس  
کی کاٹ کر سکوں۔“

اسی انجمن میں ملازم جانی کے لیے مشروب لے کر آ گیا۔ اس نے باہمی کے اشارہ پر  
شریت کے گلاس کو مٹل سے لے لیا تاہم کو کافی سکون محسوس ہوا۔ غفران نے دیکھا کہ اس کی  
آنکھیں رونے کی وجہ سے سوخ گئی ہیں۔ وہ باہمی کے قدموں کو ہاتھ سے پکڑ کر دھانے لگا  
اور ساتھ ہی ساتھ اپنی جاسوسی کی شروع کردی جو کہ غفران ہی جانتا تھا کہ یہ سراسر  
جھوٹی ہے، لیکن جانی کی ہر بارہر نے اس کی اداکاری نے اس سمجھ کو حقیقت کا روپ دے دیا  
تھا۔ باہمی اور عالیہ تیکم کو کافی حیرت دکھائی دے رہے تھے۔ وہ کسی کردار کی ناکھ پکڑا لیا  
اور کسی کا بازو۔ اس کے گھر میں آجیب اور جانت کا بایر بھی تھا۔ وہ کروڑوں کا مالک ہونے  
کے باوجود بھی ایک اور عوامی محسوس کرتا تھا۔ خیر اس کیانی کی مرکزی کردار کو غور سے دیکھ

”میں بات کر چکا ہوں۔ آپ آج شام ہی ان سے مل سکتے ہیں۔“ ڈاکٹر شارق نے  
جانی سے کہا۔ وہ اس وقت اس کے کلینک میں موجود تھا۔ جیسری مرتبہ آنے پر ڈاکٹر شارق  
نے ”پڑ“ پکڑ لیا تھا۔ وہ بھی بڑا پاکیزہ تھا۔ جانی نے اپنی کروڑوں کی جائیداد بتائی تھی۔  
غفران کی طرف سے اسے نقل و ہند فرمایا گیا تھا۔ وہ باہمی کی امنیت معلوم کرنے کے لیے  
جہر خانہ میں ہی کوئی دولت میں سے بہت کچھ خرچہ کر سکتا تھا۔ ویسے بھی انکی کمائی کون سی  
گن کر رہی جانی ہے۔ جانی نے اپنی سرحد خرید و خور۔ نیپ سے وہ دھنسی والی پر چلی لگانے  
کے لیے ہفتہ وار اتار کافی سارے نوٹ اس پر رہا کے ساتھ ہی پیرا پاتے تھے۔ جو ڈاکٹر  
شارق کو پھانسنے کے لیے کافی تھے۔ پھر بھی اس نے جانی کے حقیقی تکیہ کرنے کے لیے  
دو چار آدمی پیچھے پیچھے، لیکن جبہ کبھی نہ لگتا۔ کیونکہ علم ہونے پر جانی ان کو غچہ دے کر کل  
جاتا تھا۔

اب ڈاکٹر شارق نے اس کے دل کی بات کہہ دی تھی۔ وہ آج شام ہی باہمی سے  
ملنا چاہتا تھا کیونکہ بقول ڈاکٹر، اس نے باہمی سے بہت مشکل سے جنت لیا ہوا ہے۔ اس  
کے لیے اسے شیخ عمر حیات کی کوٹھی پر جانا تھا۔ جانی اور غفران کی ملاقات کو تقریباً دو روز ہو  
گئے تھے۔ اب وہ سمجھ نہ سکتے تھے کہ بعد ہی غفران سے ملنا چاہتا تھا، لیکن اس کی ملاقات  
جلد ہی اس سے ہونے والی تھی۔ وہ ڈاکٹر کا مشورہ ادا کرنے کے بعد اس کے کلینک سے لگا  
اور ہفتہ وار ڈاکٹر کے کھانے ہوئے ایمر میں پہنچنے کے لیے چند قدم پیدل چلا رہا اپنی  
گازی تو اس کے پاس تھی نہیں۔ اگر وہ وہیں سے کسی میں بیٹھتا تو ڈاکٹر کو شک ہو جاتا تھا۔  
وہ کسی بھی بات کا سرک نہ لینا چاہتا تھا۔ چونکہ میں اگر وہ گاڑیوں کی پارکنگ کی طرف بڑھ  
گیا۔ وہ احتیاطاً مدت رہا تھا کہ اگر کہیں سے بھی ڈاکٹر کے جاسوس اسے چپکے کر رہے ہوں تو  
انہیں بھی معلوم ہو کہ وہ پارکنگ ایریا سے اپنی گاڑی لینے جا رہا ہے۔

لیکن وہ متحرک کر اس کے دوسری طرف سے آنے والی جیسی میں اس بھرتی سے  
بیٹھا کہ وہ دراجیہ کے ساتھ ساتھ خود بھی جہر رہ گیا۔

ڈاکٹر شارق نے باہمی سے تمام بات کر لی تھی۔ باہمی بھی شیخ کی کوٹھی سے ان میں  
کری پر بیٹھ ہوئے تھی آسانی کا اظہار کر رہے تھے۔ اسے ایک مٹھو بکھل گئی تھی۔ جہاں  
بیٹھ کر وہ اپنی ”کامداری“ چمکا سکتا تھا۔ شیخ عمر حیات اور اس کی لنگلی ہاتھ باندھ کر باہمی کے  
سامنے گلاس پر ہی بیٹھ ہوئے تھے۔ جبکہ غفران پورچ میں گاڑی کے ساتھ ہاتھوں میں

"تمہیک ہے ابھی میں بھی بہت سے کام کرتے ہیں۔" بابائی نے اپنا ہاتھ جانی کی طرف بڑھا دیا تو جانی نے بڑھ کر اس کے دلوں پر ہاتھ چم گئے۔ "اب تمہیں اجازت ہے۔" جانی نے اچھٹے ہوئے تمام مسافروں کی طرف دیکھا تو خیمے سے اٹھیں چار ہو گئیں۔ جبکہ علیہ السلام کے محلے ہوئے گریبان سے چھٹکی ہوئی جوانی کی ایک جھلک بھی اس نے دیکھ لی تھی اور شیخ صاحب کی بے غیرت بین کردار اور بیٹھے رہنے والی تصویر اس کی آنکھوں میں گہری تھی۔

☆\*\*\*\*\*☆\*\*\*\*\*☆

سکول اور کالج کی ہر سطح پر میری دیکھ کر کینٹ ورک بچھانے کے بعد شیخ عمر حیات علیہ السلام ملے تھے، لیکن اور بہت دیکھ کر نے کی تلاش اس کے دل میں باقی تھی۔ "نامور وزراء اور حکومتی ارکان کی توجہ خاص اور ضروریات ایک گروڈ کے پاؤں ہو گئی وہ جانی عبداللہ کو بچانے کر رہا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی علاقے سے انگلینڈ لائے تھے۔ دونوں کو سپورٹ ابھی خاص تھی، لیکن جانی عبداللہ کے نظریاتی دور بہت زیادہ تھے۔ شیخ عمر حیات اپنے علاقے کی تاپ بند ہو رہی تھی۔ کیونکہ وہ کبھی کسی غریب کی داد دے کے لیے نہ پہنچا تھا۔ بلکہ وہ غزرت سے انہیں دھکا دے رہا تھا۔ جبکہ جانی عبداللہ اس سے قطعی مختلف شخصیت کے دور میں شیع آدی تھے۔ وہ غریبوں کے دکھ سے دگھ ہو جاتے تھے اور ہر جگہ ان کی مدد کرتے تھے۔

اب بھی ان کے اندر انگلینڈ میں شیخ عمر حیات کو معلوم ہو گیا تھا کہ جانی عبداللہ کے چاہنے والے بہت زیادہ ہیں، لیکن اس نے جو بابائی بکارت کئے تھے ان کی ذات پر اصرار تھا۔ انگلینڈ ابھی کافی دور تھے اور ملکی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے گورنمنٹ نے اعلان کیا تھا کہ انگلینڈ کے لیے ابھی کوئی بھی شیڈول مقرر نہیں کیا گیا ہے۔ کوئی بھی پلاننگ بنے کر کے کے بعد عوام اور امیدواران کو بذریعہ افسر اور ایگزیکٹو ایک میڈیا انگلینڈ سے تین ماہ قبل مطلع کر دیا جائے گا۔

تیس سال وقت اپنے غمیز شور میں تمام "مال" سمیت موجود تھا۔ فطران بھی بدستور اس کے ساتھ بڑا ہوا تھا۔ ذریعے پر لپٹ کر خصوصی طریقے سے لڑاؤ لڑ رہا تھا اور زمین بنگلہ ہو رہی تھی۔ شیخ نے چند ایک بیک شدہ بڈل دیکھے اور اطمینان کا اظہار کیا۔ وہ ایک طرف بنے ہوئے کہیں میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد فطران کو بلا دیا۔

"تمہارے خیال میں یہ مال کتنے روز میں بیچا جائے گا؟" شیخ نے اسے اپنے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "جبکہ تم۔" ہے ہو کر پارٹی بھی کوئی تھی ہے۔

رہی تھی۔ جبکہ عمر حیات کو اس بات کا فخر ہوا تھا کہ اس شخص کے دکھ دور کرنے والی عظیم ہستی اس وقت اس کے غریب خانہ پر موجود تھی۔ اس طرح اس کی حریف ملتی ہوئے والی تھی اور وہ خود کو اگلے انگلینڈ میں واضح برتری سے قانع ہوا ہوا دیکھ رہا تھا۔ وہ اکثر شائق اور اس لڑکی کا منون تھا۔ جنہوں نے بابائی جیسی عظیم شخصیت سے ان کا رابطہ کر دیا تھا۔

جانی کا رد و صواب تمام ہوا تو بابائی نے اپنی جیب سے ایک تھوپی نکال کر جانی کی طرف بڑھا دیا۔

"اسے اپنی جیب میں رکھ لو۔" انہوں نے جانی سے کہا تو اس نے وہ تھوپی ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"اس تھوپی کو اپنے گھر کی دھڑ پر رکھ کر سات مرتبہ اس پر پتہ جاس ماریں گی۔"

"کی بھڑ۔" جانی نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

"اس کے بعد پھر اس تھوپی کو جلا دیا۔ پھر اس کی راکھ کسی گندی جگہ پر بکھا دیا۔ ایسا کی مرتبہ کرنا پڑے گا۔ تمام آسپہن اور جانت تمہارے گھر سے دھج ہو جائیں گے۔" بابا جی نے اپنی جیب سے سیاری نکال کر پکٹ کھولا۔ اس میں سے آدھی شیخ عمر حیات کو بھلور "تمہک" دی اور آدھی اپنے منہ میں ڈال لی، جبکہ شیخ نے بھی عقیدت سے وہ سیاری اپنے منہ میں ڈال لی تھی۔ جانی نے اپنی جیب سے نوٹوں کی گندی نکال کر بابائی کو ہڈے مارنے کے طور پر پیش کی تو انہوں نے شکر بننے کے ساتھ لوٹا دی۔

"میں دس روپے پیسے کی طلب نہیں ہے۔ اس طرح وہ پتہ پتہ لینے سے کام میں برکت نہیں رہتی۔"

جانی بھی اٹھ اٹھا۔ "نہیں بی بی تو جیسری رقم ہے یہ کوئی کام کا یہ تھوڑی ہے۔ اس کام کا تو میں احسان نہیں ادا کر سکتا۔ بس آپ مجھے اپنی دعاؤں میں لے لیں۔" اس نے نوٹ بابائی کو بکارت دیے تھے۔

"ہوں۔۔۔ ہم تمہارے گھر ایک چکر لگا چاہتے ہیں۔" بابائی کے منہ سے یہ الفاظ سننے ہی جانی کے دل سے بڑھ کر زمین کھسکا ضرور ہو گئی تھی۔ جیسے آسمان سر پر آتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ پھر بھی اس نے اپنی دگرگوں ہوتی ہوئی حالت کو سنہالا۔

"میں گستاخ کہاں اور میرا غریب خانہ کہاں حضور کے قافلے ہے۔" وہ ایک بار پھر کہیں بن گیا تھا۔ "میں اس کی صفائی سہرائی کروا دوں گا۔ پھر سرکار جب جی چاہے تھوپی لے آئیں۔"



میں آج یہاں سے نکال دوں تو چہ ہے کیا ہوگا۔ اس روٹی کے ایک ٹکڑے کی خاطر تمہیں  
کتنے کی طرح دم بھائی بخے گی۔ دودھ پر چاکر، ابراہیم چھٹ پر چاکر اس ایک ٹکڑے کو  
ترکے۔ پھر میں دیکھوں گا کہ یہ تمہاری اور تمہارے ایک اراہوں کی استقامت کہاں تک  
تمہارا ساتھ دیتی ہے؟

"اگر وہ بڑے طور پر نکلا۔" غفران بھی اس گناہ آلود زندگی سے اکتا پایا ہوا لگ رہا تھا،  
لیکن وہ اپنی اس جزا پر بھی حیران تھا۔ کیونکہ اس نے بھی کبھی شیخ کے سامنے آنکھ اٹھا کر  
بات نہ کی تھی۔ بچوں لگتا تھا کہ کوئی ناپید ہوتے اس کے دل و دماغ پر جادو ہو گیا ہے۔ اس  
کی زبان اس کے قابو میں نہ لگ رہی تھی۔ وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تو شیخ بھی غصے سے لال  
پڑا اور ہاتھ دھوا۔

"سنا کہ جب مالک پر بھوکنا شروع کر دے تو اسے گولی مار دینا چاہئے۔" شیخ عمر  
حیات نے غفران کو یاد دلایا کہ وہ اس کا خادم اسے اور ایک خادم کی اوقات ایک کتے سے۔  
زیادہ نہیں ہوتی۔ اب اس کی موت گولی سے ہی ہوگی۔

"سنا اپنے مالک پر بھی بھوکنا ہے جب وہ مریں گے کس کا مالک بھی کتا بن گیا  
ہے۔" غفران نے بھی ترکی پر تکی جواب دیا۔ جواب کیا تھا۔ شیخ عمر حیات کی ذات  
پر آؤر کٹ مٹا تھا۔ اس پر بھی وہ چپ نہ ہوا تھا۔ اس کے اندر کا لاوا ایک بار پھر ابل  
پڑا تھا۔ حالانکہ شیخ کے تعلقات کی نوعیت اور شیخ سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ آج اپنے دل  
کا غمراہ نکال لینا چاہتا تھا۔

"خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ چھوڑ کر ایک گھلیا اور فرار اپنے پراعتقاد کر رہے  
ہو۔" وہ اب آپ سے تم پر آیا تھا۔ "یاد رکھنا شیخ جس رزق کو تم نے اللہ کی بھلائی سے اپنا  
لے کا تو اسے فضل بنانا ہے۔ ایک دن اس رزق کے لیے گلیوں میں بھونکنے پھرو گے۔ اس  
کی بجائے آواز اٹھائی سے زور داس کے قبر سے زور۔ میں نے لوگوں کے گھر اٹھانے میں تمہارا  
نام اٹھو یا ہے لیکن آج میں یہ ذات کی فخری چھوڑ چکا ہوں۔" وہ یہ کہہ کر کینٹن سے  
برکت کے لیے طر آشوب کی آواز نے اسے رکتے پر مجبور کر دیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو شیخ  
کے ہاتھ میں پتھر تھا۔ جس کا رخ کاہر ہے کہ غفران کی طرف ہی ہوتا تھا۔

"یہاں سے زخمہ جانے کے لیے ایک ہی راستہ ہے غفران۔" وہ پتھر غفران  
تائے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کا چہرہ غصے کی شدت سے لال بھوکا ہوا تھا۔ "وہ راستہ ہے  
آخر حیات کی دوستی کا۔"

کسی جسم کا رکتہ توڑ ہے؟  
"شیخ صاحب۔ یہ پاری میں نے نہیں پہنچائی ہے۔" غفران وشیخ کی آنکھوں میں  
آنکھیں ڈال کر ہوا۔ "بگڑا آپ کے پھر بھائی؟" ڈاکٹر شادق نے ان سے کوئی بھی ذلیل کی  
ہے۔ جبکہ آپ کے ہاں کو بھی اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ آپ غیثات کا حشر وہی کرتے  
تھا۔

"ڈاکٹر شادق کو تو کئی پہلے ہی علم تھا۔" شیخ کے چہرے پر تھوڑی سی پریشانی نمایاں  
ہوئی تھی۔ "بابا کی کوٹم نہیں ہونا چاہئے تھا۔ وہ اللہ والے ہیں۔ میرے ہارے میں کہ  
سوچیں گے؟"  
"محاف کرنا شیخ صاحب؟" غفران تھوڑا سا آگے جھکتے ہوئے بولا۔ "مجھے تو یہ بیا  
ہی بھی کوئی فراہمی۔"

غفران! اگر بابا جی کے حلق کوئی لفظ لفظ بھی زبان سے نکلا تو جانتے ہو کہ یہ  
زبان گدی سے کھینچ لی جائے گی۔ شیخ عمر حیات نے غفران کی بات و درمیان میں ہی کاٹ دیا  
تھی۔ "میں شرم آتی جا رہی۔" شیخ اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "میں  
تو جین آ میرا اہرام لگاتے ہو تمہارا دل ذرا نہیں کانپا؟"

"آپ کو چہ ہے شیخ صاحب کہ غفران پر کچھ دیکھتا ہے۔ وہی کچھ بول رہا ہے۔  
غفران بھی اپنے غصے پر ضبط نہ کر سکا تھا۔ وہ آج کل جانا چاہتا تھا لیکن اس کی جاہلیت اور  
تعلیم کی کمی نے موقع اچھا نہ چنا تھا۔ ابھی اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ جس سے وہ ثابت  
کر سکا کہ بابا جی ایک دھوکہ سہلہ ہے۔ ایک فراڈ اور دھوکا ہے۔

"میں نے تجھے بھلا اور بچا ہوا ہے۔" شیخ کا پارہ ایک بار پھر چڑھ گیا تھا  
"روٹی کا بھوکھو اپنے منہ میں ٹھونسے ہو۔ یہ سب میری بدولت ہے اور یہ سب مجھے کسی  
باپ سے نہیں دیا۔ سب کچھ ان بابا جی کے توسط سے ہے۔"

"آپ لظہ کہہ رہے ہیں۔ یہ سب تو خدا کی عطا ہوتی ہے۔ وہ کسی کو لظہ راہ کے  
مجبور نہیں کرتا۔ اس نے بٹر کے لیے دلوں ہی راستے بڑے ساف اور واضح الفاظ میں دیا  
کر دیے ہیں۔ اب اللہ اور نہ راستے کی تیز بٹرنے خود کرتی ہے۔" غفران کو نہ جام  
کہاں سے اتنا حوصلہ آیا تھا کہ وہ آج بھی کی تکلیف کرنے لگا تھا۔ مگر اس کی یہ بات  
عمر حیات کو انتہائی ناگوار گزری تھی۔

"غفران!" وہ بڑا ضبط کر کے بول رہا تھا۔ "میں کہتا ہوں خاموش ہو جاؤ۔ اگر نا

اس نے بات تو کہہ دی مگر غفران ہسپتال سے ڈرنے کی بجائے قہقہے لگنے لگا۔

”شیخ صاحب! میں نے کہا تھا کہ اگر کتا اپنے مالکوں پر بھی بھروسہ کرتا ہے جب وہ محسوس کرے کہ اس کا مالک بھی کتا نہیں کیا ہے۔“ وہ اپنی اُپ سے تاربا اور لٹکا ہوا بولا۔ ”تم تو کبھی بکھار اس جگہ پر آتے ہو۔ یہ کیبن اور تمام کارندے میرے استعمال میں رہتے ہیں۔ اس ہسپتال میں کبھی بھی کوئی گولی نہ بھری جا سکی تھی۔ کیونکہ اس کی ضرورت اور غریبیت ہی نہ آتی تھی۔“ غفران کے اس انکشاف پر شیخ کی چیٹائی پر پیسے کے قطرے نمودار ہو گئے تھے۔

”لیکن بکھرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔“ غفران بھر بولا۔ ”میں وعدہ کرتا ہوں کہ جسارے اس تمام کارندوں سے جڑی ہوئی ہر بات ہمیں چھوڑ کر چار ہا ہوں۔ اس بات کا بھی وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی بھی کسی گتھاری ذات سے متعلق کوئی بھی بات نہ بتاؤں گا۔“ وہ کچھ دیر کے لیے دگرا۔ بھر بولا۔

”اس بات کا بھی وعدہ کرتا ہوں کہ جسارے اس کارندوں اور غریبوں کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کیونکہ حق تک ادا کرنے کے لیے میرے پاس اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔“

”بھرا! وہ اب شیخ کی آنکھوں میں کچھ کر سکتا رہا تھا۔“ اگر گتھاری طرف سے میری ذات پر کوئی بھڑانہ حملہ ہوتا۔“ اس نے بات اور دھوری چھوڑ دی اور شیخ کو حیران پریشان چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ کسی بھی کارندے کو اندر ہونے والی کسی بھی بات کا علم نہ تھا کیونکہ کوئی بھی ان کی گفتگو میں داخل انداز کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ غفران خفیہ لائے سے باہر نکل کر کسی حملہ کو جگہ جگہ چاہتا تھا۔ وہ فیس رہا تھا کہ جب شیخ ہسپتال چیک کرے گا تو وہاں گولیوں سے بھرا ہوا ہے گا۔ جب اس کی حالت بدی ہوگی۔ یہ ایک بہت بڑا انقباضی واقعہ ہو گا۔ غفران نے شیخ کو اس صورت دینے کے لیے استعمال کیا تھا۔

☆=====☆

غفران دروازہ کھٹکھٹایا جانے پر چونک اٹھا۔ اس کے سامنے چلنے والی تمام قرم قرم ہوا تھی۔ وہ فوراً چار پائی سے اٹھنا چاہتا تھا مگر اس کے جسم سے اٹھنے والی نہیں اس کا دل ڈانڈ کر رہی تھیں۔ وہ صحت کر کے آہستہ آہستہ چلنا ہوا دروازے کے پاس آیا تو تھانہ دروازہ کھٹکھٹانے والے پر سخت فحشاء آیا۔ کیونکہ ایسا لگتا تھا کہ دروازہ تو زودیا جاتا ہے گا۔

”کیس بھر تو پلس نہیں آگئی؟“ اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ مگر تب تک وہ دروازہ کھول چکا تھا۔ سامنے عصمر کو دیکھ کر اس کا سارا فحشاء فوراً مٹ گیا۔ عصمر بھی شرمندہ و دکھا

دے رہی تھی۔ اسے شاید غفران کے دروازہ کو کھٹکھٹانے کا موقع نہ تھی۔

”جی کیسے۔“ غفران نے مختصر سوال کیا۔ وہ بھی عصمر سے نظر ملا کر بات نہ کر سکا۔

”میں ماں ہی سے ملنے آئی تھی۔“ وہ بڑی نزاکت سے بول رہی تھی۔ ”انہوں نے کہا تھا کہ وہ پیر کو تم آجائے۔ شاید تم کے پاس نہیں گئے۔ یہ کہہ کر اس نے نظریں جھکا لیں۔“ آپ اندر آکر انتظار کرنا چاہیں تو مت بھولنا۔“ وہ دروازے سے ایک طرف ہٹ گیا۔ ”ماں جی مگر یہ نہیں ہیں۔ وہ کسی کے گھر گئی ہوئی ہیں۔“ غفران کی لگا نہیں بدستور لگتی ہوئی تھیں۔

”نہیں! وہ اپنے وہ پہلے کوئل دے رہی تھی۔“ میں بھر آ جاؤں گی۔“ یہ کہہ کر وہ واپس چلی گئی غفران اس کی گردواہی دیکھتا رہ گیا۔ وہ واپس چار پائی پر آ کر لیٹ گیا۔ اس نے جانی کے پاس جانے کا پروگرام نہ کیا تھا۔ وہ ماں ہی کے آنے سے پہلے ہی نکل جانا چاہتا تھا۔ مگر چروٹی کی شدت نے اسے لینے رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

شیخ عمر حیات کی کوئی بھی کائنات جھلری نہ تھی۔ اس نے محض ایک گھنٹا چال میل کر غفران کو پھنسا لیا تھا۔ قائدانہ اور شرف جواز بھی کسی نے اور پہلے ہی کیس سے ترقی کرنا چاہتا تھا۔ وہ یقیناً شیخ کے خصوصی تعلقات کی بنا پر یہاں ٹرانسفر کروایا گیا تھا۔ کیونکہ قانون کا پرانا تمام عمل غفران سے ابھی ملتا تھا۔ واقف تھا۔

”شیخ عمر حیات! تجھے اب سبق سکھانا پڑے گا۔ میں نے کہا تھا کہ میری آزادی میں رکاوٹ مت بنانا میں بھی گھر کا بھیدی ہوں۔ دیکھ، تجھے اب سڑکوں پر ناگ چھانے کے لیے کیسے مجبور کرنا ہوں۔ تم نے غفران کو صرف اپنی اٹھیلوں پر ہی بھینچا ہے۔ اب غفران لگا کرنا ہے تم دیکھنا۔“ وہ دھوری بڑبڑا رہا تھا۔ جانی بے چارے کو تو علم بھی نہ ہوا کہ وہ ایک ذات حواالت میں اور نہ فقہ و فاضل میں گرفتار کر دیا گیا ہے۔

اسے اسے اتالیقیں تھا کہ شیخ عمر حیات اسے قتل نہیں کروا سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے کافی راز غفران کے پاس تھے اور غفران نے ان رازوں کی بدولت ہی شیخ عمر حیات کو قتل کر کے کا پادگما بنایا تھا۔

☆=====☆

”بھولوں کو چند کرے اور باہر نہ چھٹکے گا بہت بہت شکر ہے۔“ اس نے آج بھر سوا

کے سامنے ٹکڑا کر آئے گی۔ عیسیٰ، واسطے دیتے گی، لیکن وہ خود بخود اور خود کاروبار دھار پکے تھے۔

”میرے خدا تھے اس قرآن کا واسطے میری لاج رکھنا۔ جو قرآن ٹوٹنے میرے سینے میں محفوظ کیا ہے۔ میری آبرو کی حفاظت فرما۔“

اس کی آواز عرض سے بھانپائی گئی۔ اللہ پاک کی رحمت جوش میں آگئی تھی۔ چہ نہیں کہاس سے ایک فرشتہ آیا۔ اس نے ہماری ہر کم خطہ سے کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر زوردار جھٹکا اور اس کا بازو کندھے سے اکھڑ گیا۔ وہ شہ جہ درد سے بے ہوش ہو گیا۔ اس کے باقی ساتھیوں نے تو درد و غم میں غلہ کر دیا۔ مگر ایک ایک کھونا ان سب کے لیے کافی تھا۔ کس کا جڑا ٹوٹ گیا تھا۔ کس کی ناک اور کس کی آنکھ پھوٹ گئی تھی۔ وہ بچوں ہی بازار کے پتوں کی طرح پڑے ہوئے تپ رہے تھے۔ کوئی ان کی فریادیں کر پاس آئے کی جرأت نہ کر رہا تھا۔ نو واروں نے آگے بڑھ کر مصمم کو اس کا قہقرا پکڑا اور اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا تو اس نے ٹپک لیں اٹھا کر خود راوی طرف دیکھا تو حیران رہ گئی۔

کیونکہ وہ اس چہرے کو کبھی نہ بھول سکتی تھی۔ وہ اطمینان تھا۔ شادی کا خاص سر پہ اور ان کا خدمت گزار۔ وہ بیٹھا مصمم کے لیے رحمت خداوندی کے فرشتے کا روپ تھا۔ اس نے چادر سے اچھی طرح مصمم کو احاطہ دیا تھا۔ پانچوں خطہ سے بے ہوش چہرے ہوئے تھے۔ اطمینان نے مجمع کی طرف دیکھا جو ہوتی ہے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ اس کی حفاظت کا اندازہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جبکہ مصمم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ اطمینان نے بھی ایک کپڑے کا قہقرا پکڑا اور تھا۔ جس میں میری وغیرہ تھی۔ وہ ٹاپا دھکی شادی کے لیے ضرور ہاتھ زدن کی ضرورت کے لیے نکلا ہوا تھا۔ وہ ب کریم نے اسے ایک وسیلہ بنا کر کھجوا تھا۔ مصمم کی عزت بچ گئی تھی۔

اس نے مصمم کو گھر پہنچنے کے لیے کہا۔ وہ پچھلے ہاتھ کا کھڑا گئی تھی۔ اطمینان بھی گیا کہ اس کے ذہن میں طوفان مچ گیا ہے۔ وہ اس کے تہذیب کے عالم کو جاننے ہوئے اس کے آگے کے بل چلا۔ اس نے سزا کر دیکھا تو مصمم بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ اطمینان نے اہستہ اس کے گھر تک پہنچا دیا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر اسے گھبراہٹ سے آنے کا کہہ رہی تھی۔

”آپ نے میری عزت بچائی۔“ وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ اطمینان بول چلا۔

”اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس نے اس مقدس کتاب کی حفاظت اپنے ذمہ لے۔“

کھڑی رہ گئی جبکہ وہ کبھی کا جانچا تھا۔ اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ اپنی سوچوں کا ہماری راجد اٹھائے وہ گھر تک پہنچ گئی تھی۔ خالد اس کا منتظر تھا۔

آج بھی خالد نے کہا نہ کیا کیا تھا۔ مصمم کو کچھ تشویش ہوئی، لیکن خالد باہر جا چکا تھا۔ کئی دنوں سے خالد کی عادت تین گئی تھی کہ وہ پیر کو کھانا نہ کھاتا تھا۔ مگر کھانا سلفہ خوش ہونے کو آیا تھا۔ مصمم کو کل ہی کھانا ملا تھا۔ اس نے سوچا کہ ماہنامہ راشن لے آنا چاہیے۔ جب اس نے الٹا ہی کھول کر اس میں سے پیسے نکالے تو پیسے گئے۔ وہ یاد کرنے لگی کہ اس نے کھانا میں سے کوئی بھی چیز خرچ نہ کیا تھا۔ پکھاس کے پاس تو پہنچے، وہ کی کھانا سے بھوکھ رہی بھی بچ گئی تھی۔ پھر پیسے کہاں گئے۔ اگر چہ وہی ہو گئے ہوتے تو چہرہ کا صبران تو نہ تھا کہ پوری کھانا میں سے باقی رقم چھوڑ جاتا۔ کیا خالد نے چرائے ہیں؟ لیکن خالد کو چرانے کی کم ضرورت ہے؟ اسے تو منہ مانگے پیسے میں دے دیتی ہوں۔ وہ چھٹیائی کے عالم میں تھی۔ اور نہ تھب کیا اور اپنے مخصوص و بھوکہ کو ایک چادر میں لپیٹا اور گھر کو نکلا کہ بازار بھڑکی۔ تالے کی ایک چابی خالد کے پاس ہوئی تھی تاکہ اگر وہ کبھی سکول سے جلدی آ جائے۔ بازار بھڑکا رہا کہ مصمم کا انتظار نہ کر رہے۔

مصمم بازار سے ایک دکاندار سے گھر لے ضرور ہات زدن کی اپنا رخ بے یقینی تو اسے اطمینان اٹھا کر واپس طرزی۔ ابھی وہ بازار کے چوک میں ہی پہنچی تھی کہ تین موٹر سائیکل سواروں نے اسے گھیر لیا۔ وہ دکاندار میں جا پڑے۔ ان کے پاس تین موٹر سائیکل تھیں۔ وہ کہ ہماری ہر کم انجن کی بدولت کافی شور مچا رہی تھیں۔ مصمم نے ان سے سزا کر گزرا۔ چلا۔ تو ایک نے اس کی کھائی پکڑ کر کھینچ لیا۔ جھٹکا اٹھا شہ پکڑا کہ مصمم کے ہاتھ سے چٹا دور چلا۔ جبکہ ایک ایک راہ گیروں نے انہیں شرم دلانے کی کوشش کی تو انہوں نے ان کی کیم چٹائی کر دی۔ بلکہ راج اور نکال کر دو تے تو ہوائی فگنگ کر دی۔ جس سے بازار کا ماحول شبنام ہو گیا۔ وہ اب موٹر سائیکلوں سے اتار آئے تھے۔ مصمم کے ارد گرد پکڑا رہے تھے وہ بے چاری مصمم ہرنی کی طرح اپنے گھر کو منہ دے کر خود راوی بھڑکیوں کو کچھ رہی تھی۔

ایک نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔ تو دوسرے نے اس کی ہر پر حرا جہ کے جواب میں اس کا تھب ٹوٹا لیا۔ وہ چپٹے چلائے گئی۔ مگر اسطے کے سامنے کبھی بے گناہ نہ آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک ہماری ہر کم و بھوکہ کا مالک تھا۔ اس نے اس کا زکامہ خور و ہرنی کو کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ بلند آواز میں قہقرا رہے تھے۔ مصمم کے گھر سے بے یقینی رہا۔ وہ آگے بڑھا۔ اسے اس کی سیرات کی بات کی مانند وہاں تھے۔ وہاں

کے دل کی مرضی مطمئن کرنے کے بعد وہ انہیں نامعلوم طریقے سے ایک مشکل کرنے کا اپنا کام لگانا تھا۔ جہاں لڑکیاں مہمانگاہی کی بندھن کرتی تھیں۔ وہ انہیں لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کرتا اور ان کی شادی ان کی پسندیدہ جگہ پر اپنے محل کے درمیان کر دیتا تھا۔ جو کہ چند ماہ بعد یا پھر چند سالوں بعد نام ہو کر طلاق پر ختم ہو جاتی تھی، لیکن ان تمام معاملات میں بابائی بائیں پسند کے تصور ہوتے تھے۔ بلکہ ان کے احسان تھے وہ بد نظمی، تمام عمران کے سامنے آنکھ نہ اٹھاتی اور اسے حد تک پہنچنے کا موقع ملتا تھا۔

اس نے ہر طرح کی ذہنی لکائی ہوتی تھی کہ وہ روزانہ عیدہ و عیدہ کی مجلس میں بابائی ذاتی خلیجہ جگہ پر پانچ دن رو رہے بیٹھتا رہے۔ سال کے آخر میں وہ تمام رقم لے کر کرپائی اپنے مرشد کے دربار پر پہنچ جاتا تھا۔ امیر کوئوں کے لیے یہ انتہائی مشکل کام ہوتا ہے کہ وہ روزانہ یہ معمولی سا کام یاد دہانی سے کریں۔ لہذا وہ سال کے آخر میں ویسے ہی بابائی کو کوئی "نذرانہ" دے دیا کرتے تھے۔ جو بتولوں ان کے ان کی آخرت مسطور کرنے کے کام آئے گا۔ اب بھی وہ عیدہ کو کوئی لاکھ پر لانے کے لیے جاں نثار رہتا تھا۔ یوں تو اس نے بہت ساری کشش عالیہ بیکھر میں بھی محسوس کی تھی۔ مگر وہ راجا لاک اور مہاراجہ کی عورت تھی۔ یوں لگتا تھا کہ وہ آسانی سے ہاتھ دے گی، لیکن بابائی اس پر بھی کوشش جاری رکھے ہوئے تھے۔

"بھیس پتہ چلا ہے کہ ہماری بیٹی کسی سے محبت میں مبتلا ہے۔" بابائی نے میڈ کی طرف دیکھ کر بھیر کر شروع کیا تو میڈ کے بابائی کی نگاہیں دھتے ہوئے ہاتھ نامعلوم ساعت کے لیے غصہ کئے۔ مگر وہ اپنی اطاعت سے اور خدمت سے اور دلاواری سے بابائی کو حائر کرنے کے لیے بدستور اپنا کام کرتی رہی۔

"اگر کوئی لڑکا پسند ہو تو مجھ سے کہنا۔ اپنے باپ سے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم جو ہیں۔"

بابائی نے میڈ کے تاثرات جاننے کے لیے آنکھیں کھولیں۔ مگر میڈ کی آنکھیں بدستور بند ہوئی تھیں۔ بابائی اس کے خوبصورت اور نرم و نازک وجود کو اپنی ہوس بھری نظروں سے طواف کرنے لگے۔ اس کے نرم و نازک ہاتھوں کا لمس اس کے جسم میں بھونچال پیدا کر رہا تھا مگر اس لحظہ خود پر قابو نہ رہتا یہ ضروری تھا۔ کیونکہ اس کا تکمیل اور اس کا تجربہ بڑا ہاتھ کو کوئی یاد دہنگ و دو گھن کر پڑتی ہے گی۔

لکھی بھی ہو۔ جب ایک پارٹیشن تک کر کھڑا ہو جائے تو مخالف ہڈ لڑائی تیز

چند صفحات اور باہی سے مزین ایک خوبصورت کتاب کی حفاظت اگر وہ کرتا ہے تو اس کو کیسے رسوا ہوتے دیکھنا جس نے اس کی روشنی اور پاکیزہ کتاب کو کھالٹے اور محبت سے اپنے سینے میں محفوظ کیا ہوا ہے۔ وہ جانے کے لیے مڑا تھا۔ عرصہ اس کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ وہاں پلٹ کر کمر میں داخل ہوئی تو خالد کو اندر سوتے ہوئے پایا۔ اس نے جلدی جلدی دھنوا اور قرآن کریم کو پڑھتے سے لگا کر کھینچی دی اور اسے عقیدت سے چوم لی رہی۔ اس مقدس کتاب اور اس کے خالق نے آج اس کی لاج رکھ لی تھی۔ اسے سر ہزار رسوا ہونے سے بچا لیا تھا۔ اس کا چہرہ ایک بار پھر اس کے پاکیزہ آنسوؤں سے دھو کر لے لگا تھا۔ وہ نہ جانے کب تک کچکیاں لے کر روئی رہی۔

☆=====☆

شیخ عمر حیات کی فطری کے علاوہ اب تو بہت سے لوگ بابائی کے مطلع ہو چکے تھے۔ بابائی بھی بکھار شیخ کے گھر بھی رات بسر کر لیا کرتے تھے۔ اس کا پچھلا بھائی اب وہاں درک صرف انہی گھروں تک پہنچا ہوا تھا جو ایمان کے گھر اور گھر و مٹا کے مالک تھے۔ جن گھر و مٹا میں نوجوان اور خوبصورت لڑکیاں ہوتی تھیں۔

میڈ بابائی کے آستانے میں موجود تھی۔ یہی دیکھ کر اٹھا جو گھر میں ایک تھلک تھا۔ اس کو آراستہ کرنے کے بعد بابائی کے لیے وقف کر دیا گیا تھا۔ بابائی نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ کوئی بھی اس کے کمرے کو صرف کرانہ کہے۔ بس وہ دروازہ آستانہ کے نام سے مشہور رہ گیا تھا۔

میڈ بابائی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کی نگہیں دہاری تھی۔ وہ انتہائی جاذب نظر اور پُر کشش تھی۔ بابائی جو کہ چالیس سال کی عمر کا پانچ ماہ پروردگار، اس پر پہنچا ہوا ہوش من کو اپنی مرضی کے مطابق استیصال کرنے کے لیے جاں بچھا رہا تھا۔ ابھی تک میڈ کی طرف سے کوئی بھی حوصلہ افزائی اسے نہ ملی تھی۔

وہ اپنے طریقہ و ادراکات پر مطمئن تھا۔ مرنی ذبح کر کے ایک پارٹ سے کھانے کے اسے عادت تھی۔ وہ ہر روز سونے کا لٹہ و حاصل کرنے کا قائل تھا۔ جس کو آج تک مختلف جگہوں سے ابھرتی ہوئی جوانیوں کا ریس چوس کر خاصا مومنہ ناز و مہمان چٹکا تھا۔ جن گھروں کو اس نے اپنے ہاتھوں پر بیعت کیا تھا۔ اس کی شرط اور خواہش ہے مطابق ان سب گھروں میں ایک کمرہ آستانہ بنالیا تھا۔ وہ بہت عطا و ناز و سکون ہو کر طریقہ و ادراکات پر عمل پیرا ہوا تھا۔ وہ اس گھر والوں سے میڈ و میڈ و ملاقاتیں کرتا تھا۔ ہر ایک

بیٹھا تھا۔

”دو تہارے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایک غلام ہے۔ غلام اور کتے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔“ بابائی نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا اور ساتھ ہی اپنا زہری لٹال لیا تھا۔ کیونکہ پہلے دن سے ہی غلطان انٹس سخت چاہند تھا۔

”آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری پیند کی جگہ پر میری مرضی سے شادی کر دیا جائے گی۔“ بیٹی بھی کھل گئی تھی۔

”ہم اپنے وعدہ سے منحرف نہیں ہوئے ہیں۔“ بابائی نے پانچاغان میں پان کی بیک پیچھے ہوئے کہا۔ ”ہو گا وہ جو ہماری بیٹی چاہے گی۔ اس کے لیے ہمیں کچھ بھی کرنا پڑے۔ بڑی مشکل اور کٹھن راہوں سے گزرنا ہو گا۔“

وہ بدستور میچے کے دو جواکھ لٹا لٹا کھوں سے طواف کر رہا تھا۔ ”دو چار کام ہماری مرضی سے کرنا ہوں گے۔ غلطان تک چلے گا نا ہوں گے۔ مگر یہ تو بتاؤ۔ کیا وہ بھی جھپٹیں پیند کرتا ہے؟“

”میں نہیں جانتی۔“

”یک طرفہ مشق ہے؟“ احتیاط کر گیا۔

”ہاں۔“ وہ اب اپنی انگلیوں کو مرزوری تھی۔ ”جین میں اسے پانے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ کوئی بھی چلے گا تو بھی اطمینان کام میں کر سکتی ہوں۔“

”فکیم ہے۔ تو بھر پوری طور پر تیار ہو جاؤ۔“ وہ میچہ کو اپنی باتوں میں الجھا کر کامیابی سے شیطانیت کے مراحل طے کرتا ہوا بولا۔ ”اس کے لیے ہمیں بھی بہت محنت کرنا پڑے گی۔ جھپٹیں ہمارا ساتھ دینا ہو گا۔“

”آپ فی الحال پایا کو بتاتے ہیں۔“ اس نے صحت بھرا الجھہ استعمال کیا تو بابائی کو بے اختیار اس پر بیچارہ کیا۔ وہ اپنے آپ کو روک نہ سکا۔ اس نے آگے بڑھ کر میچہ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، ایک بوائے۔ شاطر کھلاڑی نے انہیں ”خرد“ پیچک کر میچہ کی پائی کون آؤٹ کر دیا۔

”میں نے پہلے ہی کیا تھا کہ تمام مرے جان میرے پہنچے ہیں۔ ان کا دکھ درد دیکھتا ہوں۔ اب قرم حریات کی جھپٹیں بلکہ میری لاشہ واری ہو۔ مگر نہ کرو بچی۔ جو چاہو گی۔ وہی ہو گا۔ میں مرشد کی راضی کا خیال رکھتا۔“ وہ میچہ کو اپنی لٹال اور لیٹتہ کے مطابق استعمال کرنے لگا تھا۔ ”سپانے کیجئے ہیں کہ مرشد ناراض ہو جائے تو وہ پالا قبر برائے کھائے۔“

تھو گیند یہ بھی اسے آؤٹ نہیں کر سکتیں۔ کوئی آؤٹ سوچ۔ کوئی ان سوچ۔ کوئی ریمس سوچ۔ اور کوئی بھی کھلی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ وہ ہا آسانی ہر گیند کو درست ہٹ لگا کر پاؤٹری لائن سے باہر پینک کرتا ہے اور بالآخر سچری سکور کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ اس کچے پر تبصرہ لگا دیا اور خفیہ کاروں کے ساتھ اپنی کارکردگی سے بند کر دیتا ہے۔ ایک لمبی انگلی کھیل کر اپنی نیم کوچ کوا کر دوسرے طرف دیتا ہے۔ بابائی بھی انہی نہیں کو ذہن میں رکھتے ہوئے میچہ کے صحن کی کچے پر لمبی انگلی کھینچا چاہتے تھے۔ اپنے اندر پیچھے ہوئے شیطانی کی قسمل و تسکین کے لیے وہ ہر جاتی ہوتی گیند کو جھپٹنا چاہتے تھے۔ ہمارا کوئی گیند بٹے کا کنارہ لمبی ہوتی دیکھ کر بہت سلسلہ میں کھڑے ہوئے لیڈر کے ہاتھ میں چلی جائے اور وہ بائیں انگلی کی آؤٹ ہو جائے۔ وہ آہستہ آہستہ کچے کچے سزوس کھیل کر میچہ کے صحن کی گیند کی شانگ قسم کرنا چاہتا تھا تا کہ اس کے صحن کی بیک اور تیز آتی ہوئی کوئی بھی گیند بٹے کا کنارہ لے کر کھی لیڈر کے ہاتھوں میں نہ چاہے اور نہ ہی وہ کوئی غلط سکور کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے اندر پیچھے ہوئے شیطانی لہجہ کی کال پر توجہ دیتی ہوئی مشکل سے کرر ان آؤٹ ہونے کا فطریہ مائل نہیں لینا چاہتا تھا۔ بس لمبی انگلی اور پاؤٹر پر مادی ہوتا ہی اس کا مقصد تھا۔ اور اب تک اس کی کامیابی کا حساب سو لیٹھ تھا۔ اس کی بہترین حکمت عملی کی بدولت اس کی سچری جوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ جتا اور فٹسہ سے مارنے سے بچنے کے لیے ڈاکا لڑی تھا۔

”تم سب ہمارے مرے نہیں ہو۔“ بابائی نے میچہ کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”ہماری اولاد کی طرح ہو اور اولاد کی خزانہ اعلیٰ پوری کرنا ہمارا اولین فرض ہے۔ اگر کوئی دل میں ہے تو بڑا تکلف کہہ دیتا۔ ہم کسی کو نہیں تاہمیں گے اور ہم کینا کہہ گا وہی جو ہم چاہیں گے۔“

”میں جس کو پیند کرتی ہوں۔“ میچہ نے ڈر سے انداز میں اپنے ہاتھ بابائی کے ہاتھوں سے چھڑاتے ہوئے کہا۔ ”اس وقت پایا سے سخت چاہند کرتے ہیں اور وہ بھی بھی نہ چاہیں گے کہ میری شادی ہو جائے۔“

”مجھ پر اعتماد کرو اور یقین رکھو۔ اس بات کو بھول جاؤ کہ مرے آسمانوں پر بیٹے ہیں۔ اپنے مرے دل کی قسمت بھی ہم بتاتے ہیں اور ان کی جڑ جوں کی ہماری مرضی اور پیند سے بنتی ہیں۔“

وہ تھک چکا کہ کھار ہو گئی تھی۔ ”میں غلطان سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے ہم

اب اس کے قہر سے ڈرنا کہیں اس کا قہر تھا اسے غفران کو اپنی پیٹ میں نہ لے لے۔ اب تم چاہتی اور یہ لگ رہا ہو کہ اس کے ذرا دل کی زندگی کی رشتہوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے چاہی شروع کرو؟

بابائی نے گویا اس پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔ وہ اس کے قدموں کو چھوئی ہوئی باہر لگی تو بابائی کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ برپا ہو گئی۔ یہ اس کی دوسری کامیابی تھی۔ پہلی کامیابی تو اس نے غفران کو لکھنا حاصل کر لی تھی۔ اب دوسری کامیابی اس نے اپنی ہون کی پیاس بجھانے کے لیے غفران کی جوانی کا رس چوسنے کا بہترین پیرا گرام بنا کر حاصل کر لی تھی۔

اب عالیہ بیگم کے دل کی بات بھی سننا پڑے گی۔ اس کی آنکھوں میں جو پیاس تھی وہ بابائی نے ابھی صبح محسوس کر لی تھی۔ شیخ عالیہ بیگم کی محبت تو مٹی کی تھی، لیکن جوانی گزارنے کے لیے صرف محبت ہی کافی نہیں ہوتی۔ بلکہ جذبات اور رشتوں کا احترام بھی ضروری ہوتا ہے۔ شیخ صاحب عالیہ بیگم کو بخشنے ہی سکتے تھے۔ اس کی وہی کیفیت ابھی جذبات کا اظہار کر رہی تھی۔ یہ بات بابائی کی جہانگیرہ وغیرہوں نے واضح طور پر محسوس کر لی تھی۔ کیونکہ وہ اس کی سبیل کا پرانا کاڑی تھا۔ بچپن کو اپنے چال میں پھانسنے کے بعد اس کو عالیہ بیگم کے لیے صبر بچا کر رکھنا تھا۔

دوسری بات میں ابھی بڑا بڑا نہ لگا۔ جاوید کے جرحکات اسے یاد تھے۔ وہ انسان کو اس کا گروہ بنا دیتے تھے۔ گروہ منسوب اور اس کے عقیدہ کا مسلمان اور سچا عاشق رسول اس کے اس وار کو بڑا آسانی سے جانتا تھا۔ بلکہ دوسرے الفاظ میں اسے کام نہ داتا تھا۔

جس طرح کسی بڑے بڑے بڑے بزرگ کا بچے کو نڈلا کام سے روکنے کے لیے بس آنکھ کا اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ اسی طرح جب ایک سچا عاشق رسول اور پختہ عقیدہ رکھنے والا شخص کسی جاوید گاہک کا کام کرنے والے کے سامنے ہی چلا جائے۔ اس کے تمام ارادوں کا کام ضائع ہو جاتے ہیں۔ وہ جان گیا تھا کہ غفران بھی ابھی اس کی مریدی میں نہ آئے گا۔ جس طرح غفران نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا تھا وہ وہ جان گیا تھا کہ یہ بابائی ایک نرانا ہے۔ اسی طرح بابائی کو بھی علم تھا کہ یہ شخص ایک پختہ ایمان والا اور سچا آدمی ہے، لیکن غفران کا کاٹا لٹا لٹے کے لیے اسے کوئی خاص محنت نہ کرنی پڑی تھی۔

اب اس کے لیے میدان اب صاف تھا۔ وہ ایک ایک کر کے تمام افراد کو اپنے تابع کر رہا تھا۔ یہ انکڑ شارق بھی کمال کا آدمی ہے۔ کبھی بے وقوف آسانی ڈھونڈتی ہے۔ جو جلد

پر کم اعتماد رہتا ہے۔ بس اس کا عقیدہ اس بات پر قائم ہو گیا ہے کہ جو کچھ بھی لگا۔ بابائی سے ہی لگا۔ اس سے زیادہ تو ہم بستی اور دنیاوی کسی کیا کر سکتی ہے؟

☆=====☆

بابائی اس کے زخموں پر مرمی لگا رہا تھا۔ غفران چار پار پائی پر اٹھ بیٹھا ہوا تھا۔ "آپ نے اچھا نہیں کیا غفران بھائی۔" بابائی نے اس کے زخموں پر حریفہ دوائی لگاتے ہوئے کہا۔

"کیا اچھا نہیں کیا؟" اس نے لیے لیے ہی پوچھا۔

"آپ کو ابھی تک دھیر رہنا چاہیے تھا۔" بابائی نے کہا شروع کیا تو وہ اندھ کر سیوہا ہو کر چڑھ گیا اور بابائی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔ "ابھی تو ہمیں بہت کام کرنا تھا۔ اس آدھی صبح کا پتہ کرنا تھا۔ اس کا کمر" خواشیاں کرنا تھا۔ آپ وہاں ہوتے تو آسانی ہوتی۔"

"میں وہاں ہوتا تو ایک دن ایک دن میرے دماغ کی کس پھٹ جاتی۔" وہ کہنے لگا۔ "تم نہیں جانتے وہ عالیہ بیگم اور بیگم کو کبھی لپٹائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے۔"

"تو تمہیں اس سے کیا؟"

"مجھے واقعی کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔" وہ غصہ میں بولا تھا۔ "کیونکہ کون سا میری ان سے کوئی رشتہ داری ہے۔ لیکن جانی مجھے اس وقت بہت کوفت ہوئی تھی جب شیخ عمر جیات اور ان کی پروری کی سبیل اس چاہل اور لوٹنے کے سامنے کھڑے تھے۔"

بابائی بھی بہت محنت اور محنت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"ابھی تک یہ نہ بتاؤ کہ میں ہوسکا گندہ چاہل اور لوٹنے کا ہے۔"

"آن پر حریفہ میں ہوں؟" وہ بابائی کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن گنا ہے جبری" مت" ماری گئی ہے۔ کیا کوئی کچھ دار اور اسلامی اقتدار کو کھٹے اور جانتے والا مسلمان کسی انسان کے گناہ کے پختہ اور وہ آگے سے اسے منع نہ کرے تو اس کا کیا مطلب ہوا؟ تاکہ مجھے کیا مطلب ہوا؟"

"تم ہی بتاؤ۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ شخص محض نرانا ہے۔ ایک دھوکا ہے کیونکہ یہ صرف دہ کریم کی ذات کو دہا ہے۔ بس۔"

"اگر آئی کی معلومات رکھتے ہو غفران بھائی تو۔۔۔ کبھی اس دہ کریم کو کچھ دیکھیں نہیں کیا؟ میں نے تو کبھی بھی نہیں اس کی حمد و ثناء کرتے نہیں سنا۔"

"جانی بادشاہ! جس کچھ لے کر گھبراہٹ میں اس زندگي کو چھوڑ کر چلے رہے ہیں وہ اپنے لیے کوئی نیا کاروبار نہیں ملے گا۔"

"غفران بھائی! میں آپ کو سمجھا تو نہیں سکا، لیکن اتنا ضرور کہوں گا۔" غفران سنبھل کر چند گھبراہٹ اور جانی کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گیا۔ "جی آخر اگر اب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ یہ بات حتمی طور پر تصدیق شدہ ہے۔" ان کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ اس کے بعد بھی کوئی کتاب آسمان سے نہ اتاری جائے گی۔ آج سے تقریباً چار سو سال پہلے جب انبیاء کرام کا سلسلہ بند ہو چکا تھا۔ جب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو رب رحیم نے اپنے پاس بلا لیا تو اس وقت دین اسلام کی تکمیل ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر مقدس کتاب اور انبیاء کرام کا سلسلہ بند کر دیا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں اور قرآن کریم آخری کتاب ہے۔ ان کی ذات مقدس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ مگر ان کی اولاد اور آل سے تخلیف اسلام سے رب کا نکتہ کی پکیان بتائی۔ لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دی اور بتایا کہ یہ مشرق اور مغرب ایک جہت ہیں۔

بلکہ وہ رب دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب ہے۔ اس کا نظام اور اس کے بتائے ہوئے راستے اور بتائے ہوئے قوانین۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں سے کوئی نہ کوئی اپنا کام اور اپنی انجام دیتا ہوا ملے گا۔ ان کے کھنڈوں پر دین اسلام کی اشاعت اور لوگوں کو گمراہی سے بچانے کی جہد و جداری رب کریم نے ذاتی ہے۔ وہ اس کو بخوبی واقف تھا۔ ہمارے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں سے کبھی کوئی بھی جہنم گمراہ نہ ملے گا۔ وہ کوئی عام خاندان سے تعلق نہیں رکھتے۔ بلکہ اس عظیم مقدس گھرانے سے تعلق ہے جن کی آل اولاد اور اصحاب سے تعلیم حاصل کر کے علماء کرام بنیں گے۔ پیغمبر ہیں۔ ان کی ذات مقدس کو سامنے رکھتے ہوئے۔ ان کی سنتوں اور احادیث پر عمل کرتے ہوئے یہ علماء کرام اپنی اپنی اپنی انجام دیتے ہیں۔ ذرا غور کرو اگر یہ علماء اور مولوی نہ ہوتے تو کون تھا جو ہمارے نکاح پر مصافحہ؟ ہمارے جنازے پر مصافحہ؟ ہمیں جوت اور کج کی تیر تھاتا؟

وہ کچھ دے کے رہے گا۔ وہ اپنی کئی کئی باتوں کا غفران کے چہرے پر جانزدار رہا تھا۔ جس پر ان باتوں کا کافی اثر ہوا تھا۔

"غفران بھائی! جانی پھر بولا۔ "اگر کسی مولوی یا عالم پر تہہ دار اظہار نہیں ہے تو کسی آل رسول کا دامن ہی تمام ملے۔"

"جانی بادشاہ! ہمیں باتوں میں بہت وزن ہے لیکن۔" وہ توقف کرتے ہوئے

کہا۔ "جب تک۔۔۔ جب تک میں اس دعوے کا مکمل حدود اور حدود تلاش کروں۔ میں کسی بھی چیز پر غور نہیں کروں گا اور شیخ حرمان کی مکمل جاہد کاری تک تو میں جتن سے جتن بیڑہ سکتا۔ وہ مصمم ہیں کہ کوئی ہرگز ہر وقت کر رہا ہے۔ گھروں کے گھر جان رہا ہے۔ وہ ایک نام نہاد "خیر" کے سامنے سر جھکا رہا ہے۔ اس نے میرے ساتھ ہر عہد کی ہے۔ میں اس کے تمام کاروبار کی اصلاح سے اصلاح بنوا رہا گا۔ دیکھنا۔ تم دیکھنا ایک دن میں اسے اسی شہر کی سڑکوں پر ہمیکہ گھمٹے پر پھیر کر دوں گا۔ تم دیکھنا۔ تم دیکھنا۔ جانی بادشاہ! وہ اس وقت بہت سے میں تھا اور اسے صحت کی کوئی بات سمجھا نہ سکا تھا، لیکن جانی کہتا تھا کہ جو حق اس نے غفران کو آج دے دیا ہے کافی ہے۔ وہ اسے حرج و مرج نہ کر سکتا تھا۔

"دیکھو غفران بھائی! جانی اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ "ہمارے احسانات سے اس نے اپنی کوئی زندگی دی ہے۔ میرے لائق کوئی خدمت نہ تھی۔ اگر تہہ دار ہی یہ دی ہوئی زندگی ہمارے ہی کام آجائے تو میری خوش قسمتی ہوگی۔" اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔

غفران نے اسے بڑھ کر بیٹھے سے لگایا تھا۔ "کوئے بھولے بادشاہ! اس نے جانی کے آنسو پچھتے ہوئے کہا۔ "زندگی اور موت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ بس تم اپنا کام کرو۔ اس دھوکے سے مکمل حدود اور بعد معلوم کرو۔ تمہارا یہ کام ہے اور میرا کام مجھے کرنے دو۔ ابھی بہت کام کرنا ہے۔ تم دولت اور دولت کی پروا نہ کرو۔"

"غفران بھائی! میں ان شاء اللہ اس کام کو پاؤں تکمیل تک پہنچاؤں گا اور دولت بھی ضائع نہ ہوگی۔"

"اس دن ہر لون کی گڈی اس حرای کو دی تھی اس کا کیا ہوا؟" غفران نے مسکراتے ہوئے کہا تو جانی بھی مسکراتے لگے۔

"گھر میں غفران بھائی! تمہارا یہ بہنہ ہمارا شرم و وقار سوسیت وائیں لائے گا۔"

"ویسے میں نے جس میں کیا سمجھا ہے؟ جو تم میرے بہنہ ہمارا شرم و وقار دہونے پر اتر رہے ہو۔" تم نے مجھے بیٹھا سمجھا ہے۔" جانی نے اس کے ہاتھ پکڑے ہوئے کہا۔ "آج کے نفسی کے دور میں کوئی کسی سرنے والے کا رخ بھر کر زندگی کی طرف موڑنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ بس وہی استاد ہے۔ غفران بھائی! شیخ حرمان ایک اچانک کانیاں آدمی ہے۔ ذرا اس سے بچ کر رہنا۔ کیونکہ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں اور پھر اس کے "بڑے" کے پاس کالا طرہ بھی ہے۔ وہ جو تمیں پھر نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

”تم گزند کرو جانی بادشاہ! جس شخص کے پیچھے اس کی اس دعا نہیں کرے۔ دنیا کے  
کینوں کی کیسکی اس کا پتہ نہیں پگاڑ سکتی۔ بس ٹو گھبراہٹ۔ سے ای خیراں میں۔“ یہ کہہ کر  
غفران باہر نکل گیا۔

☆=====☆

ڈاکے نے عصمر کو خط پکڑا دیا تو وہ حیرانگی سے ہاتھ ہٹے ڈاکے کو دیکھتی رہی۔  
اس کے گھر کے پتہ پر پہلی مرتبہ کوئی خط آیا تھا۔ خط کے باہر صرف خاندان کا نام اور پتہ لکھا ہوا  
تھا۔ وہ حیرت و استعجاب کے سمندر میں گھومتے کھاتی ہوئی خط پکڑے اندر داخل ہوئی۔ تو اس  
نے حسب معمول خاندان کو کھانے پر بلا دیا۔ مگر خاندان بھی حسب معمول۔ ”بھوک نہیں ہے۔“ کا  
راگ الاپا ہوا باہر نکل گیا۔ عصمر کو خاندان کی بڑی فکر ہو رہی تھی۔ وہ کھانا اور دودھ چٹا پائیکس  
ٹرک کر چکا تھا۔ جبکہ دودھ اس کی من پسند طور پر تھی۔ اسے فکر لاحق ہوئی کہ کتنے بھر سے تو  
اس طبیعت پر دروغ نے اس کے جسم پر قبضہ نہ ہوا کیا ہو۔ مگر خاندان کی کوئی بھی حرکت پہلے ہی  
نہ تھی۔ وہ نہ تو لوگوں کو کھانا دیتا تھا اور نہ ہی ان کے دروازوں پر ایٹنوں سے دستک دیتا تھا  
جبکہ دروغ کی اس کے جسم میں موجودگی کے دور میں یہ اس کے محبوب مشاغل ہوا کرتے  
تھے۔ ایک انہونی تھی جو شاہی نے کر دکھائی تھی۔ کافی علاج معالجہ سے بھی خاندان کو بچھا تھا۔  
نہ ہوتا تھا۔ شاہی نے اللہ کے حکم سے اس موذی کو خاندان کے وجود سے نکالا تھا۔ اس نے  
شاہی کی کارڈ ہوا تو بچہ بھی خاندان کو پہنچا دیا تھا۔ پھر خاندان کا رویہ اور کھانا نہ کھانا اسے مجھوتہ  
آ رہا تھا۔ اسے ایک بار پھر ماں مٹی کے توسط سے شاہی بھی میراں ہستی سے ملنا چاہئے۔  
وہ انہی سوچوں میں غلطیاں کر رہی تھی تو اس کی بھوٹی میں رکھا ہوا خط لپکے کر گیا۔  
”ہونہ ہو؟ یہ کام اسی شریلو کے کا ہوگا۔“ اس نے غصہ سے ہی کہا، ”اور دیکھوں تو“  
کہہ کر خاندان چاک کیا تو اس میں سے ایک کارڈ نکل کر لپکے کر گیا۔ جبکہ لٹاؤ کے اندر ایک صلو  
بھی تھپ گیا ہوا تھا۔ جس پر کچھ تحریر تھا۔

عصمر نے زمین سے کارڈ اٹھایا۔ وہ کسی سبکی کارڈ پینٹنگ کارڈ تھا۔ جبکہ اس کے جی  
ایم کا نام بھی درج تھا۔ کارڈ انکس میں تھا۔ انتہائی سادہ اور دیہ و زیب پر خشک نے اس  
کارڈ کی اہمیت بڑھا دی تھی۔  
”فلق عربیات اعر پرانہ۔“ کے کارڈ پر ہزاروں کے حقیقی کارٹنٹس کی مختلف



ورائیز درج تھیں۔ اوپر والے کونے میں۔ ”محمد“ بڑا تلخ، بڑے ہنس تھا۔ جبکہ نیچے ہنس کا انڈرٹن اور فون بھڑ بھڑا رہتا تھا۔ موٹا ٹیل بھڑ بھڑا رہتا تھا۔ وہ دو دو دو تو اس کا رڈ کا مقصد نہ تھا، لیکن جب لٹاؤ سے دو تہ شدہ کا تختہ لٹا تو اس کی تحریر پڑ کر اسے کھنکھایا تھا کہ موصوف کا نام محمد احمد ہے وہ اس کہنی کے مالک کے بیٹے ہیں اور محمد کو فرم میں جاب آفر کر رہے ہیں۔

”کن دیکھے حسن کو سلام“

ایک بار بھر مسرورت خواہ ہوں کہ بذریعہ خط آپ کی زندگی میں داخل ہو رہا ہوں۔ خط لکھتا میری مجبوری ہے۔ کیونکہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی آپ کے مگر فون کنکشن نہیں ہے۔ آپ کے بھائی کا کام اسی سے بچ چکا تھا اور آتے جاتے ایئر بیس بھی معلوم ہو گیا تھا۔

خط لکھنے کا مقصد آپ کو مطلع کرنا تھا کہ آپ ہمیں ہمیں کسی لڑکی کی ہماری قوم کو ضرورت ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں جسے دل و جان سے چاہتا ہوں۔ دو سو کوں پر پیدل پانچویں بھر ہے۔ آپ کو میری فرم میں اسسٹنٹ منیجر کی جاب دی جا چکی ہے۔ آپ کسی بھی ایجنسی میں پٹا کرنا کام شروع کر سکتی ہیں۔ تجربہ آپ کو کوڑا دلو دیا جائے گا۔

آپ کی آمد کا شدت سے منتظر رہوں گا اور امید کرتا ہوں کہ آنکھ ملاقات مکمل دیر سے ہوگی کیونکہ میں ادھر جاؤں دیکھنے کا مادی نہیں ہوں۔ اب آپ سے آٹس میں ہی ملاقات ہوگی۔ کارڈ پر مکمل پتہ دیتا ہے۔

آپ کی آمد کا شدت سے منتظر

”محمد احمد“

جب ہی ابھنن ہو رہی تھی۔ وہ کہہ کر آیا ہے احمد کہاں سے آیا اس کی زندگی میں۔ وہ کیوں بھلا سونگ کی جاب چھوڑ کر؟ ”مگر حیات انتہی پر انکڑ“ میں جاب کر رہا تھا۔ اسے تو تنہا کھانا کھانے پر بھی نہ تھا۔ نہ ہی اسے بڑھئی کی ”الف ب“ معلوم تھی۔ پھر بھی یہ احمد اسے کیوں اتنا بڑھکشی عہدہ آفر کر رہا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ جسے میں دل و جان سے چاہتا ہوں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ وہ سو کوں پر پیدل کوئی بھرے۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی سواری کی بھی آفر ہے۔ چھپتا ہے محمد اور خاندان کا مستقبل نا ناگ ہو سکتا تھا لیکن اس نے تو ابھی تک اور کوئی بھرے بھی نہ دیکھا تھا اور احمد کا بھی بیٹھنے میں حال تھا۔ اس نے بھی

محمد کو یہ کیا تو کتاب چار مکمل چار میں ہی دیکھا تھا۔

یہ احساس بڑا خوفناک اور ہوتا ہے کہ کوئی آپ کو چاہے۔ آپ کو احساس ہوتا ہے کہ اس نفرت اور لڑائی کشی کی دنیا میں بھی کوئی آپ کا طالبگار ہے۔ محمد چھٹی حسین اور خوبصورت تھی، کوئی بھی اسے اپنے دل کی مہربانی دلا سکتا تھا۔ چلتے چلتے اس میں گن سے کوئی بھی ماں اسے اپنے بیٹے کے لیے بھوکے صورت میں جان سکتی تھی۔ مگر وہ کسی کی بھوہا کسی کی بیوی نہیں بن سکتی تھی۔ کیونکہ وہ خیر بھی اور غربت و مفلسی سب سے بڑا اور ناقابل معافی جرم ہے۔

اسیر کو کوں کو غربت کی جنگ میں پہنے ہوئے لوگوں کو کچھ کر دیتا تھا احساس ہوتا ہے کہ اس معاشرے میں بھرم بڑھ گئے ہیں۔ کیونکہ ان کی نظر میں غربت کی سطح سے بھی نیچا زندگی گزارنے والا گندمی نالی کا کیڑا ہے۔ جو غربت اور افلاس کی گود میں پل کر جوان ہوتا ہے اور پھر جرائم کی دنیا میں ڈھیر پھینکا کر اس پر ان میں معاشرے کے لیے ذہریلا ناسور بن جاتا ہے اور ناسور سے ایسے نفرت سی کی جاتی ہے کہ لکھ لکھ ملا لگتا ہوتا ہے۔

محمد خیالات کے تانے بانے بن رہی تھی۔ وہ اب بھڑ میں جھکا تھی۔ ”کیا کر رہے؟“

مگر خاندان کے مستقبل کی طرف دیکھتی تو سوچتی کہ احمد صاحب کی نوکری کر لینا چاہیے۔ کیونکہ اصل میں ”تجیم“ تو وہ تھا۔ محمد تو بھلا اور دانشور تھا اس کا پورا تھا تھی۔ بس زندگی کے کسی بھی موڑ پر خاندان سے نہ کہے کہ اگر اس کے والدین زندہ ہوتے تو اسے کسی سچی کی محسوس نہ ہوتی۔

اب خاندان کی ماں اور باپ بھی کچھ محمد تھی اور والدین بننے کے بعد ہر ماں باپ اپنی اولاد کی بہتری کے لیے ہی سوچتے ہیں اور ان کی خاطر اپنے ہڈ بات و احساسات کی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ لہذا محمد نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے بھائی کے مستقبل کے لئے اپنی اتنا کو پس پشت ڈال کر برقرار رہنے لگے۔ وہ احمد کی فرم میں جاب کرنے کے لیے تیار ہو رہی تھی لیکن سکول کی جاب ابھی نہ چھوڑنا چاہتی تھی۔ پتہ نہیں احمد کو کام پسند آئے یا نہ آئے۔ کیونکہ وہ اس وقت لفظ میں بالکل نا آزاری تھی۔

لیکن کام نہ پھندا وہ اپنی کوئی بات نہ تھی۔ کیونکہ احمد یہ بات ابھی طرح جانتا تھا کہ محمد کو بڑھکشی تنہا کھانا کھانے پر بھی نہیں ہے۔ پھر بھی اس نے محمد کو آفر دی تھی۔ دو شاہی برکرا سے اپنے خیر و بد دیکھنا چاہتا تھا، لیکن ابھی تک محمد کے دل میں کوئی ہڈ نہ نہ ختم لے سکا تھا۔ جسے احمد کی بھوری کا دھوکا مل سکا۔ یہ تو خالصتہ کم ہونے پر ہی معلوم ہو گا۔

"میرے خیال میں ماں بی سے منظور کر لیا جاتا ہے۔" اس نے غوری خود سے ہات کی۔ یہ کنگ انہیوں نے خاندان کے سلسلہ میں اس کی بہت مدد کی تھی اور ویسے بھی وہ جہانم جہ عورت تھیں۔

"لیکن سر سامنے میں انہیں تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے غوری اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ "ہر کسی کے اپنے بھی کئی مسائل ہوتے ہیں۔ اپنا کام ہے۔ غور ہی کرتا چاہئے۔" اس نے فرم میں جاب کرنے کی ٹھان لی تھی۔

انگھے وان اس نے سکول میں ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست دے دی کہ وہ ضروری کام سے نہیں جاتی ہے۔ لہذا اسے ایک ماہ کی رخصت مل گئی۔ وہ تیار ہو کر ایک عجیب سی گھبراہٹ کے ساتھ آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔

"یہ سب کچھ کس کے لیے کر رہی ہو؟" آئینے کے اندر عکس ہوئی عصمہ نے باہر کھڑی عصمہ سے پوچھا۔

"خاندان کے لیے۔" اس نے مختصر سا جواب دے کر اسے ٹھکانا چاہا۔ مگر بھرپور سوال کیا گیا۔ "اس نے تو تم سے کوئی تھنا نہیں کیا۔ پھر یہ اتنی ہی پٹیاں کھا چکا کیوں؟"

"وہ ابھی اتنی بہت نہیں رہی۔"

"تمہارا احمد سے کیا رشتہ ہے؟"

"وہی بھائی کا بچا ہے اور کمرے سے ہوتا ہے۔"

"ابھی تو وہ تمہارا بھائی نہیں تھا ہے۔ پھر اپنے آپ کو اور کئیوں کہہ رہی ہو؟ ہو سکتا ہے وہ تمہیں وی بیٹھ کر دے۔"

"وہ دھیرے وی بیٹھ نہیں کر سکتا۔" اس بار اس کا لہجہ کٹر اور سادھا تھا۔

"تم تو کبھی پہلے کھاب باہر نہ لگی تھی؟"

"اس نے کہا ہے۔"

"صرف اس کے کہنے پر ایک کام منہ کی خلاف ورزی کرنے جا رہی ہو؟"

"میں ایسا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ مگر آج کے دور میں جیوری ہے۔ خدا میری اس جیوری کو اپنی رحمت سے دور کرے گا۔" وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔ اپنے سینوں بعد اس نے خود کو غور سے دیکھا تھا۔ حالانکہ جس کے لیے وہ خود کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ ابھی تک اس نے غور سے نہ دیکھا تھا۔

وہ مگر کوئی لگا کر باہر نکل آئی۔ کارڈ اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ چاہے ایک بار پھر نہ

کے بعد اس طرف جانے والی بی بی پر سوار ہو گئی اور حلقہ بڈنگ کے سامنے اتر کر سڑک کے ساتھ لڑکھانے کی جانب دوڑا۔ تقریباً پانچ منزلہ عمارت ہے اس کی گردن نیچلی کر دی تھی۔ دو سنگ مرمر کے ڈسینے کے کمرے میں گیت پڑھتی تھی اور ویسے بھی اس کے لیے المونیم سے بنا ہوا ٹیبلٹ کارڈ ہوا گول کر اسے اندر جانے دیا۔ اندر داخل ہوتے ہی سامنے سنگ مرمر سے بنا ہوا کاذو نظر تھا۔ جس کے پیچھے ایک نو جوان اور خوبصورت لڑکی کھڑی تھی۔ وہ یہی جی اس کی طرف بڑھتی اور کارڈ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"فرمانے میں آپ کیا خدمت کر سکتی ہو؟" لڑکی نے خوبصورت مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا تھا۔

"مجھے احمد صاحب سے ملنا ہے۔" اس نے سنے ہوئے کچھ میں کہا تھا۔ وہ گھر سے مستحق سٹوار کے لیے جی کڑا کر کھلے تو آئی تھی۔ مگر اتنی ہی فرم اور پھر باس کا یہ دھڑکی کر وہ اسے چاہتا ہے اسے تڑپ کر کرنے کے لیے کہا تھا۔

"آپ کا نام۔"

"مختصر سامعہ سا سوال۔"

"عصمہ۔"

"مختصر سامعہ سا جواب تھا۔"

"آپ ایسا کریں۔ یہاں سے دائیں ہاتھ راہداری میں چلی جائیں۔ آخری سرے پر بائیں ہاتھ پر احمد صاحب کا آفس ہے اور وہ اس وقت کارڈنگ میں ہوں گے۔" لڑکی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بتایا۔ وہ کارڈنگ کے راہداری میں چلی چلی۔ بڈنگ باہر سے چلی خوبصورت تھی۔ اندر سے بھی اتنی ہی شاندار تھی۔ بنانے والے کی نفاست ہر رنگ سے جھلک رہی تھی۔ وہ ڈری وری اور سبھی ہوئی راہداری کے آخر میں پہنچی تھی۔ اس نے بائیں ہاتھ کے آخری کمرے کو دیکھا جسے آفس کی شکل دی گئی تھی، لیکن ٹیبلٹ ہی ایسے تھے کہ باہر سے جگہ بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ اس نے دروازے کے ساتھ دو دروازے پر دو سنگ دی، لیکن اندر سے کوئی آواز نہ پڑا۔ وہ دروازے پر بٹان دبوکی۔ اس نے دوسری بار دو سنگ دی۔ مگر بازو جواب نہ دیا۔ دروازے کی بات تھی۔ وہ دو کچے ہاتھوں سے دروازے کے پینڈل کو گھما کر اندر داخل ہوئی۔ اس کی ہجرت سے زبان اور زبان کاٹ بے کار ہو کر وہ گئے کرا گھاپ کے پتھروں سے مہک رہا تھا۔ خوبصورت نیپل پر رکھے گئے گھداناں میں تازہ پتھروں کی مہک نے اور کمرے کی خوبصورتی سے لگی ہوئی ہر چیز سے عصمہ کو کھینچ کر دیا تھا۔ نفاست اور ہر اچھی چیز کی قدر دانی نے اس کمرے کے کھینک کو بہت واضح طور پر عصمہ کے سامنے واضح کر دیا تھا، لیکن انہوں نے اس کمرے میں کوئی بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ راج انوکھ چیز کی خالی پیڑی ہوئی تھی۔

لیکن نہ جانے اسے برا احساس کیوں ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی ابھی ابھی اس کمرے سے اٹھ کر گیا ہو اور وہ آنکھیں مسٹل اسے دیکھ رہی ہوں۔ مگر ایسا کچھ بھی نہ تھا۔ اس نے کمرے کے چاروں طرف دیکھ لیا تھا۔ کوئی ذی روح اپنے نظر نہ آ رہا تھا۔ بھیل کے دفائی طرف ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ چرک ٹاپ ٹو ڈائل ہوگا۔ ہو سکتا ہے کمرے والا ڈائلٹ میٹر ہو۔ وہ ادھر ادھر نظر دوڑاتی ہوئی۔ بھیل کے سامنے پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی گھبراہٹ اور پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ ابھی دیر میں کمرے سے ملحقہ دروازہ کھلا اور اندر داخل ہونے والے کو وہ پہچان گئی۔ "وہ وہ لڑکا تھا جو اسے موٹر بائیک پر دیکھنے آتا تھا اور علی گڑھ بھی لکھتا تھا۔ آج تو مصعب اس کی شخصیت دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ وہ گری سوٹ میں لباس پر کشش اور ہڈیاں رنگ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بھیل کے دوسری طرف دنگی ہوئی رہی اور الونگ بیچر پر بیٹھ گیا۔ اب مصعب اور وہ ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ مگر مصعب کی نگاہیں ابھی ہوئی تھیں۔ جبکہ اس کی نگاہیں مسٹل مصعب کے خوبصورت چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ سیکھ لیا تھا ایسے ہی گڑبگڑے۔ وہ شرمندہ حیا سے دو چہرے ہوئی پارہی گئی۔ وہ سمجھ نہ پاری تھی کہ کیا بات کرے حالانکہ وہ مسائل بن کر آئی تھی۔ لیکن کسی کی نگاہوں کا مرکز بن کر رہ گئی تھی۔

اس کے کھڑکھڑانے کی آواز پر وہ بھی مسٹل کر بیٹھ گئی۔

میری سوچ میری طلب کا محور ہے  
منزلتیں قرب ہیں کہ میرا ہمسفر ہے  
روٹی تھمے یہ سورتیں چاند ستارے  
ایسی چمک اور ایسا روپ غم ہے ٹو

لفظ آنکھوں کی گہرائی ہی مات جھیل کو دے  
اسے بھر حسن خود سے ہی ہے خبر ہے ٹو

ابھی کی آواز نے اس کے گالوں پر مزید سرفی بکھیر دی تھی۔ اس کی شاعری کا مرکز وہ محور مصعب ہی تھی۔ مگر سب سے پہلے جاننے والے خطہ میں بھی اس نے مصعب کے حسن کی تعریف کی تھی اور اپنی خواہشات کا بھی اظہار کیا تھا۔ وہ ایک بڑا بڑا یں میں تھا اور شاعری بھی کرتا تھا۔ کرتا تو چاہے نہ ہو۔ مگر شغف ضرور تھا۔

ان دیکھے حسن کو دیکھا تو دیکھا نہ گیا  
وہ بھی چاہتے تھے مکھ پر ہولا نہ گیا

"جی افرامیے۔ میں آپ کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" ٹائپو گرافر ایسی کچھ میں بھی نہ آ رہا تھا کہ وہ بات کہیں سے شروع کرے۔ حالانکہ اس نے خود ہی مصعب کو جاب کے لیے آفر کیا تھا۔ اسے گمان بھی نہ تھا کہ وہ اپنی حسین ہوگی۔ اس کا بھی فردس پر یک ڈاکون ہو رہا تھا۔ مصعب نے وہ کارڈ اور اپنی استاد امہ کے سامنے رکھ دی۔ "مجھے اس فرم میں جاب کے لیے آفر کیا گیا ہے۔" اس نے ہمت کر کے بات کہہ دی۔

"جس نے آپ کو آفر کیا ہے۔ اس نے آپ کی استاد اور قابلیت کی بنا پر آفر نہیں کیا۔" امہ نے اس کی استاد اور کارڈ کو آٹھ گنا کر دیکھا اور ہاتھ سے اس کی طرف دھکیل دیا۔ "حق آپ کو کام کے لیے آفر کیا گیا ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کو مارکیٹنگ اور بزنس سمجھنا کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔"

"لیکن میرے آفر میں اس چیز کی کمی بھی اہمیت کا ذکر نہیں ہے۔" وہ کہہ رہے تھے اعزاز میں بیوی۔ ایک بار تو اسے ایسا لگا کہ وہ قلعہ جگہ پر آگئی ہے، لیکن دل کی سہ قلم دھڑکن کہہ رہی تھی کہ وہ صبح جگہ پر پہنچا وقت پر پہنچ گئی تھی۔ وہ دیکھو قف کے بعد بیوی۔

"اگر مجھے کسی کام کے لیے آفر نہیں کیا گیا تو۔۔۔ بھر میرا کیا کام؟" وہ اٹھ کر اپنی استاد اور دوسرے ڈاکونٹس سیٹھ گئی۔

"ابھی میری بات ختم نہ ہوئی اور یہ خلاف اصول ہے کہ آپ میری پوری بات نہ سنیں۔" وہ بھی اس کی اس حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ "پلیز تحریف نہ کریں۔" وہ چارواں چار بیٹھ گئی اور فکر کرنے لگی کہ ابھی سکول کی نوکری نہیں چھوڑی تھی۔ ورنہ مگر کاچا لہجہ بالکل زندہ ہو جاتا۔

"کیس کیس کی آپ؟۔۔۔ چائے۔ کولڈ ڈرنک۔ کائی یا پھر مکھ اور۔"

"پلیز سر۔۔۔؟" اس کی چیخنی پر مودار ہونے والے پیچھے کے قطرہوں نے اسے حریفوں کی گرد کیا تھا۔

"میں آپ کا سر نہیں ہوں؟" اس نے مختصر جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی انوکھ کام کی گھنٹی نے امہ کو متوجہ کیا۔ دوسری طرف سے کچھ بات سن کر اس نے اس کے کہہ کر فون نہ کھوایا۔ "آپے پلیز۔" وہ دھڑکی سے اٹھتا ہوا بلا ڈاکون اس نے کمرے میں ملحقہ دروازے

کی طرف اشارہ کیا تو عصمر دھکتے والے انداز میں اس کی طرف جھرت سے دیکھنے لگی۔  
 ”آپ کے ذہن میں شاید یہ ٹو اٹھ کا دروازہ ہے۔“ وہ طعنت سے انداز میں  
 مسکراتے ہوئے بولا۔ ”مگر ایسا کچھ نہیں ہے۔ تو اٹھ کا دروازہ آپ کے پیچھے ہے اور  
 یہ اس کے پیچھے ہاتھ دے کر ہے۔“

عصمر چاروں طرف نگاہیں ڈال کر اس کی بڑی ہی اس چھوٹے سے دروازے سے داخل  
 ہوئی تو جھرت سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ بلکہ اسے خوف تھا کہ اس کی آنکھیں  
 شدت جھرت سے پھٹ ہی نہ جائیں۔ وہ ایک بہت بڑے ہال میں کمرے میں تھی۔ جس میں  
 دونوں طرف بڑی بڑی اونچی دیواریں بنی ہوئی تھیں۔ فرم کے تمام دروازے پر اعلیٰ درجہ ہاں  
 پر حاضر تھے۔ اس نے اپنے آپ کو دیکھا تو وہ ایک کچھ لڑکتے ہوئے لڑکے سے ملے۔ جبکہ باقی تمام  
 لوگ چھٹ پھٹے تھے۔ ان کے پاؤں کے نیچے وہیل چاکرین بچھا ہوا تھا۔ عصمر انہی سوچوں  
 میں غرق تھی کہ اس کے سر پر ہولوں کی چٹائی کی پارٹ ہوئے تھے۔ اس نے اوپر کی طرف دیکھا  
 تو یوں لگتا تھا کہ کوئی چھت پر سے پھول برس رہا ہے۔ وہ اس انتظار اور طریت کے لیے  
 تیار نہ تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہال میں کمرے سے ملنے کے تمام لوگوں نے تالیاں بجا کر اسے  
 ”خوش آمدید“ کہا۔ اس نے گھبرا کر اچھ کی طرف دیکھا۔ تو اس نے گھبراہٹ سے بچانے والے  
 انداز میں قہرنا سا جھک کر اس کی جھرت کو دھت کیا۔

اب چچاں برتاؤ ہو گیا تھا۔ وہ جھرت و استعجاب کی تصویر بنی وہیں کھڑی تھی۔  
 جبکہ اچھ آگے بڑھ کر اس کے پیلوں میں اکڑا ہوا۔ کئی در کرنے ان کی بہترین تصویر بنائی۔  
 عصمر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ مگر وہ مسکرا رہا تھا۔  
 ”ساقیو! آپ کو معلوم ہے کہ اس فرم کو ایک ہونہار اور باصلاحیت منیجر کی ضرورت  
 تھی۔ جس عصمر اس ڈیپارٹمنٹ پر پوری اتاری ہیں۔ لہذا آج سے یہ آپ کی سربراہی ہے  
 کچھ کمزوریاں اور کمزوریوں کی اور خطیر مبین جیسے قائل اور ہونہار شخص کی بدولت  
 اس فرم کی تعمیر و ترقی میں ہر پروردگار اور اگر میں کی۔ آپ سب کا بہت بہت شکر ہے۔“  
 وہ دوا دارہ اچھ کے ساتھ اسی دروازے سے واپس آئیں اس کی آئی تھی۔ وہ اپنے  
 انتظار اور اس حرام کو نہ کی جھرت سے بھلا تھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں چمکنے والے آنسو شاید اچھ  
 نے بھی دیکھ لیے تھے۔

”جس عزت اور ذات اللہ کی طرف سے ہے۔ ریف اور راحت بھی اللہ کی طرف  
 سے ہے۔ تو اچھ اسے پاس تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔“ اچھ نے اسے لٹو کر

”صرف میرے لیے بیٹا ہو گا۔“ وہ بخور سے لہجے میں بولا۔ ”میں سوائس جواہریں  
 میں وقت بہا کر کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ جس عصمر آپ کو اچھی نظر آتا ہوں کہ اب میری  
 زندگی مکمل ہونے والی ہے۔ آپ کی آمد نے میرے وجود کو مکمل ہونے کی تصدیق کر دی  
 ہے۔ میں تم سے عشق کرتا ہوں۔ اسے میری خود مرضی سمجھ لو یا میری صحت کی انتہا۔ اس سے  
 بظاہر پتہ چلے گا کہ میرے پاس کوئی نہ تھا۔“  
 ”مشق کرو اور دے کر نہیں حاصل کیا جاتا۔“  
 ”تھوڑا آپ کو آپ کی قابلیت کی ہے۔“  
 ”جین میرے پاس تو کوئی بھی جوا نہیں ہے کہ میں آپ کی فرم میں بطور قائل و در  
 کام کرتی رہوں۔“

”آپ کی یہی قابلیت ہے کہ آپ نے مجھے لا جواب کر دیا ہے۔“ فون کی گھنٹی نے

لے دعا کرو اور باتھا۔ کوئی کاروبار میں غمزدار نہ رہے اللہ کے حضور شادی سے اجازت  
 کرو اور باتھا۔ غرض کہ طرح طرح کے مسائل تھے۔ جن کا وہ ہر روز مناسب اور بہترین  
 جواب دیا کرتے تھے۔ لوگوں کو ان کی پریشانیوں کا حل قرآن حکیم کی روشنی میں بتاتے تھے۔  
 لوگ فیکس کی جہازیں بھر کر ان کی حویلی سے جایا کرتے تھے۔  
 "شاہ ولی" ایک سربراہ آگے بڑھا۔ اس نے حقیقت سے شاد صاحب کے ہاتھوں کو  
 چومنا شروع کر دیا۔

"اچھا مسئلہ بیان کرو۔" شاد صاحب نے ذرا سے تردد کے بعد اپنے ہاتھ پیچھے کھینچ  
 لیے۔ "مجھے اس دکھاؤ کہ اور چاہیسی سے نفرت ہونے لگی ہے۔"  
 "شاہ ولی امیر مسئلہ بہت عجیب ہے۔" اس آدلی کے لہجے میں ڈرا اور خوف کا فضا  
 نمایاں تھا۔

"اچھا بات کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری پریشانی دور کرے گا۔"  
 "شاہ ولی اگر تشریف لے جاتے تو اس کی صحبت میں بیٹھ کر شراب پی لی ہے۔"  
 "لوگ اس کی بات سن کر اسے دیکھنے لگے۔" "صاحب کی رو سے میرے لیے کیا حکم ہے؟" وہ  
 آدلی رونے لگا تھا۔  
 "کیا تمہیں ظم تھا کہ جو شراب تمہیں پلایا جا رہا ہے، وہ شراب ہے؟" شاہ ولی نے  
 پوچھا۔

"نہیں سرکار" اس نے روتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے تب پتہ چلا جب میں اوش  
 دواس سے بچاؤ ہو گیا تھا۔"  
 "اللہ بڑا منظور و رحیم ہے۔" شاہ ولی نے کہا شروع کیا تو لوگ ان کی طرف مزید  
 توجہ ہو گئے۔ "مفتویٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دنیا میں شراب پی لی اور  
 بارگاہِ نبوی نہ کی۔ وہ آخرت میں شراب پیوے گا۔" شاہ ولی کچھ دیر کے لیے  
 خاموش ہوئے۔

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی شب جب بیت المقدس کے مقام پر تھے  
 تو آپ کی خدمت میں دو بیالے قبیل کیے گئے۔ جب آپ نے ان کی جانب توجہ فرمائی تو ان  
 محبت سے ایک میں دو دو تھوڑے دوسرے میں شراب تھی۔ آپ نے دو دو بیالے کے کڑاؤں فرمایا  
 تو حضرت جبرائیل علیہ السلام عرض گزار ہوئے کہ سب تمہیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے  
 نعمت کی جانب آپ کی راہنمائی کی۔ آپ کو جہانیت فرمائی، اگر شراب کا بیالہ پیئے تو آپ کی

اسے ایک بار پھر اپنی طرف توجہ کر لیا تھا۔ اس نے ریموڈر اٹھایا اور کچھ سننے کے بعد  
 "لوگ" کہہ کر رکھ دیا۔

"مگر آپ نہ ان میں تو بی بی میرے ساتھ کیجئے۔" اس نے اچھٹے ہوئے اپنا دایاں  
 ہاتھ مصمم کی طرف بڑھا دیا۔ بہت سوچ بچار کے بعد لرزے ہوئے اور دھڑکنے والے  
 ساتھ مصمم نے بھی اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ احمد نے مصمم کا ہاتھ تھام کر گویا جھلی  
 فشاری سے اس کی روح سرشار ہو گئی ہوگی۔ دل دھڑکا گیا۔ ہونٹ کچپکا کر رہ گئے۔ ہاتھ لرز  
 رہے تھے۔ لیکن ایک دوسرے کا ساتھ دیا گیا رہے تھے۔

کچھ لمبی قسمت ہوتا ہے وہ انسان۔ جسے کن چاہی سرا دل ہائے۔ بغیر کسی تنگ دو دو کے  
 مگر یہ ان چاک کے بغیر اور بغیر دھلی کھانے سے ان کا تپ نہ لیا تھا۔ وہ اس عطا ہر دل ہی  
 دل میں رب کریم کے حضور جھک گیا تھا۔ کیا کیفیت مصمم کی تھی۔ اسے اس بات کی خوشی اور  
 غماری تھی کہ اسے چاہئے والا صرف سے چاہتا ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی پرستش بھی کرتا ہے۔

شاہمار گاڑی میں دو فرسٹ سیٹ پر احمد کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ جب سے لے کر  
 ڈوبی ہوئی مصمم اپنی قسمت پر رشک کر رہی تھی کہ ایسی گاڑیاں اس نے سرف سڑکوں پر ہی  
 دیکھی تھیں۔ اندر سے کھلی بار کچھ نہ دیکھی تھی۔ بلکہ وہ اس گاڑی میں سوار بھی تھی۔ اس کی خوشی  
 دو چندی تھی۔ وہ ایک جیسے ترین ہوش کی پارنگ تھی۔ جب وہ گاڑی سے اتری۔ دروازہ احمد نے  
 کھولا تھا۔ اس نے "مفتویٰ کریم" کے ہاتھ میں جھکی تھی۔ وہ احمد کے ساتھ چلتی ہوئی اوش کے میں  
 گیسٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جبکہ اندر سے تیزی سے نکلنے والے اوش احمد سے ٹکرا کر گیا۔ وہ  
 ہوش کے بین انٹرنس پر کھڑے تھے۔ گرنے والے شخص کو اوش نے آگے بڑھا کر اپنا ہاتھ مصمم کی  
 قوت سے دیکھ کر حیرت سے بیچ لگی تھی۔ جبکہ احمد نے اسے اٹھا کر نفرت سے پرے دھکیل دیا۔  
 گرنے والے نے احمد کی نفرت کا جواب تو نہ دیا۔ بلکہ مصمم کی طرف حیرت سے دیکھا رہ گیا۔  
 احمد اور مصمم اندر داخل ہو چکے تھے۔ جبکہ گرنے والا غمراں اپری بیڑیوں پر چھب کھڑا تھا۔  
 وہ مصمم کو اوش کے ساتھ دیکھ کر اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆=====☆

سید رشید حسین بخاری اپنی حویلی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے گرد مزید کن کا  
 تھا۔ وہ اپنی طبیعت اور سماج کے باعث حسب معمول مزید کن کے ساتھ ہی زمین پر بیٹھے  
 ہوئے تھے۔ لوگ ان سے دہن اسلام کے متعلق سوالات کر رہے تھے اور وہ اعادہ  
 مہار کی روشنی میں ان کے جوابات دے رہے تھے۔ کوئی بخاری سے تکرار نہ ہونے کا

تھا۔ اس نے صبح ہی فون کر کے شیخ عمر حیات کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ اس کے خلاف تمام شہادت لے کر عدالت میں جائے گا۔ کیونکہ اسے حلف تھا کہ پرامنہ نہیں ہے۔ شیخ عمر حیات نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ کیا جانتا ہے؟ جواب میں فرغان نے اسے دو پتھر کا اس لوہی میں پٹے کو کہا تھا۔ اب وہ دونوں آٹنے سا پٹے بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک باپ اور ورکر کی حیثیت نے اب دشمن داری کا روپ بھاریا تھا۔ اس لوہی میں طاقت کے لیے فرغان نے یہ وجہ بیان کی تھی کہ شیخ عمر حیات انکو اس جگہ آج رہتا ہے اور فرغان بھی اس کے ساتھ ہوتا تھا۔

غیر نے فرغان کی عقل دیکھتے ہی اسے کرا آخر کر دیا تھا۔  
 "تم نے بہت زیادتی کی ہے۔" فرغان نے پہلی کی۔ "اگر میرے علم میں ہوتا کہ تم انتہائی گھٹیا الزام سے میری کمال اتراؤ گے تو جتن کر میں تمہاری نام نہاد دیکھری کو آگ نہ لگانا بکثرت تمام غلیہ اول کر رکھا کہ نا دیتا جو میری نظر میں ہیں اور اگر ایسا ہو جاتا تو شیخ عمر حیات سڑکوں پر بھیک مانگ رہا ہوتا۔" اس کے اندر کی گری اس کے لیے میں لہا بی تھی۔  
 "ابھی تک میں نے کوئی ایسا حال نہیں دیکھا جو شیخ عمر حیات کو بھیک بھگوانا سکے۔" وہ بھی غصہ میں آگ بھول اور ہاتھ بٹا تھا۔ "تم کیا ہو؟ تمہاری ادھارت اور حیثیت میری نظر میں ایک کزور بھجری کی ہے۔" وہ گری سے غصہ کرکڑا ہو گیا تھا۔ شاید اسے جذبات پر کنٹرول نہ کر سکا تھا۔  
 "حق اور سکون سے شیخ شیخ۔" فرغان نے دست پر سکون تھا۔ "مجھے بھجری کر خود کو فرو ثابت کر دیا ہے۔ تم وینا کیا ایک دن بھی کزور بھجری تہا رہی نہ ایک منگس کر اس معاشرے سے جس میں "پتھرول" کروانے گا۔"

"میں کہتا ہوں کہ۔۔۔" شیخ نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اپنی زبان باندھ لی۔ مگر فرغان نے غصہ سے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

"میری بات پوری ہونے سے پہلے اپنی کہنے والے بہت کم ہیں۔" وہ بھر بولا۔  
 "میں کہہ رہا تھا کہ جب تمہیں پتھرول ہوگی۔ تمہارا یہ نام نہاد اور دھوکہ باز "چرو" تمہیں بھانے لگے گا۔ آئے گا۔ بلکہ یہ بھی تمہاری ایسی پتھرول کرے گا کہ تمہاری ذاتی کی بھی ذاتی نہیں یاد آئے گی۔"

شیخ اپنے غصہ پر قابو کرنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "ہر لنگے سے پہلے ہی جراثیم لاپے۔ وہ بہت جلد تک کر کر جاتا ہے اور لیے بھی "ہر" ہوں یا نہ ہوں۔ رہتا رہتی رہتی اپنے کر سانس نہ چھو لے۔ شیخ عمر حیات کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کے لیے پہلے اپنا ہاتھ اس کے برابر کرلو۔" وہ سکرانے لگا تھا۔ شاید غصہ پر قابو پا کر وہ بھی فرغان کو نفسی جنگ میں مات

است گراہ ہو جاتی۔ "کیونکہ وقت کے بعد شادی بھی ہوئے۔" حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی حدیث سنی ہے جو مجھیں میرے ہوا کوئی نہیں بتا سکا۔ فرماتے ہیں کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ علم گھٹ جائے گا۔ جہالت غالب آجائے گی۔ زمانہ عام ہو جائے گا اور شراب بھی پی جائے گی۔ سردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت ہوگی یہاں تک کہ بچاں کو لڑکوں کا ٹھکانا آجائے اور مرد ہوگا۔ "یہ کہ شادی رنگ لگے۔ وہ شخص مسلسل دور بافتا۔ جبکہ حاضرین پر بھی سخت غاری ہو گیا تھا۔

"اگر تم نے جان پر جو کر شراب نہیں لی۔ پھر بھی رب کریم کے حضور مجدد و رب ہو کر دل کی گہرائی سے توبہ کرو۔ میں بھی تمہارے لیے دعا کروں گا۔ وہ بڑا طور و رسم ہے۔ جس میں اپنے گناہ کا احساس ہونا بھی کافی ہے۔ جانا اللہ تم پر رحمت کرے گا۔"

شاہی پھر لوگوں کو سماں اور ان کے صل کے حلقہ بخاری شریف کی حدود کا حامل دے کر کھانا لگے۔ انٹیلیٹک دستور شاہی کے کندھے دبانے کے لیے اپنا معمول انجام دے رہا تھا۔ لوگوں نے بہت کم دیکھا تھا کہ وہ کسی سے بات کرتا ہو۔ بس وہ بھی بکھار وحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہوئے اپنے آنسوؤں پر قابو نہ کر سکتا تھا۔ لوگوں نے اسے اس کیفیت میں قرار دتے ہوئے دیکھا تھا۔ انہوں نے بھی بھی اس کے علاوہ اسے اور کسی کیفیت میں نہ دیکھا تھا۔ شاہی کو کوئی بھی کام نہ دیتے وہ اچھا دلچسپ اور خوراس کام کو انجام دینے میں مصروف ہو جاتا تھا۔ لوگ اسے شاہی کی بچکانہ سے ادا جانتے تھے اور ذاتی تمام سر پر بھی ایک دوسرے کو اسے حوالہ سے جانتے تھے کہ وہ شاہی کے سر پر ہیں اور انہیں میں دیکھ بھال ہیں۔ کیونکہ اگر انہوں میں رجحان ہو تو دعوہ کو اپنے ہی پوجہ سے گرنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی طرح شاہی نے بھی اپنے سر پرین کو ایک دوسرے کے لیے دکھ سکھ میں کام آنے کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ جیسے اور صاحب حیثیت سر پریتھے۔ شاہی کے فرغان کے مطابق وہ اپنے غریب پر ہاتھوں کی "خدمت" کر دیتے تھے۔ کیونکہ عادت اس مقام اور مرے تک نہیں پہنچا تھی جس پر آپ کو غریب کی خدمت پہنچا دیتی ہے۔ شاہی مجمع سے اٹھ کر جانے لگے تو لوگ بھی اسے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن انہوں نے اشارے سے سب کو بیٹھنے کا کہا اور خود اندر حویلی کی طرف بڑھ گئے۔ اندر زان خانے میں بھی عورتوں کے سماں بننے تھے۔

دینا چاہتا تھا۔

”آسمان پر گلاور رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر یہ تو سوچو کہ پاؤں زمین پر ہی رکھنے ہوں گے۔“ غفران بھی پڑے ہاتھوں سے جیسا کہ ہاتھ کر رہا تھا۔ شیخ کی صحبت کا اثر تھا۔ یا پھر اس کا پاپا ایک ذہین اور عقل والے شخص سے پڑا تھا۔

”میری اور تمہاری لڑائی یہی ہے غفران؟“ شیخ نے ہنسنے لگا۔ ”تم کہتے ہو کہ وہ جو عقلی ہے۔ دھوکا ہے۔ فراڈ ہے۔ ناپاک ڈھونگ ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ وہ ایک نیک اور بزرگ مرد ہے۔ اگر وہ دھوکا اور ڈھونگ ہوتا تو کبھی کا رو پار میں ہونے والا شیخ کی مانند ہوتا۔ اس کا مطلب ہے کہ مجھے جو کچھ بھی ملے اس کی بدولت ہی ملے ہے اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی اس کی میرے سامنے برائی کرے اور میں خاموش رہوں۔“ یہ کہہ کر وہ کچھ وقت کر کے پھر بولا۔ ”میں تمہاری خطا اور تمہارا قصور راج بھی معاف کر سکتا ہوں۔ اگر تم اپنی عقلی کی پہچانی سے جا کر معافی مانگو۔ بس امیری اور تمہاری لڑائی ختم۔“

”غفران! انھوں دیکھی نہیں تھی تمہاری خطا۔“ پارک میں شیخ ایک دن سے چاہتی تھا کہ ایسی کچھ بات کرے جس سے اس کا تم جیسے وہ جانتا ہے۔ مگر تمہاری جینیں سے نکلتا ہوا کوئی نہیں ہو گا۔“ غفران نے اپنا دھیرا بھر کر دیا تھا۔

”میں یہاں کوئی تعلق کر نہیں آیا ہوں۔ میری بات غور سے سنو۔“ غفران کی بات سے شیخ کے لبوں پر پھر یہ مسکراہٹ برپا ہو گئی۔ وہ غفران کو چونے والے انداز میں اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں پکیرتے ہوئے بولا۔

”میں تمہارے غفران صاحب۔ بلکہ حاجی غفران صاحب۔“

”ایک مرتبہ اور مگر تمہارے منہ سے نکلا ہے اللہ تعالیٰ مجھے رنج بھی کر دے گا۔“

”غفران! اپنا ذہن کو لگاؤ۔ اسے کربات کرو۔ میں تمہارے باپ کا ملازم نہیں ہوں کہ تمہاری انکوائری سے مجھے اپنے اپنا قیمتی وقت ضائع کروں۔ جو بھی کہنا ہے۔ فوراً کہو۔ ورنہ میں جا رہا ہوں۔“

شیخ عمریات اس کے منہ سے اپنے لیے اتنے سخت الفاظ کا قصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ کچھ بھی تھا وہ تھا تو آفراس کا ملازم نہ ہی۔

”یہ بات تم بھی اچھی طرح ذہن نہیں کر لو کہ اب میں بھی تمہارا ملازم نہیں ہوں۔“ غفران بھی ہنسنے لگا۔ ”میں نے تمہارا بھتیجا بھی تنگ کیا تھا۔ وہ میں نے ایک رات تمہارے میں گزار کر ان کی بارگاہ کریم تک ادا کر دیا ہے۔ تمہارے خلاف اب کبھی میری

ذہن اگر نہ تھی تو اس کی وجہ تمہاری اپنی وجہ تمہارے تعلقات اور تمہارا خوف نہ تھا۔ بس وہی حق تنگ تھا جو میں نے ادا کر دیا ہے۔ اب اپنے جتنے بھی گندے اور غلط کام ہیں۔ وہ فوراً بند کر دو۔ ورنہ تم غفران کو اپنی طرح چاہتے ہو۔ وہ کسی کو جادو کرنے پر آمادہ نہ کوئی تعلقات اور اپنی وجہ اس کے ذہن کو اس کے حق سے نہیں بچا سکتی۔“

”تمہاری اپنی جرات ہو گئی کہ تم مجھے انھیں دکھانے لگے ہو۔ تم جو کہنا ہی کے گندے کپڑے کی کی حیثیت رکھتے ہو۔ میرا احتیاد کرو گے۔ مجھے چاہو کہ بار بار کرو گے۔ جانتے ہو تم جیسے بے غیرت اور غلط اخلاق کو شیخ عمریات کی مدد سے پاپہندگیں کرتا۔“ غفران نے شیخ کی بات سے اس کے منہ سے جھجک اٹھ رہی تھی۔ ”تمہاری اپنی اوقات ہی نہیں ہے کہ تم جیت سوچ رکھو۔ جو کرنا ہے کر لو۔ غفران تمہارے لگاؤ شیخ کا بارود ہی چڑھ گیا تھا۔

”اسپتے لیے کسی دردناک عذاب کو مت پہنچاؤ۔ تم میرے مرض کی توجہ نہ کر رہے ہو، لیکن تم جانتے نہیں ہو۔ وہ بہت چنگی ہوئی ہستی ہے۔“ شیخ عمریات فہم سے بولا۔

”شیخ صاحب! سرگھر رو پڑے ہوئے دانت پاڑ کے تھکنا ہے جو سرنگ ایک گناؤ سے جاتی ہے۔ اسی سے ابتدا کروں گا۔“ جیسے شیخی وار لہر دے رہا ہوں۔ اپنا بھاء کر لے گا اور میں نے جو بھی تمہارے ساتھ وقت گزارا ہے۔ یقیناً غلط اور گناہ کا وقت تھا۔ تم نے رنج کی بات کی ہے۔ اگر اللہ کے موقع دیا تو وہاں جا کر تو یہ ضرور کروں گا۔“ غفران بارہ دفعہ لگا تو شیخ کی آواز سنائی دی۔

”تو بکا خیال! ایچا اور نیک ہے۔ لیکن جو آدمی اپنے گناہوں پر شرمندہ نہ ہو اس کی توجہ اس پر شرمندہ ہو جاتی ہے۔“ غفران نے ایک موقع اور دینا دیا۔ شیخ تو اس کے بعد میری اور تمہاری دشمنی ہو گئی۔“

”میری طرف سے کوئی موقع نہیں ہے۔ بس اپنے دفاع کی تیاری کر سکتے ہو تو کر لو۔“ یہ کہہ کر غفران جیڑی سے سر کے سے لگا تھا اور وہ ہنسنے کی حالت میں ہی باہر احمد باؤ سے نکل گیا تھا۔

وہ غصہ کو کچھانا چاہتا تھا۔ مگر کس ہنسنے اور کس حال سے؟ کہیں کچھانا چاہتا تھا؟ وہ انہیں جان تھا۔ لیکن ایک اچھی لڑائی کو ایک سے لڑنے کے ساتھ دیکھ کر اسے دکھ ہوا تھا۔ اس نے دو کام پھر بھی کر چھوڑ دیے تھے۔ پہلے تو اسے شیخ عمریات کے ایک ٹھکانے پر بیٹھ کر دانا تھا۔ جیسے اسے کسی بھی ٹھکانے میں کوئی آدمی آئے بغیر نہ آتا تھا جو شیخ نے دفتر پر رکھا ہوا۔ وہ شیخ عمریات کو کھینک دے آیا تھا، لیکن اس کو کھینک چھوڑنے کے لیے اسے کافی ساری دھڑلہ پھر گئی اور

بتا بھی وقت صرف ہو رہا تھا۔ میں غفران کا نقصان اور شیخ کا فائدہ ہو رہا تھا۔

اس نے اپنے دماغ کے گھوڑوں کی ریس لگا دی تھی۔ اسے کیا کرنا چاہیے کہ شیخ اپنا مال واپس سے نکال سکے اور وہ اسے جلا کر رکھ کر دے۔ کیونکہ وہ اس الزام کی سزا بھگت چکا تھا۔ اپنی تعلیم اور کونجیوں کا ازالہ کرنے کے لیے اس کے پاس منبری موصوف تھا۔ اس نے شیخ عمر حیات کے ساتھ مل کر گھر گھر اور کئی جلی طرح اس زہر پرورد گم میں خون کی بجائے دودھ ڈیا تھا۔ اسے خود پر ہانپوں ہو رہا تھا۔ کچھ دوا ہو رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ملین کرنے لگا۔ اس کا ذہن مسلسل سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ چنانچہ کافی دور نکل آیا تھا، لیکن ان دن اور دماغ ابھی تک کوئی بھی شے نہ سلجھا سکتے تھے۔

”بہی کی تلاش ہو رہی ہے اندر بھاگو۔ نیکی کی فتنا دل میں ہو تو دوسروں کو دھوکہ کر اس میں شل کرو۔“ اس کے پاس غافلوں میں کئی دور سے شاہ صاحب کی آواز آئی۔ وہ چونک کر ابھر اوجھڑ کھینے لگا مگر یہ اس کا خیال تھا۔

نیکی کس اس رستے پر چلے کے لیے کہ میرا ساتھ دے گا؟

”کوئی بھی نہیں۔“ ایک اور آواز آئی۔ ”کیونکہ تم نے بھی تو کسی کا ساتھ نہیں دیا ہے۔“ یہ اس کے اندر کی آواز تھی۔ جو بیخود مت کر رہی تھی۔

”مصل کے اندر سے بن کر تم اپنی ماں کی باتیں، شاہ صاحب کی باتیں سنی ان سنی کرتے رہے اور آج دھڑام سے زمین پر گر گئے ہو تو تمہیں یہ بھی خوف ہے کہ کل جس آسمان کو چھوئے کی کوشش میں“ میں“ اوپر ہی اوپر جا رہا تھا۔ ہوائی اور صدم کی آغوش کے سنگ اڑتا رہا۔ آج زمین پر دھڑام سے گر اہوں تو خوف آتا ہے کہ کہیں غلامان کی میرے اوپر نہ آ کرے۔ کاش کوئی مجھے باتوں سے بچھانے کی بجائے لائی سے بچھاتا۔ میں شاید کچھ جانتا آج جس اندر سے کوئی نہیں میں گر رہا ہوں۔ نہ کرتا۔“

اس کے اندر اقل جمل ہو رہی تھی۔ اس نے سوچ لیا کہ جو بھی کرتا ہے۔ مجھے اکیلے ہی کرتا ہے کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے گا۔ بس آج رات ہی فیصلہ ہو جائے گا۔ شیخ عمر حیات اب کھینچنے والا نقصان نہیں ان کوں پتے چھادے گا۔ وہ کسی فیصلے پر پہنچ گیا تھا۔

آج رات ہونے کا انتظار تھا۔ بھی وہ اپنے کام کو مٹی جاسد پہنا سکتا تھا۔ وہ دانش پلازہ کی ایک سائینز پر مبنی ہوئی گراؤ فرم ایک درخت کے نیچے چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جب نہانے کو جانے والی سرنگ کا رستہ کون سا ہے۔ گراؤ فرم کے پتوں تلے ایک جھڑ مرلے گز کا بہت بڑا لوسے کا گیت تھا جو زمین کے برابر جا گیا تھا۔ اس کے لیے بے ہوش

ہول میں بظاہر مالی اور صفائی کرنے والا ملتا رہتا تھا، لیکن غفران جانتا تھا کہ یہ سب کچھ عوام کی نظروں کو دھوکا دینے کے لیے کیا گیا ہے۔ اس کے ایک فٹ نیچے ہی چند میز ہیں ان پر سرگ کے دست ہا تھا جو بار کیش عمر حیات کی عمر گھری پر قائم ہوتا تھا۔

رات آدھی ہوئے کو آئی تو اسے اپنے پلان پر چل کر آنے کا موقع مل گیا۔ اب گراؤ فرم میں ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ وہ وہاں سے نکلا، سڑک کی جانب چل واپس۔ وہ وہاں گیا تھا کہ ابھی شیخ کے کاندے کے مال کاٹنے کے لیے آ جا رہا ہے۔ جو کچھ بھی کرتا تھا ان کے آنے سے پہلے ہی کرتا تھا۔ کیونکہ غفران کے علاوہ کسی کو بھی علم نہ تھا کہ شیخ بال کس راستے سے نکلا ہے اور کب نکلا ہے۔ مگر کا بہیڑ لگا ڈھانے والا تھا۔ اس نے سر سرگرد پر آ کر دیکھا تو قریب تک نہ ہونے کے برابر تھی۔ پلازہ کی تمام اینٹیں ان جیس۔ وہ اپنی پوری آپ دہا سے چونک دھک رہی تھیں۔ اس میں مٹی پھیل گئی تھیں کے وقت تھے۔ جو ڈے ایڈز آتے فٹوں میں کام کرتے تھے۔ اب بھی رات کی شفت میں کام ہو رہا تھا۔ غفران نے ایک چمک کال آفس پر جا کر فائر بریڈ کا نمبر لیا اور گھر اہٹ میں بیٹھ لگا۔

”سری جلدی کریں دو تین پانی کی گالیوں بھیج دیں۔ دانش پلازہ میں آگ لگ گئی ہے، سری میری پانی کر کے دے نہ کریں۔ سکتے ہیں بندے اندر پھنسے ہوئے ہیں۔ جی۔“ یہ کہہ کر اس نے ریسپر روک دیا اور فرائی دور دراز کے قاتلے کا نمبر لیا۔

”سری اس سرگرد پر واقع دانش پلازہ میں بم ہے۔ فوراً نکلیں۔ ورنہ بہت نقصان ہو سکتا ہے۔“ اس نے کر لیل دیا کہ دوسرے قاتلے کا نمبر لیا کر لیا۔

”سری۔ سرگرد پر واقع دانش پلازہ میں بم پھنسے میں پانچ منٹ رہے ہیں۔ فوراً نکلیں۔“ اب ڈی آئی کی صاحب کی ہاری تھی۔

فون مانتے پر ڈی آئی کی صاحب کا خلازم ہوا۔ اس نے تھکا کا صاحب گھر پر نہیں ہیں۔ آپ ان کے سوا کچھ پر فون کر لیں۔“ تم خود ہی کر دینا۔ انہیں اطلاع کر دو کہ دانش پلازہ جو کہ سرگرد پر واقع ہے اس میں بم پھٹ گیا ہے۔“ غفران نے ریسپر روک دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فائر بریڈ کا ملتا اور کتنے ہی فتانوں کی پریشانیوں کی اپنی گالیوں کے ہول بھانے ہوئے یہاں نکلیں گے۔ اتنی پریشانی کی سوجھ بوجھ میں شیخ بھی کبھی اپنا مال واپس سے نکالنے کا ریسک نہ لے گا اور وہ آسانی اس کے بال تک پہنچ جائے گا۔ اس نے تمام نمبرز یاد رکھ گئے۔ کیونکہ شیخ عمر حیات سے بات کرانے کے لیے اسے مختلف فتانوں میں کال کرنی پڑتی تھیں۔ اس وقت اسے یہ فصول اور فکروں کا ملنا تھا، لیکن آج ایسی کام آ گیا تھا۔ وہ کال



اٹھس سے باہر لگا ہی تھا کہ اس نے ہاروں کی آواز سن لی۔ جبکہ چارہ دھڑ میں موجود دیکھوں کو بند ہی تھا کہ ان کے ساتھ کمرہ ہونے والا ہے۔

غفران تیر تیر چل رہا تھا، زوہ کے عقب میں گردنوں میں پہنچا تو اسے کوئی ایسی نظر نہ آئی۔ وہ جلدی سے چلتا ہوا ساتھ ساتھ کمرے کے وطنوں پر پہنچا۔ اس نے جب سے صنف چاروں کا گھٹنا لگا کر تازہ کھانا اور لوہے کا بھاری بھر کم پہنچا تھا کہ اسے چپے چھانک لگا دی۔ دوسرے گھٹنوں میں چتا گیا۔ سرنگ میں آئی والی تازہ دھڑ چارہ دھڑ کے سرنگ کی طرف سے رکے ہوئے روشن دانوں میں سے آ رہی تھی۔ وہ تیر تیر چل رہا ہوا سچائی میں پہنچ گیا۔ چار غلوہ نما آ دی تاش کیلئے میں مصروف تھے۔ جو کسی بھی صورت نہ رکھتے تھے کہ کوئی چار تیروں میں ان کے درمیان آ گیا ہے۔

غفران کی مقلدیاں نظروں سے دیکھ کر تھا کہ بال وہیں موجود ہے۔ جبکہ ایک طرف چاروں کے کین بھی موجود تھے۔ جو گڑیاں مال سے کر جاتی تھیں۔ یہ چاروں ان کے لیے تھا۔ تاکہ کوئی بھی گاڑی چاروں ختم ہونے کی وجہ سے راتوں میں نہ جاسے۔ مال کو وقت پر ضرور دینی اور جگہ پر پہنچانے کے لیے سچے سچے تھے جو انتظامات کیے تھے۔ آج اسی کے خلاف استعمال ہونے والے تھے۔ غفران نے ایک استون کے پیچھے چپ کر ان کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ ہاروں کی آواز سے طاقتور کو گھٹنے لگا تھا۔ جو کچھ بھی کرنا تھا۔ ابھی اور اسی وقت کرنا تھا۔ ٹھیل پر چڑھ کر اسے فون کی ٹھکنی سے اسے چنگے پر بگھڑ کر دیا تھا۔ ایک غلطی نے ریسپور اٹھا کر دوسری طرف سے کچھ منظر شروع کر دیا۔ بگھڑ کر دیا تھا۔ اس نے ریسپور بگھڑا۔

”آج رات مال میں لگا لگا جائے گا۔ کیونکہ باہر پولیس ہی پولیس ہے۔ پاس کا فون تھا اس کا پیغام ہے کہ ہم چاروں کی تھوڑی دیر کے لیے بھرنا دھر ہو جائیں۔ فوراً نکلے۔ یہ فیس کا باہر پولیس کس کام سے منع ہو گئی ہے۔“ وہ بھام بھام تہا کہ تہا خانہ سے اوپر جانے والے راستے کی طرف بڑھ گئے جو کہ داخل ڈال کے ایک ستور میں لٹا تھا۔

غفران کا کام عرصہ آسان ہو گیا تھا۔ اس نے لوہے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر سکون کی سانس لی۔ اب وہ اس تمام مفلکت کا اکیلا ہی بادشاہ تھا۔ اس نے چاروں کا کہیں پکار کر کھانا شروع کر دیا۔ دو دیکھن کھول کر اس نے چاروں ان ڈالوں پر بیچنا شروع کر دیا۔ جن میں سلیدر ہر بھر کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے تمام مال کو اگلی طرح بگھڑ دیا تھا۔ اب تجلی دکھانے کی ضرورت تھی۔ اس کے پاس انڈر تو تھا۔ مگر وہ دھر دھر بائیں کی تلاش میں لگا رہا تھا۔ دروازہ پر تھا جو کہ اسے ٹھیل پر چڑی ہوئی تھی۔ اس نے بائیں پکار کر ہاتھوں پر ایک دھڑکی مگر اہٹ نکھیری اور تمام مال کو ٹھیل سے آگ لگا دی۔

اچھی طرح تسلی کے بعد وہ لے گئے قماروں واپس دوڑا۔ کیونکہ سرگ میں دھواں بھرنے سے اس کی اپنی جان کو کبھی خطرہ تھا۔ وہ تیر تیر چلتا ہوا سرنگ کے دھانے پر پہنچا۔ لوہے کا دروازہ چٹکا اٹھا کر باہر لگا اور گردنوں کے مین کیٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ جلدی سے ایک لمبا موڑ لگا کر سرنگ پر دوڑ پھا۔ چارہ دھڑ کے سامنے پہنچ گیا۔ چارہ دھڑ کے تہہ خانہ سے نکلے والے دو جھینے نے پولیس اور فائر بریگیڈ کے مصلے کو اچھا طرف متوجہ کر لیا تھا۔ اس سے پہلے تو جھین کی رائے ایک ہی تھی کہ کسی پہلے نے ان سب کے ساتھ عین نوعیت کا مذاق کیا ہے۔

ہم سکڑاؤ آئے آئی چارہ دھڑ خالی کر دیا تھا۔ تمام مال مین جھان اور پریشان ایک دوسرے سے چپ بگھڑیوں میں مصروف تھے۔ ان کے کام کا حرج ہو رہا تھا، لیکن تہہ خانے سے نکلے والے دو جھینوں نے سرکاری حملہ کے ساتھ ساتھ ان کے اس قیاس پر پانی بھیر دیا تھا کہ یہ کوئی مذاق تھا۔ اب آگ کے شعلے بھی دکھائی دینے لگے تھے۔ جبکہ دروازہ پر بگھڑ چکی تھی۔ دونوں طرف کی ٹریک روک دی گئی تھی۔ فائر بریگیڈ کا حملہ جو کہ سسٹہ روٹی کا ٹکڑا ہو کر واپس جانے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اب پوری ہی دھواں اور پانی کیلئے سے اپنی ڈوبی میں مصروف ہو گیا تھا۔ ہر طرف دھواں ہی دھواں بھڑک رہا تھا۔ جبکہ گارڈ نے وہاں موجود ہر شخص کو جگ پر دو مال رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

پولیس سکڑاؤ وہاں پر منع ہونے والوں کو دور بٹانے پر لگی ہوئی تھی۔ یہ کوئی چنچ چنچ کر اپنی بات کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ روشن دانوں سے ہی اندر پانی پھیلنا جاسکتا تھا۔ دروازہ اور کوئی راستہ تھا۔ جو سچا غرضیات کے رہے سبے مال کو بچاؤ اور پانی سے بچاؤ سکتا۔

غفران بھی موقع میں موجود ”کاشا“ دیکھ کر ہاتھ دھو سوچ رہا تھا کہ سب کچھ تو آگ نے راکھ کر دیا ہو گا جو کچھ مال چٹ گیا۔ وہ فائر بریگیڈ کا پانی پر پادروے کا اور بھر بھی جوتی گیا۔ وہ پولیس نے جانے کی۔ یعنی سچا غرضیات ہر طرف سے علی مات کہا گیا تھا۔ غفران نے یہ بہت بڑا گھٹنا لگا دیا تھا۔ اس پر وہ کیڑوں دانہ پڑتا رہا۔

غفران مطمئن ہو کر سکون انداز میں چلتا ہوا گھر جانے والے راستے پر چل پڑا۔ اس نے غمخیزی کی آواز پر جس کا کام چل رہا تھا۔ اسے چنچ کے طور پر اکیلے ہی عمل کر کے گاڑم کچھ تو سرزد ہوا تھا۔ اب بھی اگر سچ پاز دتا یا تو اس سے بھی زیادہ بچا گیا تھا۔ تمام لوگوں کا۔

☆ ===== ☆

گھبراہٹ کی جانب سے آئے والی مستانی ہوا کو نورانیوں نے بڑی عقیدت سے چڑھا۔ وہ آج صبح سے ہی اداس اور مغموم تھے۔ دباؤ کو دیکھا جیلا ان کے لیے خوشیوں

اور سرخوں کا بوند نہ کر آیا تھا۔ ہوا جھوم جھوم کر ہر ایک نورانی کو اپنے آپ سے لپیٹ رہی تھی۔ گویا کوئی اس ہوا کو اپنے بچوں سے لپکڑتی تھی، جو سامانِ بھدان سے لٹی تھی۔ ان کے منہ اور سروں کو چوم رہی تھی۔ ان کے گرد پیکر لکھ رہی تھی۔ تمام نورانی خوشی اور شادمانی کی کیفیت میں جھوم رہے تھے۔

ہوا سے آنے والی بجلی بجلی جھپٹو نے کچھ دیر تو رانیوں کو معطر کر دیا۔ نورانی بھی اس خوشیہ اور جھلک کو اپنے وجود میں سا کر ہوش کو اتنا چاہتے تھے، لیکن ہوائے ان کی خوشی اور شادمانی پر کہہ کر کافر کر دی کہ "اے جلدی ہے۔ جو بھی کہنا، سننا اور پہنچنا ہے۔ جلدی کرو۔" بڑا نورانی چونک کر سب کا سر دار تھا۔ بات کرنے کا حق بھی اسی کو تھا۔ سب اس کی طرف متوجہ تھے۔

"کتنی خوش نصیب اور مقدور والی ہو۔ تیرے جیسے نصیب جہاں میں کسی اور کے نہ ہوں گے۔ اے معطر و مطہر ہوا۔ مجھے بتا کہ تارے پیارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزِ مقدس اقدس پر کیا ہو رہا ہے؟"

"اس درگاہ پر ہر دم منگتے جھولیاں پھیلاتے۔ اپنے من کی مرادیں مانگ کر دامنِ بحرِ کرموت رہے ہیں۔ درود و سلام کی بارشیں اور عقیدت و احترام کے انوکھے مناظر میں نے دیکھے ہیں۔ آنسوؤں کی قدر و قیمت کوئی نہیں جانتا۔ مگر اس درجہ پر آکر ایک سے مول آنسو بھی کر دلوں میں تو لانا چاہتا ہے۔ ارباب اور افسادگیوں میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ آقا کے حضور بروز ہر لمحہ کی دعا کے آنسوؤں کے جتنی مٹی تکرار کر رہے ہیں۔" ہوا بول رہی تھی۔ وہ سبھی خاموشی اور عقیدت سے سن رہے تھے۔ وہ بھر گویا ہوئی۔ وہ جد میں آئی بھلائی۔ تھوڑا سا جھوٹی اور بھر گھوٹی۔ مگر اس کی آہیں اور نالے نورانیوں سے پیچھے نہ رہ سکے۔ وہ بولی۔

"تم نے مجھے خوش قسمت کہا ہے۔ نصیبوں اور مقدور والی کہا ہے، لیکن مجھ سے تو خوش نصیب سورج ہے۔ جس کی تیش اس کی کرشمیں پیشینہ مجھ سے زیادہ نصیبوں والی ہیں۔ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ دیر وہاں پر ٹھہری ہیں۔ تمہارا خوش نصیبی کا کرسمے ہوئے ہوا ممکن کیوں ہو گی تھی۔ کیا وہ تم سے حسد و رقبت رکھتی ہے؟ یا اس کا وہ تم سے کسم ہے؟" بڑے نورانی نے کرن کے کس کو اپنے وجود پر محسوس کرتے ہوئے تمام نورانیوں کی گواہی کرتے ہوئے دل کی بات کہہ دی تھی۔

کی سسکیاں اٹھیں یہ باور دلائی کہ جس کس اس سے بھی خوش نصیب و صوب ہے۔ یہ تو کس صوب سے ہی پوچھنا پڑے گا کہ وہ اسے کیوں خوش قسمت ہے اور ہوا ایسا نصیبی پر آہیں کیوں بھرتی ہے۔ انہوں نے وہ رات بھی حسبِ معمول باوجودی میں گزار دی۔

صبح کی پہلی کرن کی آدھ پر غار میں خوشیاں رقصاں ہو گئیں۔ انہوں نے سورج کی پہلی کرن کو ہوا سے بھی زیادہ اعزاز کے ساتھ "خوش آدھ" کہا تھا۔ اس استقبال پر آج کرن بھی حیران تھی کیونکہ وہ روزانہ ہی آتی تھی۔ مگر آج ان بے جان پتھروں کے استقبال نے اس کی حیرت دو چادر کر دی تھی۔ وہ پتھروں کے لیے بڑے نورانی کے وجود پر غبر گئی۔

"آج مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ تم ہمیشہ کی طرح باوجودی میں تو مصروف ہو۔ مگر میرے لیے خصوصی وقت نکال کر اس نے جوشِ خوش آدھ دیکھ دیا ہے پوچھ سکتی ہوں؟"

"ہم نے ہوا کو مقدروں والی کہا۔ کیونکہ ہم بے جان وجود کے ساتھ سینکڑوں بڑے ہوئے ہیں۔ ہوا تو جھوٹی اور گنگناہٹ ہوئی گندھ غفری کا طواف کرتی ہوئی۔ ہم نے اس سے اس کی سستی اور سینکے کی وجہ سے پیٹھ مڑ دیا کہ وہ مصطفیٰ پر جا کر ہم جیسے بے جان "علم کے ماروں کا سلام کہہ دینا۔" وہ بھی دلوں بھدائی تو اس کا وجود سسکیاں لے رہا تھا۔ ہم نے کہا کہ تم تو خوش قسمت اور مقدروں والی ہو۔ روزِ مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر لمحہ حاضری دیتی ہو۔ پھر کیوں دوری ہو؟

اس نے ہوائے جواب دیا کہ مجھ سے زیادہ خوش نصیب تو سورج ہے۔ اس کی حدت اس کی تیش اس کی کرشمیں پیشینہ مجھ سے زیادہ نصیبوں والی ہیں۔ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ دیر وہاں پر ٹھہری ہیں۔ تمہارا خوش نصیبی کا کرسمے ہوئے ہوا ممکن کیوں ہو گی تھی۔ کیا وہ تم سے حسد و رقبت رکھتی ہے؟ یا اس کا وہ تم سے کسم ہے؟" بڑے نورانی نے کرن کے کس کو اپنے وجود پر محسوس کرتے ہوئے تمام نورانیوں کی گواہی کرتے ہوئے دل کی بات کہہ دی تھی۔

کرن نے ایک آدھ بھری اور گویا ہوئی۔ "تمہارے بے جان وجود اگر تمہارے لیے کوئی مسئلہ ہیں تو یہ سوچ کر تمہارا نہیں جانتے کہ تو اس میں اللہ کی مرضی شامل ہے۔ ہم سے زیادہ خوش نصیب تو تم ہو۔ جن کے ساتھ دینی آفراترانی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک اور ہر نبوت کو آتے رہے ہیں۔ تم کو ہم سے بھی پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ممانی ہی صورت اور دیدار سے شرف پہنچائی تھی۔ کیونکہ نبوت کا پہلا مرحلہ اور قرآنِ کریم کی پہلی آیت کا نزول اور پھر جبرائیل علیہ السلام کا حشر کا وجود تم ہی تو نازل ہوئے

ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ تم اس کا نکات کے پیچھے گواہ ہو۔ جنہوں نے جبرائیل علیہ السلام کو محبوب کا نکات کو اذکر قرآن کے نزول کو دیکھا تھا اور محسوس کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کوئی بھی چیز کسی سے کم تر اور بڑھ کر نہیں ہے۔ ہر چیز کی اپنی جگہ ایک اہمیت اور افادیت ہے۔ نہ ہی ہوا اللہ سے کم تر ہے اور نہ ہی میں ہوا ہے۔ ہوا کی تسکین اور آہوں میں جو درد اور دکھ تم نے محسوس کیا ہے۔ وہی اللہ میرا بھی ہے۔ ہوا ان جہرات مجروح ہاں ظہر کر سرکار ہند کے روضہ اقدس کا طواف کرنا چاہتی ہے۔ وہ اگر ایسا کرتی رہے۔ روضہ رسول پر جھوٹی رہے۔ گنہگاری رہے۔ وہ اپنی وہ جہاں کی مدحت سراہی کرتی رہے تو مظلوم سے کیا ہو گا؟ اس کی غلطی بڑھ جائے گی۔ اس کی غلطک بڑھ جائے گی۔

کیونکہ آپ کا سراپا آپ کا نام، آپ کا وجود مبارک رحمت ہی رحمت ہے۔ رب کریم نے رحمت کے علاوہ اپنے پیارے محبوب میں اور کچھ نہیں بنایا ہے۔ ان کے دامن مبارک میں زبان مبارک بھی رب کریم کی ہے۔ ان کی زبان فیضِ برہان سے نکلنے والی ہر بات اپنی بات نہ ہوتی تھی۔ بلکہ جو کچھ بھی بیان فرماتے تھے۔ وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دئی ہوتا تھا۔ گویا کائنات کا چہرہ بندوں سے کلام کرتا ہی اکرم سلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے تھا۔ میرے محترم اقامتِ خدیوی سوچا اگر ہوا ان جہاں محسن کا نکات روضہ اقدس کے روضہ پر چکر لگاتی رہے تو اس کی گرامشِ فطرت ہو جائے گی اور پھر جہاں جہاں اس کی تپش اور لو کی اہمیت اور ضرورت ہے۔ وہ وہاں کیسے کام کرے گی؟ مگھ کیسے لگے گی؟ مخلوق خدا کیا کما لے گی؟ ہوا کی حدت اور گرمی کو برقرار رکھنے کے لیے مجھے اپنا فرض انجام دینا پڑتا ہے۔ میری تپش اور گرمی سے ہوا گرم ہو کر لو کے چپڑے سے کا روپ دھار لیتی ہے اور پھر وہی لوہوں کے پچھے سے کام آتی ہے۔ لیکن میں بھی کب تک اس کا ساتھ دے سکتی ہوں۔ کیونکہ سورج کو بھی دن بھر اپنا سطرے کر کے پانا ضرورہ دھب کرنا ہوتا ہے۔ جب کبھی کبھی اجازت مل جاتی ہے تب سورج سے کہا جاتا ہے کہ "جہاں سے آیا ہے وہاں چلا جا" کہیں بحری منزل ہے اور پھر اسی آیت کو ماننے ہوئے سورج ہم سب کو سمیت کراہت آہستہ کدھ کرنے کے لیے اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جاتا ہے۔ میرا بھی دل چاہتا ہے کہ دن رات روضہ رسول سلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کروں۔ میری عمر خواہش یا قیامت خواہش ہی رہے گی۔ کیونکہ اگر دن بھر اور پھر رات کو بھی میرا وجود روشنی کرنا ہے پھر تو دن اور رات کا کدھ ہی غم ہو جائے گا۔ جیسا ایسا بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہوا اہتمام ہے۔ اس میں تبدیلی کسی بھی طرح ممکن نہیں نہ کم کر سکتے ہو۔ نہ میں کر سکتی ہوں اللہ ہی سورج اور نہ

کوئی بشر۔ اب بھی اگر تہا رب کی تنگی باقی ہے تو چاند سے پوچھ لیا وہ یقیناً مجھ سے بہتر ہے۔" کہہ کر سورج کی کرن روانہ ہو گئی۔ کیونکہ ایک ہی جگہ خمیر سے دہنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کی ایمان افروز باتیں اور دلچسپ کنواریوں کے وجود میں چھل گئے تھے۔ "ساقیو!" یہ انورانی مخاطب ہوا۔ "تم نے دیکھا اور سن لیا کہ ہم تو بے جان اور بے زبان ہیں، جو اس فضا میں متحرک ہیں وہ بھی آگ آگے تھام رہے کہ روضہ اقدس کے طواف سے کبھی بھی کی نہیں بھرتے۔ وہ چکروں کی بھی نہیں ہوئی جس کے سارے ہی دیا لے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب چودھویں رات کو چاند میاں سے چلیں گے۔ تو کراہی اور کراہی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ماحول کو حیرت زدہ نہ دلاؤ۔ کیونکہ خلق خدا نے یہاں اللہ کے حضور کدھ راج ہو کر شکرانے کے خواں بھی ادا کر لے ہوئے ہیں۔" یہ انورانی خود بھی رب ذوالجلال کی حمد و ثناء میں مصروف ہو گیا۔

☆=====☆

"غفران نے یقیناً ایک بہت بڑی رک بنائی ہے۔" شیخ عمریات نے خود کھائی کرتے ہوئے کہا۔ "اس کا بندوبست بھی کرنا پڑے گا۔" اس نے فون اٹھایا اور ابھی بات ہی کرنا چاہتا تھا کہ دوسرے فون پر گھنٹی بجنے لگی۔ اس وقت وہ اپنے آفس میں موجود تھا۔ جو کما ہوا کے آفس سے ایک غلوں پر بائیں اس کے آفس کی طرف لگا ہوا تھا۔ بائیں کی مریضی القیاد کرنے کے بعد وہ کسی آفس آیا کرتا تھا۔ غفران کی طرف سے پہلے والے نقصان کا تحفہ انھوں نے روپوں میں تھا۔ وہ اس نقصان پر حتم کر رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ غفران ان کیلکاس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مگر اب اسے مشکل چاہنا پڑتا تھا۔ اس نے اپنے تمام فلیڈے خالی کر دیئے تھے۔ تمام مال اب ڈاکٹر شارق کی گمرانی میں کسی ایسی جگہ پر عقل کیا گیا تھا جس کا غفران اور اس کے رفیقوں کو بھی علم نہ تھا۔ ڈاکٹر شارق کے بھول اس نے تمام راز اور تمام کام بائیں سے فلیڈے رکھا ہوا تھا۔ شیخ کو بھی ڈاکٹر تھا کہیں اس کی پوزیشن اس کے حشر کے سامنے غراب نہ ہو جائے۔ لیکن ڈاکٹر شارق نے اسے یقین دہا تھا کہ ایسا کچھ بھی نہ ہوگا۔ وہ بے فکر ہو کر ہر کام کرے۔ ڈاکٹر نے شیخ بھلی کے پرانے تعلقات تھے۔ بھلی تعلقات ہونے کی بنا پر کئی جیلوں پر آکھے ہی مدعو ہوئے تھے۔ ایک دن شیخ نے اپنی کاروباری پریشانوں کا ذکر کیا تو شارق نے اسے اپنی ایک چائے والی کا حوالہ دے کر بابا جی سے ملنے کہا۔

وہ چائے والی بھی کوئی ایسے کردار کی ناک نہ تھی۔ اس نے پہلے ڈاکٹر شارق کو اپنی

مٹھی میں کیا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ دونوں اس کام کے پائز بن گئے اور پھر تیسرا حصہ بابائی کا رکھا جانے لگا۔ جو کہ کچھ لٹم کے چند علوم پر وسوسہ رکھتا تھا۔ شیخ اور ڈاکو کی پائز شپ کا غفران کو بخوبی علم تھا۔ مگر کبھی بھی ڈاکو نے غفران کو حکم نہ دیا تھا اور نہ ہی وہ اس کا ملام تھا۔ غفران تو شیخ کا لڑائی و کدوا تھا۔ شیخ اب اور ڈاکو نے تمام غفلتوں کو گھمڑ دے دیا تھا کہ غفران کا ہمارے کام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہذا اس سے ہر دم پوشیدہ رہا جانے۔ مگر شہزادوں بھی شیخ کی سستی اور کاپلی سے دیر کر دی اور اب بہت بڑا نقصان اس کا مقدر بن گیا تھا۔ وہ اپنے بندوں کو کہہ کر غفران کی پڑیاں پسلیاں بڑوانا چاہتا تھا کہ غفران کی مٹھی نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"بیٹا! شیخ نے کیا تو دوسری طرف سے آئے والی آواز عالیہ بیگم کی تھی۔"

"شیخ صاحب!" وہ کافی گھبراہٹ ہوئی لگ رہی تھی۔ "آپ فوراً گھر پہنچیں۔ بہت بڑی واردات ہو گئی ہے۔" اس سے پہلے کہ شیخ حریج کچھ کہتا۔ دوسری طرف سے رابطہ ختم ہو گیا تھا۔

"وہ شاید بے چارے کے عالم میں تھا۔ اس نے بیکر فری کو انٹرکام پر پوچھا۔" احمد کہاں "تجہ؟" تو اس نے جواب دیا کہ "دو توجہ سے ہی نہیں آئے۔"

وہ بے چارے ہو گیا کہ کہیں غفران نے احمد کو کوئی نقصان نہیں پہنچا دیا۔ وہ ایک زندہ دل آدمی تھا۔ مال کا ہر طرح کا نقصان برداشت کر سکتا تھا مگر اولاد کا نقصان ناقصی تھا ہی ہوتا۔ وہ دھڑکی سے اپنے آفس سے نکل کر لفٹ کے ذریعے پہنچا۔ عمارت ہو گیا تھا۔ مگر وہ تیزی سے چلا ہوا گاڑی تک پہنچا۔ اسے گاڑی میں بیٹھنے پہلے شاہ صاحب کی بات یاد آگئی تھی۔

"اچھی۔ جیسی سے زیادہ اپنا نام نہ پھیلاؤ۔ نہیں تو یہ نام جیسے سکون اور چین نہ لینے دے گا۔" مگر اس نے کون سا شاہ صاحب کو کہا تھا۔ بلکہ کھانا دیا تھا۔ اس نے ٹیلیفون نام نہاد بیکر کا خط۔ بھڑائی گناہگار ہوتا ہے اسے ہر طرح کی فطرت ہوتا ہے کہ اس کا کوئی چھوڑا بڑا گناہ اس کی اولاد کو سران کر ڈال جائے۔ یہی حال شیخ کا بھی تھا۔ وہ بے شک پچھلے پر پہنچا تھا۔ اسے بدرونی گیت کھلا ہوا ملا تھا۔ اس کے ہوش کم ہونے کو تھے۔ کیونکہ کوئی کام نہ کیا تھا اور ابھی اسے فکرت آ رہا تھا۔

اس کا بس نہ چلنا تھا کہ وہ چلتی ہوئی گاڑی سے اتر کر ہی دوڑ لگا دیتا۔ ہنسل اس نے اندر جانے والے دروازوں پر پاؤں رکھے۔ اندر داخل ہوتے ہی بہت بڑا ہال جو کڑرا لٹک

اور ڈھانچا کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ خانہ وقوع اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ بہت بڑا اور چشتی خانوں کی آج تار یک تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس طرح کی خاموشی نے اس کا کچھ بچا کر رکھا دیا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ اندر داخل ہوتے ہوئے آواز میں دینا شروع نہیں۔

"علیحدہ علیحدہ، احمد احمد باؤ، عالیہ بیگم، کہیں اب تم سب لوگ؟ یہ مگر میں اندھیرا کیوں کر رکھا ہے؟" وہ چلتا ہوا ہال کے درمیان میں پہنچ کر رک گیا۔ وہاں اس حرات کو اس کی جھجکتے لگتے رہ گئی۔ تمام ہال ایک دم روشنیوں سے منور ہو گیا تھا۔ تیز روشنی نے شیخ کی آنکھیں چند صیادی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ہال تالیوں اور کچلی پر تھوڑے فوج کی آوازوں سے گونجنے لگا۔ اس نے نوے سے طویل سانس لے لی تھی۔ اس کی ٹانگیں نے پتھر ایک بہت بڑا سر پر اتار اسے دیا تھا۔ اس کی یادداشت میں تھا کہ اس کی سانگہ آ رہی ہے، لیکن غفران کی بھاگ دوڑ میں اس کے ذہن سے نکل گیا اور ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا۔

اس نے دیکھا کہ سب سے آگے اس کی بیگم علیحدہ احمد احمد باؤ تھے، لیکن ہال میں نہ وہ چند وہما مان گرا ہی تھی تھے۔ جن میں سر فرست بابائی۔ ڈاکو شارق۔ اس کی ٹانگیں اور پھر احمد باؤ کے چند دوست اس کی پیاس، غیر ملکی حسین، اس کی بیوی اور پھر ایک نیا چہرہ جو سب کے لیے تھوڑا سا کاٹھا تھا۔ "عصر" عالیہ بیگم اور علیحدہ نے لاکھ پوچھا تھا۔ مگر احمد نے کچھ نہ بتایا تھا اور وہ دیکھا تھا کہ بابا کے آنے پر ہاتھ لگا۔

بابائی آگے بڑھے تو شیخ نے ان کے قدموں پر جبک کر بوسہ دیا۔ بابائی نے اسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا دیا پھر اس کی بیٹی کی بوسہ دیا اور اس کی عمر کی دعا دی۔

پھر باری باری، عالیہ بیگم، علیحدہ احمد باؤ نے بھی بابائی کے قدموں میں دو زانو ہو کر بوسہ دیا تو بابائی نے باری باری ان کی ٹانگیں چھوئیں پڑا اپنے ہاتھوں سے صبر مت کر دی۔ یہ الگ بات ہے کہ علیحدہ بیٹی کی بیٹی کی بوسہ دیا اور زور دیا کہ صبر مت ہو گی تھی۔ تمام خاندان اور شارق ٹانگیں ٹانگیں باتوں اور حرکتوں کے عادی تھے۔ جبکہ عصر اور ملکی حسین انتہائی حیرت و اضطراب کے عالم میں ان حرکات کو دیکھ رہے تھے۔

احمد باؤ نے چھری بابائی کو پکڑا دی۔ جو چھری لے کر بڑے پھیل کی طرف چل پڑے۔ جس پر بڑا سا کھٹک رکھا ہوا تھا۔ یہی اس کے پیچھے پیچھے ہاتھ پائے مل رہے تھے۔

بابائی نے شیخ کو آواز دے کر اس کے ہاتھ میں چھری پکڑائی۔ جس نے اجازت

طلب نظروں سے باہمی کی طرف دیکھا۔ "شروع کرو" اجازت ملنے پر بیٹھے ایک پر سے درخت چھری چلا دی۔ بال ایک سر پہ چڑھ کر تھوڑے لمحوں کی آواز سے گونج اٹھا۔

عصرہ خود کو اس ماحول میں اپنی محسوس کر رہی تھی۔ یہی حال منظر حسین اور اس کی فیملی کا تھا۔ عصرہ کبھی بھی نہ آتی۔ بس اہم کے کہنے پر چلی آتی اور پھر آٹس کی باغی و درک ہونے کے ہٹے گی اسے پاس کی خوشی میں شریک ہونا چاہتا لیکن یہاں آکر اس کے مقام خواب چٹان پر چڑھ گئے تھے۔ وہ اہم ہذا کو بہت اچھا اور عظیم یافتہ سمجھتی تھی مگر اس کی یہ حرکت کہ وہ باہمی کے قدموں میں چمک کر اس کے قدموں کو بوسہ دے رہا تھا۔ عصرہ کو بہت بری لگی تھی۔ اس کا بی چاہتا تھا کہ وہ ہاں سے بھاگ جائے۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکتی تھی۔

ایک تقسیم ہو رہا تھا۔ کبھی نہ کھایا۔ باہمی کا چھوٹا ایک بیٹا چلی تھے یہ خبر کاغذ اخبار اور کھانا اور خود کو اپنی تصویر کرنے لگے۔

"مسی عصرہ" منظر حسین نے اس کے قریب آ کر کہا۔ "کیا آپ خود کو اس ماحول میں ایڈجسٹ سمجھتی ہیں؟"

عصرہ نے غور سے منظر حسین کی طرف دیکھا۔ وہ شاید اس کی دلی کیفیت کا اندازہ کر رہی تھی۔ "نہیں"

مختصر سے جواب نے منظر حسین کو مطمئن کر دیا تھا کہ وہ اکیلا نہیں ہے جو اس غیر فطری اور توہم پرستی کے ماحول سے بڑا رہے۔ وہ پھر عصرہ سے مخاطب ہوا۔

"میں پہلی بار بہانہ کی انتہا دیکھ رہا ہوں۔ اہم ہذا کو ان سب کو کھانا پانے تھا، لیکن وہ خود بھی۔ میرا دماغ چمٹ جائے گا۔" وہ اپنے دونوں ہاتھ ٹیٹھوں پر رکھتا ہوا بولا۔ اس کی تنگی مگر یہ بیٹان دکھائی دے رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ عصرہ کوئی جواب دیتی۔ اہم ہذا کی آواز نے ان سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"لیڈ جرنل جٹس میں۔ میں چند لمحات کے لیے آپ کی محسوس توجہ چاہتا ہوں۔ آج کی پارٹی کا راج جو کہ ہمارے پاپا کے لیے سر پر انکار ہو چکی ہے۔ ہمارے مرشد جناب "جلی حسین" کی سرپرستی میں ہوا ہے۔ باہمی کافی حیران اور پریشان تھے۔ ہم انہیں حرج پریشان نہ کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے ان کو ہی یہ پروگرام پیش کیا گیا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمیں ہمارے مرشد کی قدر پر بار بار محبت سے چنڈل کرتے ہیں۔ اس کی مثال بیٹیا نہیں نہ ہوگی۔" وہ دیکھ دے کے لے لگا۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس نے عالیہ بیگم کو اپنے پاس بلایا۔ عالیہ بیگم نے حسب معمول دعوت ٹھاکر دینے والی لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ اس

کا چٹکانا ہوا جو دیکھی ماضی میں محفل کا ایمان خراب کرنے کے لیے کافی تھا، لیکن اکثریت عالیہ بیگم کی فطرت سے واقف تھی۔

منظر حسین، اس کی تنگی اور عصرہ کیلئے اس طرح کی کسی پارٹی میں شریک ہونے سے اور خود کو غیر اور اپنی محسوس کر رہے تھے۔ "میری مائے فیماں بڑا پار اور محسوس توجہ دی ہے۔ ہم دونوں بہن بھائی ان کے نمونہ بننا۔ ہماری اچھی تربیت اور پرورش ہمارے محترم والدین کی سر ہون صحت ہے۔ بلکہ محترم مرشد صاحب سے ملاپ کے لیے ہم ڈاکٹر شارق کے لیے نمونہ ہیں۔ ان کے لیے ہر چیز تیار ہاں۔" بال ایک حرج بھارتیوں سے گونج اٹھا۔ یہ گونج بھی اہم ہذا کی درخواست پر تھی۔

"آپ انجوائے کریں کھانا بالکل تیار ہے، لیکن اس کے بعد ہائیڈرکالین۔ کیونکہ ایک انوکھا پروگرام آپ کے لیے سر پر ہوا ہوگا۔" بال کے ایک کونے میں کھانے کا اجرام کیا گیا تھا۔ مہمان کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ بلکہ عصرہ سوچ رہی تھی کہ اہم نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ اس نے بالکل بھی عصرہ سے بات تک نہ کی تھی۔ بلکہ ایک حرج بھی آ کر نہ ہو چھا تھا کہ وہ بار بہت تو محسوس کر رہی۔ اگر اہم ایسا ہی چھتا تو وہ بہت جلد بھتیجی کہ ہاں وہ بار ہو رہی ہے اور دگر جاننا چاہتی ہے۔ لیکن اب تمام پروگرام اس کی مجبوری بن گیا تھا۔ وہ یہاں سے بھاگ نہ سکتی تھی۔ کیونکہ اسے فوری علاج تھی۔ وہ کھانا تو بالکل ہی کم کھا رہی تھی۔ بس اسی ادھیڑ میں میں مصروف تھی کہ ایک آواز نے اسے چلا دیا۔

"اگر کہیں بندہ کی ضرورت محسوس ہو تو کہہ دیجئے گا۔ خادم حاضر ہو جائے گا۔" اس نے چونک کر نظریں اٹھائی تو وہ اس کے لیے اپنی چہرہ تھا۔ دیکھتے تو ہاں بھی اس کے لیے اٹھتی تھے لیکن وہ وہی اس کی پہلی کا دکھاتا تھا۔ بلکہ اہم کا کوئی اور بھائی تھا۔ عصرہ نے سمجھا کہ شاید اظہار سے ہے۔ اہم کے کہنے پر اس کا خاص خیال رکھنے کے لیے آیا ہے۔

"جی بہت بہت شکریہ۔" عصرہ نے کہہ کر جان چھڑائی چاہی۔ لیکن وہ تو اپنے جڑ رہا تھا۔

"کوئی حضور اس میں شکریہ کی کیا بات ہے؟" وہ دھمکی سے مسکرا کر بولا۔ "بندہ خادم ہے۔" وہ قہرنا اس کا جواب کیا تھا۔

"آپ کی تعریف؟" عصرہ نے مختصر جواب دیا۔ "بندہ کو جانی کچھ نہیں۔" وہ نکال ادا سے بولا۔ اس سے پہلے کہ بات مزید بہتی۔

"لیکن میں آپ کے ساتھ کیوں چلوں؟" مصممہ کافی پریشان دکھائی دے رہی تھی۔  
جانی مسکرا کر بولا۔ "دودھ کا جلا، چھاپا بھی پیو، کھجور بھی پیو، کھجور بھی پیو۔" اس نے  
کہا کہ ستائی تو مصممہ کو لگا کہ وہ کافی پیاس کے دل کی آواز تھی۔ جو جانی نے سن لی تھی اور اس  
کی دلی کلیات کا اس نے غریبی اندازہ لگایا تھا۔

"اگر انسان کے اعصاب کی زبان ہوتے ہیں۔" وہ بھڑکلا اور وہاں سے چند قدم  
آگے کی جانب چل پڑا۔ وہ بھڑک رہا تھا کہ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو مصممہ وہیں کھڑی  
تھی۔ وہ ایک بار پھر کرسی اٹھنی کے ساتھ نہ جانا چاہتی تھی۔ جانی دابھس آیا۔

"ہم ساتھ ساتھ چلنے کے لیے ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں، لیکن آپ نے پوچھا  
کہ میں تمہارے ساتھ کیوں چلوں؟" وہ توقف کر کے بولا۔ "میں آپ کے ساتھ چلنے کے  
لیے خدمتیں کر رہا ہوں۔ بلکہ آپ کا ساتھ دینے کے لیے کچھ اور کچھ ساتھ ساتھ چلنا چاہتا  
ہوں۔ اگر آپ نہیں چاہتے تو آپ کی مرضی۔ وہ خود کار بھیلر یا بھیلر سے نکل کر آنے کا  
اور پھر آپ کو اپنے نوکیلے دانوں سے اور چیز کر کے دے گا۔" آخری فقرہ اس نے اندر کی  
طرف اشارہ کر کے کہا تھا اور بھیلر سے اس کی مراد احمد باؤ تھا۔ مصممہ نے ایک بار پھر  
تصور میں اندر کا داخل سوچا تو اس کی روح کانپ اٹھی۔ اتنی لمبے ہوئی اس نے پہلے کبھی نہ  
دیکھی تھی۔ اس نے سوچا اور جانی پر اعتبار کرنے کو بھی ملتا تھا اور خود ہی آگے کی جانب چلے گی۔  
جانی بھی اب اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

"بعض اوقات انسان اپنی اوقات بھول جاتا ہے۔ وہ بھول کر رہتا جاتا ہے لیکن اس  
کی مرضی اور حالات اسے وہ نہیں دیتے۔" اس نے مصممہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
تو مصممہ نے اس کی طرف عجیب کی نظروں سے دیکھا۔ گویا کہ اس نے مصممہ کی چوری  
پکڑی ہو۔ کیونکہ وہ کسی بھی پردے کے بغیر باہر نہ جاتی تھی، لیکن پہلی بار ہی اپنے بھائی کے  
مشعل کے لیے اٹھی تو پہلی اوقات ہی غلط رہا تھا۔ ہوئی تھی۔

وہ عجیب سی صورت حال کا شکار تھی۔

"برائے انسان اپنا کچھ قدم بہتر اور باندھی کے لیے اٹھاتا ہے۔" اس نے جانی کی  
بات کا مناسب الفاظ میں جواب دینا شروع کیا۔ کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ جانی بھی بڑا حاکم  
ہے۔ کیونکہ اس کی گفتگو انداز اور اس کے وہل وار میں ہونے سے ہی مصممہ کو سمجھا دیتا تھا  
کہ وہ کچھ احمد کی پانی میں مچا رکھا تھا۔ مگر میں کی تو مجھوری تھی۔ شاید اسی لیے وہ اندر نہ  
آ سکتے تھے۔

جانی کی تمام باتیں بند ہو گئیں۔ کچل چکی تھی۔ وہ ضرور مٹی میں ہلکا ہلکا بیڑک بچنے لگا اور پھر کچھ  
دیر وہ حلقوں پر پھرتی رہا اور مصممہ کے ساتھ ساتھ نظر نہیں بھی لگے ہو کر رہ گیا۔ بال کی  
تیز روشنیوں میں دوڑا سر اڑا لیا۔ ہم پر کچل کی حالت میں اس نے گیت پر غصے کرنے لگیں۔  
مصممہ کی قوت برداشت جواب دے رہی تھی۔ وہ اس بیڑی کی اور گند کی کو کچھ نہ  
پا رہی تھی۔ مزے ستم یہ ہوا کہ احمد باؤ بھی ان کے ساتھ ڈانس کرنے لگا۔ جبکہ مصممہ  
ماتھے پر غصہ دیا اور باؤ کی کے ساتھ ساتھ شائقین کی بھی تالیاں بھاری تھیں۔ جبکہ باقی  
مرد اور عورتیں سب غیرتی سے تالیاں بجاتے کے ساتھ ساتھ جھوم رہی تھیں اور مصممہ کی  
غیرتی سے سب غیرتی کی آخری تھی۔

گیت کے بال فتح ہوئے تو لاش ایک بار پھر آف ہو گئی تھیں۔ مصممہ نے موقع  
قبضہ جان کر وہاں سے نکل جانا مناسب سمجھا۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھی اور دوڑنے والے  
انداز میں باہر کی طرف چلی۔ اس نے باہر ان میں آکر سکون کا سانس لیا تھا۔ پہلی اور آزاد  
تھا جس میں اس نے اپنے آپ کو بھروسہ کیا تھا۔ وہ گیت کی طرف بڑھ گئی۔ چوکیدار نے  
اسے دیکھ کر گیت بھول دیا اور ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔ وہ گیت کو اس کر کے باہر  
برک پر نکل آئی تھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر گیت کے عظیم الشان بھنگے کی طرف دیکھا۔ عمارت  
بھلی اندر سے خوبصورت تھی سب سے بھی اتنی خوبصورت اور بڑی قدر تھی، لیکن مصممہ کے ذہن  
میں خوبصورت بھنگے کو دیکھ کر فوراً ہی اس کے کینوں کی طرف خیال گیا۔ "اتنی بڑی عمارت  
میں کتنے چھوٹے لوگ رہتے تھے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو اُڑا آئے۔

"خواب نہ چھوڑے جاسکتے ہیں نہ پردے کیے جاسکتے ہیں۔ بس دیکھ جاسکتے ہیں۔  
ابھی اور اگر آپ کے بس نہیں ٹھیک ہوگا۔" یہ آواز سن کر وہ چونک گئی۔ اس نے اپنے پیچھے  
دیکھا تو جانی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ مصممہ نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کئے اور اس کی طرف  
جہرت سے دیکھنے لگی۔

"اگر آپ کو نگاہ نہ گزرتے تو کچھ قدم ہم ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں؟" وہ حسب  
دستور مسکرا رہا تھا۔

"مگر کیوں؟" وہ تذبذب سے بولی۔ کافی مضطرب تھی۔

"اس لیے کہ آپ کافی پریشان ہیں۔ اندر کے ماحول نے آپ کو بوجھ دیا ہے۔  
میں جانتا ہوں کہ وہ تکلیف آپ کے اندر تک پہنچی گئی ہے۔" وہ ابھی بھنگے کے باہر ہی  
گزرے تھے۔ جبکہ جانی چاہتا تھا کہ یہاں سے چلا جائے۔

چاہتے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کے سینہ میں اس مقدس کتاب کا شہدہ ہر روز ہر بار  
بزمِ غرض کر رہا ہے۔ جو محفوظ ہے۔" اس نے کہا۔ اب مصممہ کے حیران ہونے کی باری  
آئی۔ کیونکہ جانی سے اس کی وہی ملاقات تھی۔ اسے کیسے پتہ تھا کہ وہ قرآن کی حافظہ ہے۔  
وہ گوشت کی حالت میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی۔ وہ بھر پور چلا۔  
کیونکہ وہ لڑکھائی بہت تھا۔ مگر کمال پران تھا۔

"میرا اچھا ہے کہ آپ کسی ایسے سے رشتہ تو ران میں بندھ کر کھانا کھائی جائے۔ بشرط  
کہ آپ کو میری ہر بات پر یقین ہو۔"  
"میں کچھ نہیں داری کہ آپ کو اپنی ذات کے کس ٹائٹل میں فٹ کروں۔" مصممہ  
نے کہا کہ اس کے ساتھ ہر چٹا شروع کر دیا۔

وہ چٹنے لگا۔ "کھانا کھانے کے بعد ہمیں ملے کر لینا چاہئے کہ مجھے آئندہ کس حیثیت  
تو آپ سے ملنا چاہئے۔" اس کی آئندہ کی پروگرامنگ میں کمر مصممہ کی بھی رہی۔ وہ تو اس  
سے جان چھڑا کر کسی نہ سکون جگہ پر بیٹھ کر کام کے گھماؤنے روپ پر غور کرنا چاہتی تھی۔ مگر  
اب کھانا اور اس کے بعد آئندہ کی چٹانگ۔ وہ پہلی بار نہ ہو گئی تھی۔ اس کے چلنے ہوئے  
قدم رک گئے۔ جانی بھی رک گیا۔

"میں کچھ گیا ہوں۔"  
"ایک تو یہ کم بہت کچھ بہت جلدی جاتا ہے۔ مصممہ سوچنے لگی کہ اب نہ جانے یہ کیا کچھ  
گیا ہے۔

وہ بھر پور ہوا۔ "آپ نے اب تک میرے ساتھ جو سفر کیا ہے۔ اس میں کوئی بھی نام یا  
رشتہ یا کوئی نامی اعتبار نہ تھا۔ بلکہ آپ کی مجھ پر تھی کہ آپ سچ اور پریشان کن حالت سے  
باہر نکالنا چاہتی تھیں اور میں اپنے آپ کو آپ کی طرح اس شخص نے وہ ماحول میں اپنے جہت ذکر  
پر ادا تھا۔ آپ کے ساتھ جو قدم قدم چلا ہوں۔ پہلا قدم چلنے سے پہلے ہی میں نے اپنے دل  
میں آپ کے لیے ایک جذبہ اور ایک رشتہ ڈال لیا تھا۔ میں آپ کو صرف نام کی حد تک جانتا  
تھا۔ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ آپ کسی غلط آدمی کے ساتھ زندگی کا سفر شروع کرنے والی  
ہیں۔ اس تانے والے نے بڑے کرب اور دکھ سے بتایا تھا کہ میں آپ کو روک سکتا ہوں تو  
روک لوں لیکن آپ کو سمجھانے سے کچھ بھی نہ حاصل ہوتا۔ کیونکہ جب انسان ترقی اور سبھری  
مستحق کے خواب دیکھنے لگتا ہے تو وہ خود بخود کی دنیا میں اٹھنے والوں کی آس میں خفا کی تاج  
کھانے شروع کر دیتا ہے۔ وہ انھیں بند کر کے پتہ دیکھنے کی بجائے انھیں مٹا کر رکھ کر

"نظر ہرے اس کے لیے کیا کھانا ہوا ہے۔ یہ بلندی کی طرف سفر کرنے والا نہیں جانتا  
ہوتا۔" مصممہ نے اپنا فقرہ مکمل کیا۔ جانی نے اس کی طرف دیکھا اور پیاری سی مسکراہٹ  
لوہوں پر لاتے ہوئے بولا۔

"میں غلطی پر ہے سوور نے اور اسو بہا ہا کر فقرہ پر فقرہ غفلت ہے۔ بہتر یہ ہے  
کہ انسان ایک اور غلطی کرے۔ ہو سکتا ہے کہ اس بار اس کا پاؤں بلندی اور کامیابی کا زمین  
ملے کرنے میں کامیاب ہو جائے اور فقرہ پر بھی اس کا ساتھ ہو۔"

"میں آپ کی بات کی گہرائی سمجھ نہیں سکتی۔" وہ نے کانی دور رکھ کر کہے۔  
"جانتے ہوئے بھی انجان بننا اور دیکھتے ہوئے نہ جاننے کی بات کرتے۔ ایک گھبراہٹ  
انسان سے ان حقائق کی توقع نہیں کی جاسکتی۔" جانی کا لہجہ سے عجیب سا لگتا تھا۔  
"جس طرح لہجہ سفر کرنے کے لیے کسی ہمسفر کی ضرورت ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح  
زندگی کی کٹھن رادوں میں چلنے کے لیے کسی ساتھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کی اس بار سے  
میں کیا دارے ہے؟" جانی نے بھر پور وار داغ دیا تھا۔

"گاڑی اگر بھڑکی پر چلتی جائے۔ چاہے تیز یا آہستہ شرط سے کر چلتی جائے۔ بس  
وہ کسی نہ کسی وقت اپنی منزل پر پہنچ جاتی ہے۔" اس نے جانی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "اگر وہ  
تیز رفتار سے دوڑے گی۔ تو بھڑکی سے اترا جائے گی اور میرا خیال ہے کہ ہمیں اب اپنے  
اپنے گھر کی راہ لی جانی چاہئے۔ کیونکہ آپ کی گاڑی بھڑکی سے اترا شروع ہو گئی ہے۔" وہ  
چلنے چلنے ایک دو رک پر تھی۔ جانی بھی حسبِ معمول مسکرا رہا تھا۔

"ایک انشیا نے آپ کا یہاں تک ساتھ دیا ہے۔ آپ کا ذہن جو کہ کامیابی کی اصلی  
شکل و کچھ کرشمہ رہا تھا۔ آپ کو اس اذیت ناک ماحول سے نکال کر میں یہاں تک لایا  
ہوں۔ اگر میرے خیالات اور میری نیت میں کوئی شکوت ہوتا۔ میں آپ کو کوئی بھی غیر اخلاقی  
نقصان پہنچا سکتا تھا۔" اس نے مصممہ کی آنکھوں میں جھکاؤ تو وہاں پر محاسن کے آثار تو  
نمایاں نہ تھے۔ مگر محاسن کے ذکر پر آنکھوں میں سوئی ضرور چمک رہے تھے۔

"میں کوئی بڑا آدمی نہیں ہوں۔" وہ بھر پور ہوا اس کے کی طرف چل چلا۔ مصممہ کو بھی  
اس کی تقلید کرنا پڑی۔ "میرے پاس کوئی ایسی پیاری چیز نہیں ہے۔ میں جس کی قسم کھا کر  
حلف دے سکوں لیکن ہاں ایک چیز ضرور ہے۔ میرے پاس میرے ایمان کی روشنی ہے  
میرے دین کی حفاظت ہے۔ قرآن کریم کا علم ہے۔ بس آپ کو کوئی روایت ہوں کہ میں کوئی  
نما آدمی نہیں ہوں۔" اب وہ روک گیا تھا۔ "اگر قرآن کی قسم کھاؤ تو آپ کو فوراً یقین کر لینا

یہی حقیقت اور سچ سے لگوں چراتار جاتا ہے۔ میں نے آپ کو سمجھا بہتر نہ سمجھا۔ بلکہ علیٰ طور پر سب کچھ دکھانا بہتر سمجھا تھا۔ آپ کو اصرار پانے میرے ہی کہنے پر اس سمرگہ کی پوچھائی میں دعو کیا تھا۔ کیونکہ میں ان کا پھر بھائی ہوں اور میرا اعتقاد یہ ہوا کہ میں سمجھا تھا۔ جس کسی نے بھی مجھے بتا دیا تھا۔ میں نے آپ کی ایک بہت ہی واضح نشانی بتائی تھی۔ ”وہ کچھ دیر کے لیے رک گیا۔ شاید سانس درست کرنے کے لیے یا پھر اظہارِ کلام کی ترتیب دے رہا تھا۔“ آپ کی واضح نشانی سے ہی میں آپ کو پہچان رہا ہوں۔“

”کیا نشانی بتائی تھی اس تانے والے نے؟“ مصمم نے احتکامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ مخصوص مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے ہوئے تھا۔

”وہ شرم و حیا کا پتھر ہو گی۔ اس کی بڑی بڑی دو ہوش آنکھیں اس ماحول میں اپنے کو کھائ کر دی ہوں گی۔ نرے تے قاتلوں اور کا پچھے ہٹوں سے وہ کسی سے بھی رجعت کے ساتھ منٹھو میں نہ ہو گی۔ بس یہی پتھر اور ہاں۔۔۔۔۔ سب سے بڑی منتی اس نے آپ کا لمس بتا چھا۔ جو کہ پارٹی میں شامل تمام عورتوں سے مختلف ہو گا۔“

”لیکن بتانے والے کو کیسے معلوم تھا کہ آج شیخ کی سالگرہ و پارٹی ہے جبکہ یہ سہرا انہی کو انجمن اہل کی اولاد اور بیگم نے دیا ہے۔“ قصصہ نے آئینہ ہوا۔ جوٹ کر لیا تھا۔

”آپ کی بات کا میں بالکل ہوں۔ مگر یہ پروگرام میں نے اسلیم پاکستان کی بات کرنے پر توجہ دیا تھا۔ مجھے بتائے والا ہے کہ میرا دوست ہی ہو گا اور میں نے اس سے اس بات کی حقیقت بات بھی کی تھی۔“ مصعبہ کو اس کی بات میں وزن لگا۔ یہ تو دوسرا چارہ اس کے ساتھ بیٹے کی تھی۔

وہ ایک ایسے سے دستور میں داخل ہو گئے۔ ایک خالی ٹیبل پر بیٹھے کے بعد جانی نے وہاں کوکھانے کا آؤر ڈیو اور خود ہاتھ دھو کر کھانے کے لیے چل دیا۔ عصر جس ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ وہی میز پر ہے ایک لڑکی اٹھ کر تجزی کے صحنہ کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔

دونوں ایک دوسری کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھیں۔ آنے والی نے عصر کے ساتھ ہے  
تفلیس سے ہاتھ ملا تو عصر بھی اسے دیکھ کر بہرے خوشی کا اظہار کرنے لگی۔

”اگر کہاں کا تب ہوگی ہو؟“ مختصر۔ بڑی بے تکلفی سے یوں۔

”کہا اب جانا ہے۔ اسی شہر میں جوتیاں ملطانی بچے رہی ہوں۔“ تو واروڑو کی نے کہا۔

”اسی شہر میں؟“ مصدقہ نے حیرت سے پوچھا تو۔ ”مجھ سے ملی کیوں نہیں؟“

”مجھے علم یہ تھا کہ کسی گری میں رافٹی ہو“ وہ شانے اپکاتے ہوئے کہتی۔  
 ”اے جہانم رافٹی نہیں کھڑا۔“ صمصر نے اسے کہا تو اس نے اپنا تپہ ٹاڑ دیا۔ صمصر  
 نے پاس جو کوئی کاغذ نہ تھا۔ صمصر اس نے ہر بھیجی تمام پتہ ابھی طرح وہیں تھیں کر لیا۔ اس  
 صمصر نے کہی۔ اسے اپنا پتہ لکھا دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ گھر کر رہائی جاتی رافٹی جگہ پر پہنچ گیا۔  
 وہ صمصر کو کسی لڑکی کے ساتھ پائیں کر ہوا کہ وہ پتہ قریب آئے یہ جانی کو شہد یہ جھکا لگا  
 کر کہانی حیرت کا جھکا تھا۔

یہ وہ لڑکی تھی جس نے وہ اکثر شارق کے محبت سدا رہے ستودار میں وہ لڑکی تھی۔ اس کی جو باتیں کو بہت دیر سے تلاش تھی۔ جبکہ مفران بھی اس کے لیے کی لڑکی کو اوسط رہا تھا۔ جانی کو تمام سادہ جتنا سادہ نظر آنے لگا۔ وہ اپنی عین پر پہنچے تو وہ لڑکی کی آنکھوں میں روشنی اُٹھ آئی۔ وہ جانی کو دیکھ کر کاٹا ہوا کھیر دیتی تھی۔ وہ روشنی سے پرانی۔

”ہائے دولہا بھائی۔“ وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور بھائی کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔  
 ”آئی، اے ایمان آئی، ایم قرینہ آف میرر سبز۔“

”میں جانتی ہوں اور یہ میری سزا نہیں ہے۔“ جانی نے اس سے ٹیک بٹھایا۔ تو مجھے اور جیت سے بچھٹی ہوئی مضمون کے چرے پر بھی اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ اسے جاتوئی

جہاں کے منہ سے کسی بھی خبر کی توقع نہ تھی۔ مگر وہ سمجھدار اور آواز

”وٹ؟“ دو حیرت سے چلائی۔ ”یہ آپ کی سڑکیں ہیں؟ تو پھر آپ کون ہیں؟“

ایمان کا تجسس بڑھ رہا تھا۔ ”دور اور اصل بات یہ ہے کہ۔۔۔“ جانی نے کہا جاپا۔ مگر اس کی بات اصرار اور اصرار ہو گئی۔ کوئی کہ ایمان کے لیے رقصہ کی طرف دیکھ کر جو خطرہ مسکراہٹ

گھڑی تھی۔ وہ جانی نے محسوس کر لی تھی۔ جبکہ عیسائی کی پوزیشن خراب ہو رہی تھی۔ جانی کو

”میں نے اس کے ساتھ پہلا قدم اٹھاتے ہی اپنے دل میں جھگمک کر لیا تھا۔“

غلام خیال کو جھکے دیتے تھے۔ عصمر سے میرا کوئی روایتی کارشیدہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ میری لاپرواہی کی بنا پر ہے۔

مصر نے چونکہ کربلائی کی طرف دیکھا۔ جس کی آنکھوں میں فی تیرہ دہائی اور

[illegible]



ایمان کھیلانی ہی ہنسی کے ساتھ معذرت کر کے وہاں سے جا چکی تھی۔

"ہانا جیسے ہی میں نے آپ سے رشتہ جوڑا ہے۔" جانی آنکھوں میں آئی ہوئی فی کو پچھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اور اصل زندگی میں تو میں نے جین کر تھا کر دیا ہے۔ حسرت ہی تھی کہ کسی کو اپنا کہتا۔ یہ سناں ان کا تھا۔ اگر آپ کو دکھا دوں تو معذرت خواہ ہوں۔" ہنس نے آنسو چھپانے کے لیے پروں دوسری طرف کر لیا تھا۔ "مصر کو اس سے تو قریب نہ تھی۔ وہ تو محض اس کے ساتھ ایک ماہ کا دور تھا۔" ہانا نے اس کے لیے چلی آئی تھی اور قدرت نے اسے جانی کے درمیان میں ایک بڑا بھائی دے دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے تھے۔ جبکہ دختر حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور تھیل پر گناہ بھی چن رہا تھا۔ دختر کے جانے کے بعد جانی کی طرف دیکھا تو کھمبوں میں سترہاٹھ لوگوں پر سر جاکے ہوئے نظر آئے۔

"اگر وہ اس رشتہ پر اعتراض کر رہا ہے تو بزدلی نہیں ہے۔"

"جانی بھائی! "مصر" نے پہلی بار اسے اس کے نام سے پکارا تھا۔ بلکہ رشتہ بھی چاکر لیا تھا۔

"بس۔ اب رونا دھونا بند۔" جانی نے آگے جھک کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ "کھانا غلط ہو رہا ہے اور غلط کھانا مجھے سزا نہیں دیتا۔ جانی باتیں مکر کر کر رہی ہیں کیونکہ لوگ ہمارے آنسو دیکھ کر جبکہ دوسری چیز ہاتھ کر رہے ہوں گے۔"

ایمان نے کھانے پر ہاتھ صاف کرنے شروع کر دیے تھے۔ مصر جانی کے چہرے کا بھی جائزہ لے رہی تھی۔ جہاں اسے مصیبت ہی مصیبت نظر آ رہی تھی اس کے سفر کی داستان اس کے چہرے پر لکھی ہوئی تھی۔ وہ ایک تھکا ہارا مسافر لگ رہا تھا۔ جو غلت اور کڑی دھچپ میں بے یار و مددگار بلکہ کایا سائیکلو کا پہیوں کی طرف تھکا ہوا اب کسی قسم کی تھکن چھٹاؤں کے لیے پہنچا ہوا۔ جہاں اسے درخت سے ٹھل اور جانی کی ہل گیا تھا اور سستانے کے لیے انجین اور نوٹر سکون جگہ بھی مل گئی تھی۔ وہی ٹھل کر کھٹا کر کھٹا کر نہ سکون ٹیڈر سونا چاہتا تھا۔ ایسا اس کے چہرے پر لکھا ہوا تھا۔

جانی کے بھی ایسے ہی تاثرات تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ مصر کو زیادہ جدوجہد نہیں کرنا پڑی تھی۔ کیونکہ دوسرے پکائے کے پھول جا کر چلی گئی تھی۔ سحر ابھی یہ وہ شہری تھی کہ جسے ہارٹس نے آپا کیا تھا۔ اب وہ بیزار اور محبت بھرے باجیہرے فلم کی بارش اور کھوں کی دھچپ میں ٹوٹا ہوا چھپا کر بکھر اور مناسب زندگی گزار رہی تھی۔ جانی اسے اپنی مٹی کی مین کی طرح نہ سمجھتا۔ ہر طرح اور ہر لگاؤ سے اس کی ہر خواہش کو کھتر چاہتے ہوئے اس کا ستر دم کر کے گامی

ایک بڑے بھائی کا فرض ہوتا ہے۔

شام ہو رہی تھی۔ اب انہیں اپنے اپنے گھروں کو جانا تھا۔ جانی نے اسے ایک گلی میں اٹھا دیا تھا۔

"میں جلدی آپ کے گھر آؤں گا۔" یہ کہہ کر اس نے گلی سے والے کو ایڈر دیس سمجھا۔ اسے کہہ کر وہ اور کافی دور تک جاتی ہوئی گلی کو دیکھتا رہا۔ اس نے ایک فحشی اور بھر کر انسان کی طرف دیکھا۔ آنکھوں سے اعتبار دیکھ کر وہ آواز نکلتی کہ اس کی شرت میں جذب ہو گئے تھے۔ اس نے اس انسان کا بھی شکریہ ادا کرنا تھا جس کی وجہ سے اسے مصر جیسی بہن ملی تھی۔ وہ انسان کا بڑے بڑے فقر کے علاوہ کون ہو سکتا تھا۔ جانی نے جیب سے کھرا لال کر اسے دیکھا اور کھرا سے ایمان نے بھی ہلنے کا پروگرام بنالیا تھا۔ کھیرے میں اس نے ہاپنی چھل حسین کی کئی تصاویر مختلف پرزے بنائی تھیں۔ اب وہ اس باپے سے باقاعدہ ٹوٹ ہوئے جی ملنا چاہتا تھا اور باقاعدہ شہوت اسے ایمان اور انکڑ شادی سے دے سکتے تھے کہ ہاپنی کل حسین کون ہے اور یہ لوگوں کو بے وقوف بنانے کا دھندو کب سے کر رہا ہے؟ وہ جلد از جلد فقران کے پاس پہنچ کر آج کی تمام خبریں اسے من و مہن بتانا چاہتا تھا اور اگلی بار کیا کرنا ہے، یہ بالکل ٹھیک لگے کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ہاس سے گزرنے والی گلی کی کو باجھ کے اشارے سے روک کالو اس میں سوار ہو گیا۔

☆=====☆

ہاپنی حسین اب پوری طرح عمر حیات پہنچ کر ہادی ہو چکا تھا۔ اس نے شیخ کو اپنے ہاس تھانی میں ڈال دیا تھا۔ وہ شیخ کی گھر میں اپنے "آستان" پر موجود تھا۔ شیخ سب کچھ بھول گیا تھا۔ وہ شیخ پاؤں دوڑتا ہوا آستان پر پہنچا تھا۔ اس نے جاکر دوڑا تو پتہ نہ رہا کہ وہ کبھی نہ تھا۔ جبکہ ہاپنی اس کی پشت چھتا رہے تھے۔ شیخ تھی ہی دیرانی حالت میں بیٹھا اب۔ ہاپنی نے اسے کھتر سے پرچھکی دے کر لٹا دیا۔

شیخ کی آنکھیں غراؤ عقیدت سے چلی ہوئی تھیں۔ وہ ہاپنی کے پاؤں دبانے لگا۔ "ایک سمیر مستان پڑا ہے۔" ہاپنی حسین نے شیخ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آپ کو؟" شیخ کے لیے میں حیرت تھی کہ اس کے سر شد کو بھی کئی مسئلہ درپیش ہو سکتا ہے۔

"ہاں شیخ صاحب ہمارے سرخ روں کے سامنے ہمارے ہی تو ہیں۔" ہاپنی نے کہا۔ "آستانے سکون کی سانس خارج کی۔"

”تم کچھ حضور بندہ ہر طرح حاضر ہے۔“ شیخ کے لیے میں عاجزی میں آئی تھی۔

”اس کا کوئی میں ایک قصور اس بار قبول کر رہا ہے۔“ بابائی نے اپنا دماغ بکھول کر آواز کھین شروع کی۔ ”بابا اگر کسی دوزیر یا سفیر یا مشیر کی ستارش یا بھکاری ہی کو کشش سے اسے حاصل کرو۔ اس پر ایک صبر بھائی اس منزل پر زور تھیر کر دیا جاتا ہے۔ تھیرا ہی طرح وہ بھی ہم سے محبت کر سکتے ہیں۔ شیخ صاحب کوئی مسئلہ پر ہم ہوتا ہے شک دے دیتا۔“ بابائی نے غصہ سے ہونے پانی میں ٹھکر پیچک کر اسے دھس کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ شیخ کے اندر لٹائل کچھ بھی گئی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ جس جانت کی طرف بابائی اشارہ کر رہے ہیں۔ وہ کوشش جانت تھا۔ حاجی مہدائے کا اس پر ذریعہ ہونا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے کڑے برہم وہاں پر اسٹاپ لے کر بیٹھے رہتے تھے۔ لیکن وہ کسی کو بھی برا سامان نہ کرتے تھے۔ بلکہ اس مقلد کے سامنے مل کر دانے کے لیے جو بھی سامان وہاں آتے تھے۔ ان کو تھپتھپ کر ہانپانے کے لیے حاجی مہدائے نے اپنے ذاتی لڑچر پر گن میں رکھے ہوتے تھے۔ جن میں مہدائے مخالف گروپ کے غصہ اور تحریک کاروں کا کام دے دیتا تھا۔ چونکہ حاجی مہدائے مقلد کی ہر طرح پر غصہ تھے اور ہر کوئی انہیں اپنے نام سے بھی روک دیتے تھے۔ اس لیے گورنمنٹ نے تو اس طرف توجہ نہ دی تھی۔ لیکن اب جبکہ انہیں نزدیک آ رہے تھے اور ہر کوئی طرز پر سامان بھی مقلد میں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی سوچ شیخ صاحب کے ذہن میں نمودار ہو گئی تھی۔ غبار ہے۔ اب مہدائے کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ شیخ کے ذہن میں بابائی کی آواز کو بھی کوئی دوزیر یا مشیر کی ستارش سے یہ کام کر دیا سکتا ہے تو کر دے۔

سو نے پر ہنس گیا کہ بابائی کا حکم تھا۔ شیخ تو اس پر اپنی جان بھی گالے کو تیار تھا۔ ”کوئی وقت یا مسئلہ درپیش ہو تو رہے دیتا۔“ بابائی جس حسین نے شیخ کو گہری سوچ میں ڈال دیا ہے وہ تو کہا۔ ”آپ نے ہم کیا ہے۔ ہر مسئلے مسائل تو خود بخود ہی دم توڑ جائیں گے۔“ شیخ نے ایک بار پھر اس کے پاؤں کپڑے کئے۔ ”یہ کام آپ کی طرف سے ہم ہے۔ آپ کی دعا اور آپ کے کرم سے ہو جائے گا۔“ شیخ نے بابائی سے ہائی بھر لی تھی۔ ”اور۔۔۔“ بابائی ہلکے دمک گیا۔

”کیسے سرکار کوئی بھی بات ہے۔ جانتا ہے کہ میں۔۔۔“ شیخ ہاتھ باندھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ”میں اور میرا سب خاندان آپ کا غلام ہے۔ آپ حکم کیسے۔ یہ کبھی بکھرے۔“

بدانت تو ہے۔ آپ نہ ہوتے تو شاید ہمیں روٹی بھی نصیب نہ ہوتی۔“ شیخ نے شرک اور کفر کی حد کر دی تھی۔

”در اصل۔۔۔ میں کہتا جانتا تھا کہ وہ سامنے الماری میں سے قرآن کریم جتا دینے جا میں۔“ جس بابائی نے زہرا لگا۔ ”کیونکہ میں نہیں جانتا کہ ہم ابھی اور غلط ہائیں اس کتاب کی موجودگی میں کرتے رہیں۔“ اس نے اپنے کھڑک کا کاشی کے ذہن میں موجود جانتا۔ اب شیخ نے فوراً ہی اس حکم کی قبیل کی اور قرآن کریم اٹھا کر خود جا کر اسٹور میں ایک ایسی جگہ پر رکھ دیے۔ جہاں وہ نہ کسی نظر آسکیں اور نہ ہی کسی پر ہٹنے کے لیے کھولے جائیں۔ وہ نے بھی جب سے اس گھر میں جا چلا تھا۔ اب گھر میں کسی نے بھی رب کریم کو جودہ کرنا تو درکنار اس وحدۃ الشریک کا نام لینا بھی گوارا نہ کیا تھا۔

وہ بڑی عظمت اور بڑی شان والا طور پر جمع ہے۔ ذرا دیر میں کی گئی ہر خطا اور ہر گناہ کی معافی دے سکتا ہے۔ ہر کوئی اس کی ذات میں کسی کو شریک نہ دے۔ اس کے محبوب کی مقدس ذات کے مقلد یا بھاری آخری کتاب کے مقلد کوئی غلط بات کہے۔ غلط نظریات رکھے یا پھر اسے اس اہمیت سے ٹھکانے لگائے کہ یہ کوئی سازندہ نہ ہو تو اسے اس کی بے برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کی رحمت بھی کبھی گوارا نہیں کرتی کہ کوئی بھی اس کی ذات کے سوا کسی کو عبادت کے لائق سمجھائے یا پھر رزق کے لیے کہے کہ یہ اس کی انسان نے دیا ہے۔ وہ بھی کسی اس بات کو اس سوچ کو گوارا نہیں کرتا۔ پھر اس کے غم سے سر ہٹا کر دے والے اس کے حق کا انکار نہ دیتے ہیں۔ اس کی طرف سے ڈال دیے ہوئے دالے طباب کی غلط صورتیں ہوتی ہیں جن میں کچھ اور انسان مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تنہا ہونا کہ جی اس کا مقدر بن کر رہ جاتی ہے۔ پھر اس کا کوئی بھی نہ زبان سال نہیں ہوتا۔

شیخ نے بھی اپنے انسانی راز کو خوش کرنے کے لیے رب ذوالجلال کی صفات میں اس کو شریک کر لیا تھا۔ اس کے سامنے جودہ نہ کرتا تھا۔ اس کے قدموں میں کی کئی منگوں تک ہنکار جانتا تھا۔ اس کے کہنے پر شیخ نے قرآن کریم بھی وہاں سے ہٹا دیا تھے۔

جس سین نے قرآن کریم وہاں سے ہٹا جانے پر کھڑک کا سامن لیا تھا۔ کیونکہ اس آسمانی مقدس کتاب کی موجودگی میں بابائی کو کوئی بھی کلام کام نہ کرنا تھا۔ اب وہ عالیہ تکیم اور بیحدی کھڑوہوں سے مکمل فائدہ اٹھا کر مکمل کیل سکتا تھا۔

اس نے مدنی میں کچھ پر غصہ شروع کر دیا تھا۔ اب وہ کمرے میں تنہا تھا اور تھائی میں برے آدمی کا ساجھی شیطان مردود ہوتا ہے، لیکن جس طور مردود تھا۔ شیطان بھی

کے زیر اثر ہیں۔

"کیا تم جیسا اب بھی اولاد کی طلب ہے؟" بابا قہس نے ایک اور سوال کیا۔

"ہاں۔۔۔ مگر۔۔۔ ابوی اس کی آنکھوں سے پیاں ہونے لگی تھی۔

"کیا اس مسئلے میں تم کو میری مدد اور کار ہے؟"

"ہاں بلکہ شدت سے۔"

"تو بھر میں جیسا کہوں۔ جس پر یہی کر دو گی۔"

"ہاں میں وہی بات کروں گی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ جس میں میرے ساتھ چلتا ہوگا۔"

"ہاں میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔"

"اب تم سو جاؤ۔" قہس نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ بھیرا۔ "تم سو رہی

ہو۔ تم سو رہی ہو۔"

عالیہ بیگم نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ مکمل طور پر سو چکی تھی۔ جبکہ قہس کے اندر موجود

شیطن کی مکمل طور پر جاگ گیا تھا۔ اس نے اٹھ کر دروازے کو کھڑکی لگائی اور پھر بے ہوش

پڑی ہوئی عالیہ بیگم کی طرف بڑھا۔

☆\*\*\*\*\*☆

فخران اور جانی اس وقت اپنے مخصوص اڑے پر موجود تھے۔ جانی نے اسے تمام

واقعات سن من و جان کر دیئے تھے۔ فخران بہت خوش تھا کہ اس کی کوشش سے عصرِ غلط

ہاتھوں میں کھلو جان کر کرچی کرچی ہوئے سے بچا گیا تھی۔ اس نے جانی سے تمام قصا ویر بھی

سنے کی جس اور ان پر مختلف پھولوں سے بھر ہوئی کرنا تھا۔ وہ جانی کو بابا قہس کی تفصیل معلوم

کرنے کے لیے ایمان سے بٹنے پر زور دے رہا تھا لیکن کوئی تکیہ و زین نہ آ رہی تھی۔

"تم نے تو عصر کو اپنی بہن نکالیا ہے۔" فخران نے کہا تو جانی چونک کر اس کی

طرف دیکھنے لگا۔

"تو؟" جانی نے چیختے ہوئے اٹھاؤ سے کہا۔

اور بھانسا باز نہ کیوں ہے؟ ٹھیک ہے وہ ہمیری بہن کی سی تھی۔ مگر ایک بات اس سے کہہ

دینا کہ اب وہ کوئی تو کرسی نہیں کرے گی۔"

"لیکن کیوں؟" جانی بھی کھوکھوڑا ہوا تھا۔ "وہ تو کرسی نہیں کرے گی تو کھانے کی

کہاں سے؟ اور اپنے گھر اور اپنے بھائی کا خرچ کیسے کرے گی؟"

اس کی سوچ اور غلامی اراووں سے بڑا ناگفتا تھا۔ اس نے دروازے کے پاس ہی ہوئی کھنکھ

بجائی ہو کہ عالیہ بیگم کے بندہ رام میں کبھی تھی۔ عالیہ بیگم کچے پاؤں ہی اٹھنے اٹھنے لگا

میں روڑی ہوئی چلی آئی۔ شیخ صاحب کا حکم تھا کہ کسی صاحب کو کوئی شکایت نہیں ہو

چاہئے۔ ابھی تو عالیہ بیگم باہمی کی ہر قسم کی خدمت کے لیے تیار ہوئی تھی۔ وہ جبکہ کر بابا

کے سامنے ٹھکی ہو جاتی تھی اب تک نہ اسے ہوئے تمام ستر اور کالے چادو کے الفاظ کو

چونک عالیہ بیگم کے نام پر ہر روز ہر ماری تو وہ ہوش ہو گئی۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر قہس کی

آنکھوں میں دیکھا تو وہاں شادی کی غماری نظر آئی جبکہ قہس نے اپنے ستر سے عالیہ بیگم کو اس

قد و قد ہوش کر دیا تھا کہ وہ خود ہیرو کی کے عالم میں قہس کی گود میں گر گئی۔

قہس نے اسے ہاتھوں سے پکڑ کر اٹھا دیا اور اپنے سامنے بیٹھنے لگا۔ عالیہ بیگم قہس کی

آنکھوں میں ہی دیکھ رہی تھی۔ جبکہ قہس نے چنانچہ کڑے اور پچھے اس کے ذہن کو اپنے فرائض

میں کر لیا تھا۔ اس گھر میں اس کا یہ پیدا شیطانی وار تھا۔ جس میں وہ آسانی سے کامیاب

ہوئے والا تھا۔

"تجربہ راز تم؟" قہس حسین نے عالیہ بیگم کی نگاہوں میں اپنی چیز دیکھ کر نظر میں گاؤ کر

پوچھا۔

"عالیہ بیگم۔" وہ غمزدہ انداز میں ہوئی تھی۔

"میرے سو اٹوں کے جواب ٹھیک ٹھیک دینا۔"

"جی شکریہ کیجئے۔"

"کیا تم اپنے مرد سے نفسانی طور پر خوش ہو۔"

"نہیں۔" اس نے مختصر سا جواب دیا تو قہس کی آنکھوں میں شیطانی چمک بھی بڑھ گئی

اور اس کے ہوتوں پر اپنے کامیاب انداز کے لیے مسرور بھی ہو گئی تھی۔

"کیا وہ ہے۔" جبکہ تجاری اولاد بھی ہے۔ کیا یہ بیٹے شیخ کے نہیں ہیں؟"

"یہ اولاد شیخ کی ہے۔ شادی کے پانچ سال بعد ہی ردو انیسٹنٹ میں شیخ

صاحب مردانہ صلاحیت سے محروم ہو گئے تھے۔ عالیہ بیگم کے انکشاف نے قہس پر ہم گرا

تھا۔ مگر یہ ہم اپنی ہی کامیابی کے لئے کی بھانے شیخ کی عزت کے پر کچے اڑانے والا تھا۔ وہ

بھر بولی۔

"تب یہ دونوں بیٹے پیدا ہو چکے تھے۔ بس آپ سے میں اپنی خواہشات کا گھڑ گھونٹی

آ رہی ہوں۔" وہ ایسے لہجے میں بات کر رہی تھی کہ وہ ان کا دماغ کسی جادوئی طاقتوں

میت ہو جائے تو چھپائی نہیں جانتے۔ کیونکہ مشق اور مکمل چھپانے نہیں چاہتے۔  
 "ہم اس کا کرتے ہیں کہ ایک سکول جانتے ہیں۔ جہاں پٹھانہ ماسٹر ہو گا اور مسمر  
 تیری میجر ہو گی۔ کیونکہ پٹھانہ ماسٹر اور وہ بھی پٹھانہ ماسٹر ہے۔ اس سکول میں ایک وقت  
 میں بچوں کو پٹھانہ ماسٹر پڑھا دیا کرے گی اور اس کا گھر بھائی چٹا کرے گا۔" غفران نے تجویز  
 دی تو جانی نے آگے بڑھ کر اس کا دست چوم لیا۔

"واہ واہ استاد کیا بوجھ دی ہے۔ لگتا ہے کہ ابھی حیرے اندر کا اچھا انسان مرا نہیں  
 ہے مگر اس کے لیے بہت سارے دیوے دکا ہے۔ سوچ پڑھیں اور پھر سوچیں گے۔"  
 "تم رو پے کی گھڑت کرو۔ وہ یہ بہت ہے میرے پاس۔" غفران نے اس سے کہا تو  
 جانی رجت بول چلا۔

"کیا تم اس نیک کام میں یہ حرام کمان لگائیں گے؟"

"حرام کمان کیسے ہو گیا؟" غفران حیرت سے بول چلا۔

"جو مال بغیر محنت اور جدوجہد کے حاصل ہو۔ اس میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔ یہ  
 لکھ کسی بھی عالم سے پوچھنا۔"

"میں حیرے ساتھ بحث نہیں کرتا جانتا۔ کیونکہ جب غو عالموں شالوں کی باتیں کرتا  
 ہے تو مجھے ہانک اچھا نہیں لگتا۔ کیونکہ میں نے ایک بار سنا تھا کہ تمہیں جب تک مذہب کے  
 حقائق مکمل علم نہ ہو تو بحث مت کرو۔" غفران نے جانی کو بھی حیران کر دیا تھا۔

"اگر کوئی مسلمان غو جانتا ہے تو جواب بتائیں گے کہ یہ کس سے سنا تھا؟ اور میرے ابھی بات  
 سنا کر نے کیسے سن لی؟ اور میرا اس پر طرہ کر کہ نہ میں بھی رکھی؟" جانی طرہ کر کہ انداز میں اس  
 سے سوال کر رہا تھا۔

"وہ جو اسماعیل ہے، شاہدانی کا خدمت گار۔" غفران نے جانی کو ایسے بتا دیا کہ  
 جیسے وہ شاہدانی اور اسماعیل کو جانتا ہو۔ "وہ ایک دن تیار رہا تھا۔ پڑھنے کو تو بڑا خوف آتا ہے اس  
 اسماعیل سے۔"

"غفران بھائی؟" جانی نے بات کر کے غفران کو بھی حیرت میں ڈال دیا تھا۔ "مجھے تو  
 کوئی ڈر نہیں لگتا اس سے۔ وہ تو بڑی محنت اور لڑائی سے سادات کی خدمت کر رہا ہے اور  
 ہر محنت کا ثمر نہ دیتا سرائی کے بھولن کی بڑی عقیدت سے چمکا رہا ہے۔"

"پر تم سے کیسے جانتے ہو؟" غفران حیران ہو کر بولا۔

"خوش قسمتی سے میں کسی شاہدانی کا مرید ہوں۔" جانی کی لگاؤ میں جھک گئی تھی۔

"تم خدا خواست فوت تو نہیں ہو گئے؟" غفران کا بھی سوا بہت اچھا تھا۔ "تیری  
 غیرت گوارہ کرے گی کہ تو شاہدانی کے بیٹے پر اور خصوصیت جہان سکون کام کرتی رہے۔"  
 "اچھے وہ خوبصورت لڑکی ہے؟" جانی نے اس کی بات بکھری تھی۔

"لگتی کیا ہے؟ وہ ہے ہی خاصی خوبصورت اور پیاری کہ۔۔۔" غفران کو جیسے ہوش  
 آ گیا تھا۔ وہ ایک دم جانی کو کھانے والی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ جو جس رہا تھا۔ "یہ تم مجھے  
 کس طرف لگا رہے ہو؟"

"غفران بھائی؟" وہ اچھ کر غفران کے پاس آیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ "میں  
 تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ تمہاری محنت کی باتوں اور ان جذبات سے بہت دور ہوا، لیکن  
 محنت اپنا رنگ ضرور دکھائی ہے۔ میں تمہاری بات سمجھ گیا ہوں کہ ہم عصر کے گھر کا فرچ  
 اٹھائیں گے۔"

"اوہ؟ یہ ہم کون؟"

"میں اور تمہیں غفران بھائی اور جانی۔"

"تمہیں؟" وہ لکھ کر بولا۔ "مگر میں ہی دوں گا۔ مگر فرچ تم کرو گے۔ اسے اس  
 کے گھر جا کر براہ فرچ دے کر آیا کرو گے۔ ہم نے یہ تم پہونگی تو سنا ہے۔ چلو کبھی جیم  
 سکین کے ہی کا سا جانتے تو بھر ہے۔"

"آج آج ہی کا دورہ کیا ہے؟" جانی ہاتھ نہا کر بولا تھا۔ "شیر میں صرف وہی  
 ایک جیم سکین نہیں ہے اور میری بہت سے ہیں جو اس کی طرح امداد کے مستحق ہیں۔"

"سارے شیر سے تو میں محبت۔" غفران نے اپنے ہونٹ جھنجھک لیے تھے۔

"ہاں؟" جانی کا دل خوشی سے چنے لگا تھا۔ "دل کی بات زبان پر آئی جاتی ہے۔  
 میں نے کہا تھا کہ تم محبت لانا لگا دکھائی ہے۔ ہاں محبت تو سارے شیر سے نہیں کی جاسکتی اور تو  
 صرف ایک سے ہوتی ہے اور غفران بھائی تمہیں محبت ہو گئی ہے۔ کیوں نہ ہو تو؟ وہ ہے ہی  
 اسی معصوم پیاری اور پاکیزہ دل چاہتا ہے کہ اسے دیکھنے کی ضرورت۔"

"ابن اب یک یک نہ کر۔" غفران نے اسے اپنے سامنے سے ہٹانے سے روک دیا۔  
 "اچھے ابھی طرح معلوم ہے کہ تمہاری اور مشق ہر اس کا روگ نہیں ہے۔ وہ مجھے پیاری لگتی  
 ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے محبت ہو گئی ہے۔"

غفران بھائی! "جانی آج اس سے کچھ اچھا جانتا تھا۔ "مدیٹ ٹریپ۔ میں سے کہ  
 کوئی چیز نہ آتی ہو۔ اس کے لیے پھر پھر دیکھ میں شرم نہیں کرتی چاہتے۔ ہانک اسی طرح اگر



”کچھ تو خیال کر لیا کر۔ وہ میری بہن ہے۔“

”یہ تو بھی تو میرا بھائی ہے۔“ جانی نے کہہ کر اس کے گلے لگے۔ ”غفران بھائی بھی بھی اس شیم اور بے سہارا کا ہاتھ اور ساتھ ساتھ چھوڑا۔“ غفران نے اس سے پیچھے ہوتا چاہا مگر جانی کا چھٹا مشیوڑ تھا۔

”میں اس چارہ دار عزت کے قائل نہ تھا۔ یہ سب تمہاری محبت اور میرے مرشد کا کرم ہے۔ مرشد تو مجھے بھی بھی تھا نہ چھوڑا ہی گے۔ یہ دینا اور نہ دینا، لیکن تو میرے بھائی ہو۔ مجھے اس دنیا میں درد کی جو کمری کھانے کے لیے مت چھوڑ دینا۔ یہ میری درخواست ہے۔“ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ غفران نے فکسوں کیا کس کے کندھوں کو ملی آگئی ہے۔ یہ یقیناً جانی کے آگے تھے۔ اس بار وہ خود کو اس سے جدا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ جانی کی آنکھیں رونے سے سرخ ہو گئی تھیں۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

”بچاؤ توں جیسی باتیں کرتا ہے۔ غفران زندگی میں بھی نہیں روئی۔ تو اسے رانا چاہتا ہے۔ ٹھیک ہے بھائی۔ تیری مرضی، ملے دو کچھ غفران بھی روئے گا۔ اب تیرے گلے لگ کر غروب کی بھر کر دے گا۔“ کہہ کر اس نے زور کا چھٹا جانی کو ڈالا۔ ”اوتے بھر تیرے سو۔“ جانی غفران کا کون ہے۔ بڑی مایوس دوڑوں کی خبریت کے لیے دعا نہیں مانگ رہی ہوگی۔ جیل چلنے ہیں۔“ اس نے جانی کو بازو سے پکڑ کر باہر کی طرف کھینچا۔ اس نے دروازے کو لگا لگا اور موٹر سائیکل پر بیٹھ کر گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔ غفران نے جانی کو دس ہزار روپے ایٹو اس کے طور پر پکڑا دیے تھے۔ راستہ میں اس نے ماں کی کے لیے عصہ اور بھرا خالد کے لیے چند چیزیں خریدیں اور کھانا بھی خرید لیا۔ آج غفران کا سوڈا تھا کہ وہ کھانا گھر میں ماں کی کے ساتھ کھائے، لیکن عصہ کا بھی خیال دل سے نہ نکلی رہا تھا۔ کیسا سحر ہوگا۔ جب وہ عصہ کے سامنے بیٹھا کھانا کھا رہا ہوگا۔ وہ شراب پائے گی۔ نہیں نہیں۔۔۔ میں شراب پائے گا۔ عصہ تو پڑی گئی ہے۔ وہ کیوں شراب پائے گی۔ غفران سوچوں میں کافی آگے نکل چلا اگر جانی اسے آواز نہ دیتا کہ ”گھرا رہے۔ کہہ جا رہے ہو بڑے بھائی!“ غفران نے چونک کر موٹر سائیکل گھر جانے والی سڑک پر سوڑ دی۔

”میں تو کہتا ہوں کہ ماں جان۔“ جنہیں تکبیر عشق میں داخل کر چکا ہے۔“ جانی نے پیچھے سے اس کے کان میں کہا تو غفران نہیں کر سکتے۔

”اب اگر کبھی اس کی موٹر سائیکل کسی دیوار میں دے ماروں گا۔“ اور جانی

گھر جانے تک خاموشی ہی رہا۔ ماں کی اس دونوں کو کچھ کر جبران اور خوش بھی ہو گئی۔ جانی نے ماں کی کو کہا تھا کہ وہ غفران کو نہ بتائے کہ میں اس کے گھر آتا ہوں۔ اسی وجہ سے وہ جبران ہوئی تھیں۔

”آج میرا بھائی گھر کا راستہ کیسے بھول گیا ہے؟“ انہوں نے غفران کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جو نہ ہاتھ جوڑنے کے لیے عصہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”اے! وہ وہاں حرا۔ آج غفران سوڈا میں لگ رہا تھا۔“ بھی بھول بھوک کے گھر آ بھی جاؤ تو طے مارنا شروع کر رہی ہے۔“ جانی چار پائی پر بیٹھ چکا تھا۔ کھانے کے شراب اس نے ماں کی کو پکڑا دیے تھے اور ڈانچ والے شراب اس نے ایک طرف رکھ دیے۔ ماں کی کے پیچھے پر اس نے ٹال دیا کہ کسی کی امانت ہے۔

”ماں جی آپ کتنا گرم کریں۔ میں اپنی بہن کو سے کراتا ہوں۔“ جانی اٹھ کر جانے لگا تو ماں کی کی استیجاب سے بھری آواز آئی۔

”خود تو کبھی نہ کڑوا کڑوا کھاتا ہے۔ یہ آج بہن کیل سے آگئی؟“ اس نے ماں کی کو غفران کا کس نے عصہ گواہی بہن نہ لایا ہے۔ اب اس کی اس دنیا میں کافی رشتہ داری ہے۔ وہ سحرنا ہوا باہر نکل گیا۔ ماں کی باور پائی خانے میں چلی گئیں۔ غفران نے تو لیے سے مدد ہاتھ صاف کیا اور کھجور کے کپڑے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو ستوار لگے۔ اس نے آج اپنا بغور ہاتھ لایا تھا۔ وہ ہر طرف سے ”شٹ فالت“ نظر آتا چاہتا تھا۔

ماں کی اسے کافی دیر سے دیکھ رہی تھی۔ ”یہ آج اتنا تین ستور کہہ کر جا رہے ہو؟“ ”ہاں جی جی اپنے آپ کو صاف رکھنے کو دل کرنے لگا ہے۔“ اس نے شیشہ چھوڑ کر چار پائی پر بیٹھنا چاہتا تو ماں کی کی آواز آئی۔

”یہ کتنا چٹائی پر رکھو۔ ابھی عصہ اور جانی آتے ہی ہوں گے۔“ غفران باور پائی خانے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے بھی خود پائی کا گلاس بھی نہ بھر کر چاہا تھا۔ آج نہ جانے کیوں کام پر کام کیے جا رہا تھا۔ اٹھتے توئی نے کتنا حسن اور کتنا نور کھار ہے عصہ کے چہرے پر۔

”ماں جی سے اسے دو روٹیوں کی پیچھے پکڑاوتے ہوئے کہا۔

”تو میں کی کروں اس میں؟“ غفران باہر صحن میں چھٹی چٹائی پر آن بیٹھا۔

”جاتا ہے اتنا تو اس کے چہرے پر کیوں ہے؟“ پھر ماں کی بولیں۔

”فکس مانتا۔ خود ہی بتا دے۔“ وہ باہر سے ملی بولا۔

”کون سے گناہ باقی چھیننا کوئی گناہ نہیں ہے۔“ دو گت کر لیا۔

”غلط آدمیوں کی محبت میں رہنا۔ ان کے غم پر یہ دیکھنا۔ خورجی۔ ان کا غلط کاروبار سنبھالنا۔ گناہ نہیں کرنا دیکھا ہے۔“

”یہ سب کچھ تجھے کس نے بتایا ہے؟“ غفران پریشان ہو گیا تھا کہ ماں کو اس کے تمام وعدوں کی خبر ہے۔ وہ تو صرف اتنا جانتا تھا کہ ماں کو صرف اس کے لڑائی جھگڑوں کا معلوم ہے۔

”بھئی شادی کے ہاں بھی چلا جا کر۔“ حیرتی منہ سی مہر سیدھی ہو جائے گی۔ دودھ کچھ اٹھلے دھت کھا رہا ہے۔ بڑی سیوا کرتا ہے شادی کی۔ اللہ ایسی نیک اولاد بھی کو دے۔“

ماں نے اٹھلے دھت کی طرف کی توجہ نہ کیا۔

”اور۔۔۔ میرے بھئی اولاد؟“ اس کے لیے میں سوال تھا۔ اتنی دیر میں بروٹی دروازہ کھلا۔ پانی اور عصیر آگے پیچھے ملتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ عصیر نے سب معمول چادر سے تمام جسم اوجھانچا ہوا تھا اور پھر سے پر قابو تھا۔ اس نے ماں کی کو سلام کیا اور پھر لگا ہوں سے غفران کو سلام کیا تو غفران کا دل جھڑک کر بیٹے سے باہر آنے کو کرنے لگا۔ وہ اپنی دھڑکنوں کی آواز مسلسل سن رہا تھا۔ وہ ادھر ادھر کچھ بچہ رہا تھا کہ گھنٹوں کسی اس کی چوری نہ کچھ لے۔ ماں نے جی سے اندر کر عصیر کا قہار اور اپنے ساتھ ہی بٹھالیا۔

”خالد کہاں ہے۔ وہ نہیں آیا کیا؟“ اس نے کھانا نہیں کھا تھا؟“ ماں نے عصیر سے پوچھا۔ جو قہار اتنا کرشنائی سمجھتی اور اپنے آپ کو کتنی ہوتی ہوئی۔

”چند نہیں ماں گی۔“ کیا بات ہے؟ کتنے ہی دنوں سے دھکے نہیں کھا رہا اور اس کی صحت بھی گری ہے۔ مجھے تو ایک بار پھر اس کی لگرا لاق ہو گئی ہے۔ میں اس کی وجہ سے بہت پریشان رہتی ہوں۔“

عصیر کی پریشانی کا سن کر غفران بھی پریشان نظر آنے لگا تھا۔ محراب نے ظاہر نہ کیا تھا۔

”اللہ غفر کرے۔“ دھیرا دھیرا تو مجھ سے بات کرتی ہم شاد صاحب سے بات کرتے۔ خدا خواست کوئی پھر سن و غیرہ کا معاملہ ہو؟“

پانی اور غفران ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ عصیر بھر بولی جبکہ اس کی نظریں حوا تر بھی ہوئی تھیں۔

”مجھے تو پہلے والی کوئی بات نہیں گئی۔ لیکن وہ کیسی گھٹے بے شہدہ اور اس

”بے وقوفہ؟ اس نے قرآن پاک حفظ کیا ہوا ہے۔“ ماں بھی دیگر سامان اٹھانے باہر آ گئیں۔

”وہ روزہ خانا سے چڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے چہرے پر نور بھیج دیا ہے۔“

غفران چاہتا تھا کہ اس صرف عصیر کی ہی باتیں کرتی رہے۔

”وہ اتنی پیاری ہے کہ دل چاہتا ہے۔ بس اسے دیکھتے تو میں۔۔۔“

”خیر دل کیوں چاہتا ہے؟ تو تو خود جرت ہے۔“ غفران درمیان میں بول پڑا۔

”اپنے منہ اور سر کو صاف کر لیا ہے۔ مگر جی بھلی مت لے اندر سے غفران کو ابھی

باہر نہیں نکالا۔“ جیتر اچھے کھا تھا کہ چڑھنے لگے۔ بھلا اور جو چاہے گا۔۔۔ جیتر اب بھی

تجھے سمجھا سمجھا کر مر گیا۔ وہ بچہ چارہ خود نہ چھانکھا تھا۔ مگر چاہتا تھا کہ اس کی لگوتی اور بھی

اولاد نہ کچھ نہ کچھ ضرور دین چاہے۔ پڑ گیا کسی کی ہے؟“

”مجھے تو نیک کر رہی ہے۔“ غفران نے ناک چڑھا کر کہا۔ تو ماں

جی بٹھ گئیں۔

”تجھے لوبک تو کوئی بھی نہیں کر سکتا۔“ ماں الیہ عصیر تجھے لوبک کر سکتی ہے۔“

عصیر کے نام پر غفران کی تمام مر گئیں تھیں۔ وہ حوا لیتے ہوئے بولا۔

”اس کے پاس کیا پاس اور چنگ پائے ہوئے ہیں اور میرا کون سا کوئی انجان شراب

ہے؟“

”میرا مطلب تھا کہ میں نے اس سے بات کی ہے۔“ ماں نے کہا تو غفران چٹائی

سے ہلک کر کھڑا ہو گیا۔

”کیا مطلب؟“ وہ جرت سے بولا۔ اس کے لیے سے صاف ظاہر تھا کہ جو بھی بات

ہے ماں کی جلدی جلدی اپنی زبان سے کہہ رہا۔

”مطلب یہ کہ میرا تو اس سے قرآن پاک چڑھے گا۔“ ماں نے کہا تو غفران

کے کھارے سے ہوا اٹھ گئی۔

”میں اتنا بڑا ہو گیا ہوں۔ اب مجھے شرم نہ آئے گی۔ ایک جوان لڑکی سے قرآن کریم

چڑھتے ہوئے۔“ دودھ بارہ دینے لگا تھا۔

”شرم بھئی؟“ ماں نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ شاید پریشان ہو

گئی تھیں کہ پانی اور عصیر ابھی تک کیوں نہیں آئے۔ اتنا بڑا ہو کر گناہ کرتے ہوئے بھی

بھی شرم پایا ہے؟“

ہے۔ آنکھیں اندر کو حوض مٹی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اسے شیلٹس کو دکھایا جائے۔ آپ میرے ساتھ چلیں گی؟

"کبھی چھٹی کرتی ہو عصر، بہن؟" جانی بول پڑا۔ "اب میری ڈیڑھ داری ہے۔ تمہاری پریشانی تمہارا دکھ، تکلیف، کچھ میرا مسئلہ ہے۔ تمہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اب کھانا کھانے کی بہت ضرورت ہے۔ کیونکہ بھوک سے میری اور فخران کی آنکھیں بھی اندر کو حوض رہی ہیں۔" جانی کی بات ختم ہوئے ہی قیام لوگ مٹ چکے۔

بڑے بڑے سکون، ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ ماں، بی بی ابھی برتن ہی میٹ رہی تھیں کہ دروازہ دھڑ دھڑ سے چٹا ہوا تھا۔

"کون ہے اے؟" فخران نے اپنے رواجی انداز میں کہا تو فوراً ہی اسے احساس ہو گیا کہ عصر نے اس کی اس آواز پر کوئی اچھا و مل نہ کیا ہے۔

دو افراد گرد و آواز بکھولنے کے لیے گیا۔ دروازہ کھولنے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے کھلیں گئیں، دو جوان لڑکوں نے خالد کو اٹھایا ہوا تھا۔ ان کے ساتھ ایک بزرگ بھی تھا۔ جرحہ کھلے داری تھے۔ خالد ان کے ہاتھوں میں بے ہوش تھا۔ اس کے منہ سے جھاک نکل رہی تھی۔

"یہ ساتھ والی گلی میں بے ہوش ہو کر گر ہوا تھا۔" بزرگ نے کہنا شروع کیا۔ جبکہ عصر، ماں، بی بی اور جانی بھی کھانگ کہ باہر دروازے پر پہنچے تھے۔

"ابھی اسے اٹھا کر پہلے باہی عصر کے گھر لے گئے تھے۔ مگر وہاں سے پتہ چلا کہ آپ ماں، بی بی کے پاس ہیں۔" بزرگ نے عصر کو ہائی کہا تھا۔ کیونکہ ان کے بچے عصر سے قرآن کریم کی تعلیم لیتے تھے اور وہ اسے باقی کہتے تھے۔ اسی لحاظ سے بچوں کے والدین بھی اس کی عزت کرتے تھے۔

جانی نے فوراً خالد کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور فخران کو موٹر سائیکل سٹارٹ کرنے کا کہا۔ عصر رونے لگی تھی۔ جانی اور ماں، بی بی اسے حوصلہ دے رہے تھے۔

فخران نے موٹر سائیکل قریبی ہسپتال کی طرف دوڑا دی۔ ماں، بی بی نے عصر کو اپنے گلے سے لگا لیا تھا۔

"فکر نہ کر میری دینی۔ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ابھی فخران آجائے گا۔ خالد ماشاء اللہ بھلا چکا ہو گا۔ تم دو کھانا۔" ماں، بی بی اسے بہلا رہی تھیں۔ جبکہ اس کی بے چینی اور اناجیہ نے غصے سے اندر کی اندر سے نکال دیا تھا۔

والدین کے بعد خالد ہی اس کا سہارا تھا۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو۔۔۔ اس سے آئے وہ کچھ نہ سوچ سکتی۔ بس آنکھوں نے سادوں کی بھڑکی لگا دی۔

اسی پریشانی میں بڑبڑتے گھنٹہ گزر گیا تھا۔ بے چینی اور مغلطیان کیفیت میں عصر کی اہلی حالت بھی غیر ہو رہی تھی۔ کبھی میں بوری آواز سن کر وہ کانپ کر رہی۔ وہ بھانگی بھانگی باہر گلی میں کھینچی تو ایک ایسے پریس آکر اس کی سرور والے کے سامنے گر گئی۔ اس کے پیچھے میں فخران کی موٹر سائیکل بھی تھی۔ جبکہ جانی پیچھے بیٹھا رو رہا تھا۔ پورا محلہ ایسے پریس کے سائرن کی آواز سن کر اکٹھا ہوا تھا۔ جانی اور فخران نے مل کر ایسے پریس سے سڑ بچھڑا کر اس پر خاندان لپٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ جبکہ اس کے گلے میں کھین بھی تھی۔ اس کا رنگ ہلکا ہوا تھا۔ عصر، یہ اندوہناک خطرہ کچھ روک رہی دھڑام سے گر گئی۔ ماں، بی بی نے روتے ہوئے اسے اٹھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ اتنا بڑا صدمہ، فکریہ نے اس کے مقدر میں کھود پڑا تھا کہ وہ اپنے بھائی کی لاش دیکھ کر سہ نہ تھی۔ خالد کی لاش کو چار پائی بڑا ڈال کر گھٹن میں کھد پڑا گیا۔ فخران کا گھٹن گودوں سے بھر گیا تھا۔

وہ جانی کو دلاسا دے رہا تھا اور جانی اسے حوصلہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بی بی بوڑھی عورتیں عصر کو ہوش میں لانے کی کوششیں کر رہی تھیں۔ باہر گلی میں دریاں بچھ گئی تھیں۔ قاتحی لگ گئی تھیں۔ فخران کو یاد آ رہا تھا کہ کیا پھر اس کے ابا کے فوت ہونے پر اس نے دیکھا تھا۔ کچھ دیر جھوٹے درجن آ رہے تھے۔ عصر کو ہوش آیا تو وہ بیچ مار کر بھائی کی لاش سے لپٹ گئی۔ اس کے دل دھڑا دینے والے ہیں جن پر چھروں کے دل بچا گئے ہوں گے۔ وہ بار بار مٹی کاہری تھی۔ اس کا معصوم بھائی۔ اس کا خالد اس دنیا سے اس بہن سے منہ موڑ گیا تھا۔

"دیکھا عصر۔ آئی۔ میں تمہاری رشتہ پر بہت روؤں گا۔ میں تمہیں جانے نہیں دوں گا۔"

"میں تمہاری سہیلی پر ناچوں گا۔ بارات والوں کو اچھی طرح پینڈل کروں گا۔ کیونکہ تمہارا پاسیہ اور تمہاری ماں میں ہی تو ہوں۔" عصر کو اس کی ہر بات یاد آ رہی تھی۔ ہر ادا یا یاد کروانے کے آسوا آنکھوں سے اگلے پر پیچھ کر رہی تھی۔

وہ عصر کو رنجست ہوتے ہوئے نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس کی بارات کا اچھی طرح پینڈل نہ کر سکتا تھا۔ بلکہ عصر کو کبھی نہ بھولنے والا دم اسے کچھ ہیشت۔ لیکن سوت کی ادائی میں نہ سکون نہ ہو سکتا تھا۔



سات اور صفحہ لیا تھا۔

دل پر گرنے والے آنسو بھرا انسان کو پھٹنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ مگر کسی موقع پر بھی پانی اچھٹ اور اللہ ایت نہیں نکھوٹے۔ ان پر کسی کا بس نہیں چلا۔ ترلے اور متوں والے انسان بھی انہی کا شکار ہوتے ہیں۔ بڑے سے بڑا فنکار اور ڈیرہ بھی۔ حتیٰ کہ ملک کا سربراہ بھی ان کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے۔ یہ کسی کا بھگن نہیں دے سکتے۔ سر عیسیٰ انسان کو نکال کر دیتے ہیں۔ اس قدر مجبور اور بے بس کر دیتے ہیں کہ انسان کا ان پر کوئی بس نہیں چلا۔ یہ اپنی مرضی کر کے چلنے پھرنے ہیں۔

جانی اور فخران جو ان اور بے شک کے درمیان تھے۔ مگر تم کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک دوسرے سے آنکھیں پھیرا کر ان ظالم اور بے رحم آنسوؤں کو باہر نکال دے تھے جہاں کی آنکھوں کی لہ باندش برداشت کرنے سے قاصر تھے اور پھیل پھیل کر باہر نکل رہے تھے۔

مغرب کی فدا کے بعد تالہ کا جنازہ اٹھایا گیا۔ عصمر بچاڑی کی ماری تھی۔ اس عقد کی مسجودا عصاب والی عورتیں بھی روری تھیں۔ اک کبریا مساج کیا تھا۔ اس معصوم کے جنازے پر جوں کتا کتا کر گویا پراشیری اٹھا آیا ہو، لیکن پورے شہر کو کیا پڑی ہے کہ وہ کسی کے دکھ میں شریک ہو۔ ہاں البتہ ان کا ضرور تھا کہ جہاں جہاں سے جنازہ گزر رہا تھا۔ لوگ جنازہ کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہ میرے ملک کے عوام کی بہت سہیلی ہے کہ وہ جنازوں کا احترام ضرور کرتے ہیں۔

فائدہ کی تدفین کے بعد کا مہر فخران اور جانی کے لیے بہت جان لیوا تھا۔ کیونکہ وہ دونوں ہی عصمر کا سامنا کرنے سے سکتا رہے تھے۔ عقد دار پڑھ اور دلا سہ دے کر اپنے اپنے گھروں کو چاچے گئے۔

اب شاہی دلائل، دماں جی، جانی، فخران ہی تھے جو عصمر کو دلا سادے کی کوشش کر رہے تھے۔

”اللہ تعالیٰ نے تمہارے سینے میں اپنی مقدس کتاب کو امانت رکھ دیا ہے۔“ شاہی عصمر کو دلا سہ دے رہے تھے۔ جہاں کے سامنے نظر میں جھکا نے دیر تک اور سوئی ہوئی آنکھوں سے دوا ڈالو تھوٹی تھی۔ ”اس کتاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بے شک اللہ بزرگ نے والوں کے ساتھ ہے۔ میری بیٹی اس اندوہناک فلم پر میں تمہیں کوئی سکھاتا دے کر بڑھائیں سکتا۔ کیونکہ تم سے تمہارا سکھانا چاہا ہے۔ جو دوا پورہ کسی بازار یا منڈی سے نہیں مل سکتی۔ اس سکھانے کا کوئی بھی غم اہل نہیں ہے، لیکن رب دوا اللہ کی کسی کو بھی اس کی قوت

کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ فائدہ کی موت کیسے ہوئی؟ لوگ فخران اور جانی سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔ وہ اپنے غم کو ضبط کر کے ان کے جوابات دے رہے تھے۔ عقد کے بزرگ مہر فخران اور جانی کو حوصلہ اور دلا سہ دے رہے تھے۔

عصمر سے قرآن کریم پڑھنے والے اپنے اور چیلان بھی اپنی بائی کو روتا دیکھ کر زارور تقارور رہے تھے۔ ہاں ہی بھی تم سے طو حال نہیں۔

باہر رول پر پھٹنے پھٹنے کی لہا۔ ”شاہ صاحب آگے ہیں۔“

یہ آواز سن کر فخران اور جانی تو کھڑے ہو گئے۔ ان کی نگاہیں اور شاہ صاحب کے احترام میں بائی لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ جبکہ انہوں نے سب کو پھٹنے کا اشارہ کیا۔ خود بھی روری پر جھٹ گئے۔ دلائل ہمیشہ کی طرح ان کے ساتھ تھا۔

”فخران میاں!“ وہ بولے تو انداز ہی محبت بھرا، اظہار ہوا پر شفقت بھر۔ مگر آج غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ ”زندگی موت تو رب دوا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس عظیم ذات کے ساتھ کوئی لڑائی یا جھگڑا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہی کرتا ہے جو اس کی مرضی ہوئی ہے اور اس کی مرضی ہمیشہ انسان کے لیے بہتری ہی کرتی ہے۔ اس معصوم بچے کی موت پر مجھے ذاتی دکھ ہے، لیکن اس مالک کی ذات کے غم پر میرا کرم کر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔“ وہ خاموش ہوئے تو سب میں ڈوبے ہوئے جانی نے آگے بڑھ کر کہہ کرنا چاہا تو شاہی نے اسے روک دیا۔

”اس لمحہ پر جو بات تمہاری زبان پر آئے گی۔ وہ لوگوں کو تمہاری ذات پر بھی اچھی لگائے گی مجبور کر دے گی۔ بعد میں بات کریں گے۔ تجھے وہ جھٹیں کا بندوبست کرو۔ اللہ تمہیں اور اس بچی کو بھی برکتیں عطا فرمائے۔“ شاہی نے مدنی میں دھن دھن شروع کر دیا۔

آنسوؤں نے عصمر کے غم کو بصورت زہر دناک گالوں پر لکھیری ماری بنادی تھیں۔ یہ آنسو بھی بڑے غالم ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی رنگ نہیں ہوتا۔ ہاں لیکن جانی ہے اور جانی کا کوئی رنگ بھی نہیں ہوتا۔ یہ رنگ بدلتے موسموں کی طرح، اس دور کے بدلے حراج انسانوں کی طرح ان کا بھی کوئی حراج نہیں ہوتا۔ یہ غم وہ لوگوں کی عقل میں ٹھکن حراج کی بجائے پھیل پھیل کرتے ہوئے آنکھوں کو بھگوتے ہوئے ان کے حسد کو ڈر کر باہر نکل آتے ہیں۔ جب خوشی ہو تو ان کی اداسی کا کوئی ٹکڑا ہی نہیں ہوتا۔ تب بھی یہ آنکھوں کے قہر خانے میں رہنا پسند نہیں کرتے۔ اب بھی اپنے آپ کو مکمل طور پر بچا کر عصمر کی آنکھوں میں سرخی بنادی تھی ان آنسوؤں نے۔ اب اس کے دل پر گر رہے تھے۔ کیونکہ انہوں نے ایک نیا

برداشت سے زیادہ دیکھ، تکلیف، یا غم نہیں دیتا۔" شاہو بھی کچھ دے کے لیے رکے تو مصمم کے آنسو جواب تک رک گئے تھے۔ شاہو صاحب کی محبت بھری حوصلہ افزا آوازوں سے دوبارہ چلے گئے۔

"رب تعالیٰ نے جس میں چلتی کے روپ میں ایک بھائی اے کرتیوں ہی رہتے ہو رہے کر دیئے ہیں۔ کیونکہ جانی عمر میں تم سے بڑا ہے۔ آج سے تمہارا پتہ تمہاری ماں اور تمہارا بھائی بھی چلتی ہی ہے۔ اس کی ذات پر اعتماد کرنے کی میں ضمانت دیتا ہوں۔ تمہارے بچن جانے والے سے لوٹ اور شخص دشمنی کا کوئی قسم اہل نہیں ہے۔ مگر رب تعالیٰ نے وقت بہت بڑا مرحلہ اور صبر بہت بڑا پتھر ڈالا ہے۔ جسے ہم سب کو اس کی رضا سمجھ کر اپنے دلوں پر رکھنا پڑتا ہے۔ بس میری پٹائی پر سوچ کر صبر کر کے کچھ اور کچھ اور حیرانم کر بلا کے شہداء سے بڑا نہیں ہے۔ مغربی دشمنی انتہا اور نسل دشمنی انتہا جہاں کے بھی تمام خاندان نے ان کے سامنے جام شہادت نوش کئے تھے۔ کیونکہ شہید ہونے والے اپنے مصمم بھائیوں کے اجسام مبارک سے لپٹ لپٹ کر دوتا چاہتی تھی۔ مگر کاتب تقدیر کی مرضی نہ تھی۔ یہ کہہ کر شاہو بھی کی آواز بھرا آئی تھی۔ "اللہ تعالیٰ نے صبر پر عمل ہی ہونے کی تلقین کی۔ انہوں نے اپنے عقیم ہونے کا ثبوت دیا ہے تاہم جان صلی علیہ وسلم کے بتائے راستوں پر چل کر طبیعت اپنی دلی کے سامنے سر جھکا پاؤں اور خود ہونے۔ یہاں کے کتا بگاڑنا تمام چیزیں بھی روپ کریم کے خم پر اور اہل بیعت کی تقلید پر عمل ہی ہو کر صبر کرنا ہوگا۔ ورنہ وہ خائف کا کات ناراض ہو جائے گا۔ میری پٹائی سمجھو۔ اسے یہ کہ تم صبر کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑو گی۔ یہ گھر اور اس کی دھڑیل تھارے لیے بابرکت ثابت ہوگی اور تمہارے مقصدوں والے قدم اس گھر کے لئے خوش قسمتی اور اللہ کی رحمت کے دروازے کو مل جائیں گے۔" یہ کہہ کر شاہو بھی نے اٹھتے ہوئے مصمم کے سر پر ہاتھ رکھا اور مدنی منہ میں دیکھ کر اس پر چمک دیا۔

شاہو صاحب تو چلے گئے۔ مگر ان کی ہانک نے مصمم کے لیے اکسیر کا کام کیا تھا۔ اس نے روئے باز نہ کر دیا تھا۔ اب جی اس کے لیے دودھ گرم کر کے لے آئی تھیں۔ مصمم نے اٹھا کر کیا تو انہوں نے زبردستی اسے دودھ چاکھونٹ دے دیئے۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہاں جی کی گود میں ہی سر رکھ لیے لیے کھری خند سو گئی تھی۔

غفران اور جانی میں جی کو ہاتھ کر گھر سے باہر نکل آئے۔ مٹنے چلنے والوں نے سن سے آنسوں کیا۔ دودھوں پیل ہی پیلے ہوئے ہزار کی طرف لگ گئے۔

"ڈاکٹر ڈکے مطابق خاندان کی موت زیادہ فضیلت لینے کی وجہ سے ہوئی ہے۔" جانی

نے ہاتھ شروع کی تو غفران نے چمک کر اس کی طرف دیکھا۔ "غفران بھائی۔ اس مصمم سے ہے ان درندوں کی کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔"

"وہی جو میری اور شیخ مرغیات کی ہے۔" غفران نے فی البدیہہ جواب دیا تو جانی حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ "ہاں جانی، میں جانتا ہوں کہ جس سکول میں خالد جی رہتا تھا۔ اس میں خلیفہ تھانہ کی سہیلی کرتا ہے۔ اس تمام گروپ کا سربراہ وہاں ہے۔ جو شیخ مرغیات کا ناس بندہ ہے۔ وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا تو جانی بول پڑا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں مصمم کے آنسو پر چھٹا چاہتا ہوں۔"

"وہ تم کو۔"

"مجھے دو دن بعد بھجوائے گا۔ یہ چاہئے۔"

"اس سے کوئی کام نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ تو ایک بڑے چلے ہے۔ اس کی دیر شیخ کے ہاتھ میں ہے۔ ان ڈاکٹروں کو ہانے والے ہاتھوں کو کھانے کا گروپ غفران بھائی۔"

"نکل کر کوئی کہنا چاہتے ہو۔" اس نے جانی کی طرف انورہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"مصمم کے آنسو پر چھٹنے کے لیے میں بھی بے یقین ہوں۔ مگر تمہاری رضا مندی کے بغیر میں کوئی بھی انتہائی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ منجور یہ ہے کہ اس ملک سے بیرون وطن اور نسل کی نسبت تب تک قدم نہ ہو گی جب تک یہ کسی معذور وزیراعظم یا پھر کسی موہنی وزیر کے جہان بیٹے کو اپنی بیعت میں نہ لے لیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" غفران نے جانی کی بات نہ سمجھنے والے انداز میں ہاتھ ہا کر پوچھا۔

"میں احمد باؤ کو اس نسل کی امت بنی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس شخص میں اس کا دربار کرتا حضرت شیخ مرغیات ہی ہے۔ اس کے گھر کا واحد چراغ میں اسی کی چارٹوں سے جھلکا چاہتا ہوں۔" جانی نے کہا تو غفران کو اس کے خطرناک عزائم کا علم ہو گیا۔ وہ بھی مصمم کو روکنا چھوڑ کر آیا تھا اور مصمم کے آنسو پر چھٹنے کے لیے انہوں نے خطرناک لاکھڑی مل تیار کر لیا تھا۔

"شیخ مرغیات اب تمہاری زندگی سے خوشیاش رو دھ گئی ہیں۔" غفران بڑبڑاتے لگا۔ بڑبڑاہٹ اس قدر بھڑکی کہ جانی بھی سن سکتا تھا۔ وہ دھجڑ بڑبڑا۔

"آج سے اپنی آنکھوں پر ماتم کرنا شروع کرو مرغیات، کیونکہ تم نے مصمم اور

پاکیزہ عصمہ کوڑا لایا ہے۔ غفران کی عصمہ کوڑا لایا ہے۔ اپنے مہرت ناک انجام کے لیے تیار ہو جاؤ۔

\*\*\*\*\*

شیخ عمر حیات اور اس کی بیٹی بابی کے لیے شایک کر رہے تھے۔ بابی نے انہیں بتایا تھا کہ اس کی سائمر آ رہی ہے۔ علیہ الامہ باؤ اور عالیہ بیگم اپنی اپنی طرف سے ایک مندر اور جنتی جتنے کی تلاش میں تھے۔ وہ کی شایک مسنجر اور گنت شاہیں دیکھ چکے تھے۔ ابھی تک کوئی بھی چیز ان کو سنا نہ کر سکی تھی۔

شیخ صاحب نے تقریباً چالیس بجیں اپنی کپڑے کے سوٹ خرید لیے تھے۔ نہیں کپڑا بیٹیا کافی قیمتی تھا۔ اس کی مالیت ہزاروں روپوں میں بن گئی تھی۔ وہ گاندھار جو کہ شیخ کو جانتا تھا۔ اس نے شیخ کی طرف سے دو ہزار روپوں کو ایک چم کر رکھ لیا۔ بیٹیا اس کی اس بے خوف گاہک سے پانچ سو روپے کی رقم لے لی تھی۔

عالیہ بیگم نے بابی کے لیے ایک قیمتی مٹری پینڈ کی تھی۔ وہ مٹری کی دونوں سے سرشاری اور بے طوری کی ہی کیفیت میں مسرت تھی اس کے چہرے پر مصافحت اور سکون تھا۔ اسے دونوں بعد خوشی محسوس ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ دونوں جتنی ہوئی دھوپ میں بیٹھے والے مسافر کو چاہے ایک شیشے پانی کا کنواں مل گیا ہو جو کہ لہا لہا بھرا ہو۔ اس مسافر کی بیانی بھالنے کے لیے اس کو بیس کا سامنے آ جانا بیٹیا مسافر کے لیے مقررہ ہے کہ نہیں تھا۔ بجلا حالت عالیہ بیگم کی تھی۔ وہ خود کو ہواشا بیٹا ش اور ہلا چکا محسوس کر رہی تھی۔ اب وہ مزید جان تو کر رہا مانی کی "نعمت" میں لگ گئی تھی۔ کیونکہ وہ اس کو بیس کی بھی خشک نہ ہونے دیکھ پاتی تھی۔

بیگم نے بھی بابی کے لیے ایک سونے کی چین اور ایک برصاف پینڈ کیا تھا۔ بازار میں ہر کسی کو گاندھاری خواہش تھی کہ وہ کوئی آسانی ان کی دکان میں آکر خریداری کرے۔ مگر ان کے گھر سے بہت اونچے تھے۔ وہ کسی بھی ایسی دکان میں نہ جاتے تھے جس میں بیٹکوں روپوں کی ادھیان اور گلفس فروخت ہوتے تھے۔ بلکہ ہزاروں والی مالیت کی دکان میں جا کر راحت محسوس کرتے تھے۔ شام کو چھ بجے گاندھارین امہ باؤ کو بھی پینڈ نہ آیا تھا۔ اس نے اپنی شایک اسکے دن کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ یہی قلم کا پروگرام تھا کہ شایک دھنی جا کر کی جائے۔ مگر بابی نے ان پر کرم کیا اور خود کمر لکھ سے کلام لیتے ہوئے انہیں روک دینی جانے سے روک دیا تھا۔

امہ باؤ اپنے بھی بھجا ہوا تھا۔ عصمہ کے جانے کے بعد اس کی بھو میں نہ آ رہا تھا۔ زونگی کی گاڑی کو پیسے بٹھیلے۔ اس نے کئی بار عصمہ کے گھر کے پتھر لگائے تھے۔ مگر دروازے پر پڑا تھا اور پتھر کا کام نہ مارا لوٹ آتا تھا۔ پتھروں کو دہن ٹانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔ وہ ناراض کیوں ہوئی تھی۔ اسے عصمہ کی ناراضی اور فرم سے استعفیٰ کی اطلاع اس کی بیکری لڑنے کے دے دی تھی۔ کیونکہ عصمہ نے یہ اطلاعات ڈاکریٹ امہ باؤ تک نہ پہنچائی تھیں۔

گھر میں بھی کو پتہ چل گیا تھا کہ امہ باؤ کسی لڑکی کے پتھر میں پکڑا کر رہ گیا ہے۔ مگر عصمہ کا نام اس نے مسند راز میں رکھا تھا۔

وہ بازار سے واپس جا رہے تھے کہ بالکل بازار کے باہر عصمہ اور ماں بی بی امہ باؤ کی نظر پڑ گئی۔ ابھی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شیخ نے بھی ان دونوں کو دیکھ لیا تھا۔ وہ عصمہ کی شکل و صورت سے واقف تھا۔ کیونکہ وہ اس کی سائمر میں امہ باؤ کی مہمان کی حیثیت سے شرکت کر چکی تھی۔ جبکہ ماں بی بی کو دیکھ کر اس کی کنویر سکڑ گئی تھیں۔ امہ باؤ نے گاڑی ایک طرف روک کر جلدی سے دروازہ کھولا۔ اس سے پہلے کہ شیخ تمام معاملہ سمجھتا اور امہ کو روک پاتا، امہ بی بی سے باہر نکل چکا تھا۔ شیخ نے اسے پیچ دبا کھانے لگا۔ علیہ اور عالیہ بیگم کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ امہ اس لڑکی کے لیے نکلے اور باؤ جوتہ برائے ساتھ تھی۔ بیٹیا اس کی ہی کوئی بھینگی، بھانجی ہو گی اور امہ باؤ اپنے ملازموں سے بھی جڑ کر لوگوں کی منت نہایت والے انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔

"آپ کو اتنا ہوا کہ میرا قصور کیا ہے۔" وہ عصمہ سے لجاہت بھرے لہجے میں بولا تھا۔ "ماں بی بی آپ ہی اسے سمجھائیں۔ میں کئی دنوں سے اسے ڈھونڈ رہا ہوں۔ پلیز آپ بتائیں۔ کیا بات ہے آپ کیوں ناراض ہیں؟"

"پتھروں میں بی بی۔" عصمہ نے اس کی منت نہایت نظر انداز کرتے ہوئے ماں بی بی سے کہا تو امہ ماں بی کا بازو پکڑ کر ان کی منت کرنے لگا۔

"کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے بغیر زندہ نہیں رہا جاتا۔" وہ عصمہ سے مخاطب ہو کر بولا جبکہ اس کی نظریں ماں بی بی سے جیسے جوتہ سکون انداز میں گھڑی تھیں۔ وہ معافے کو گھٹکی کو بخش کر رہی تھیں اور کائی مدد تک بھیجی گئی تھیں۔

جس طرح اب جو مولے سہاروں کے بغیر زندگی گزارنا سیکھے سر۔" وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ اس کی آواز بھرا ہوئی۔

امہ باؤ شیخ کا بازو پکڑ کر گاڑی تک لے آیا اور گرم شیخ کو گاڑی میں بٹھا کر گاڑی گھر کی طرف بھاگ دی۔ آج قدرت نے شیخ کے ساتھ جو کیا تھا وہ بھینسا کے لیے سبق تھا۔ کیونکہ اس نے ماں کی کوٹری پر اور صبح کچھ کر گندہ بونے کی انتہا کر دی تھی۔ وہ انہیں مجبور لاچار اور بے بسی کچھ رہا تھا۔ مگر ماں جی کے چھڑوں نے اسے بتا دیا تھا کہ غریب سے بڑا شریف اور بدعاش کوئی نہیں ہوتا۔

غریب مجبور ضرور ہوتا ہے مگر بے بسی نہیں۔ لاچار ضرور ہوتا ہے مگر کمزور نہیں۔ خوبصورت ہوتی ہے غیرتی پر بھی نہیں آتا اور اپنی انا اور عزت کی خاطر جان کی بازی ہیشہ غریب اور خود دار نے ہی لاکھی ہے۔ اب سر بازار چھڑوں نے شیخ عمر حیات کو بتا دیا تھا کہ بڑا غریب ضرور تھی مگر بے غیرت نہ تھی۔ اپنی شریف ذات کے متعلق وہ قلمد بات نہ من کی اور شیخ کے دھب اور امارت کا بھی خیال نہ کیا تھا۔

شیخ خاموشی سے گاڑی سے اتر اٹھا۔ وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ذرا پہلی اس بے عزتی کا بدلہ لے لیا جاتا تھا۔

وہ خاموشی کے دھند گھٹوں میں ٹھوکر اس عورت کا جو دکھونے لگا۔ ایک غریب اودھ کا چار عورت کو اتنی جرأت اور خود کس نے دیا تھا کہ اس نے شیخ عمر حیات کے چہرے پر چھڑی مار دی تھی۔

☆=====☆

”امیر علی! عام کا ہی نہیں بلکہ کچھ کا امیر بھی تھا۔ ایک بہت بڑی ٹیکہ کل کا مالک امیر علی اپنے اکلوتے بیٹے شیخ عمر حیات کو لے کر سید رشید حسین بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باپ کو اتنی دولت اور امارت کے باوجود شادی کے سامنے دواؤں بیٹھے دیکھ کر عمر حیات نے بھی باپ کی تقلید کی۔ مگر عمر کے عمر حیات کو علم نہ تھا کہ اس کا باپ اسے کیوں یہاں لے کر آیا ہے۔ وہ تو بس اتنا جانتا تھا کہ امیر علی ان بزرگوں کا مریہ ہے اور اللہ کی رحمت سے امیر علی نے جتنا بھی کیا ہے۔ مرشد کے فیض سے اور سخاوت کرنے سے دن بدن دو گنا ہی ہوتا جا رہا ہے۔ دولت اور بے نقیض زندگی لے لی ہیں میں ہی عمر حیات کو خندیں اور خود سر ہانپا دیا تھا کہ اتنی بھی چیز حاصل کرنے کے لیے وہ امیر علی کا ناک میں دم کر رہا تھا۔ وہ بھی اکلوتے بیٹے کی ہر خواہش پوری کرنے کے لیے اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ پر پہل چڑھا دیتے تھے۔ اب شیخ عمر حیات نے بی بی اسے کر لیا تو امیر علی اسے گاڑی میں بٹھا کر لٹاؤ دہی کے ڈبے پر لے آیا تھا۔

”نیکن! وہ دردناک ہو رہا تھا۔“ میں نے آپ کے ساتھ کوئی کمر، فریب اور دھوکہ نہیں کیا۔ آپ یہ کیوں کہہ رہی ہیں؟“

”اگلی دہر میں شاید شیخ کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا تھا۔ وہ بھی ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ ماں جی نے شیخ کو کچھ سلام کیا تو اس کی توجہ پاؤں پر نہ گئی۔

”بیٹے نے کیا کم نقصان پہنچایا تھا؟“ دو شیخ کچھ بے بسی جی سے مخاطب تھا۔ اس نے سلام کا جواب دینے لگی گوارا نہ کیا تھا۔ ”اب اپنی اس خوبصورت آفت کے ساتھ میرے بیٹے کو بچاؤں رہی ہو۔“

”پاپا آپ بات کو کچھ نہیں رہے۔“ امہ باؤ میان میں بولی پڑا۔ جبکہ عصمہ اور ماں جی شرم سے پانی پانی ہو رہی تھیں۔ سر بازار ان کی تو چونچ لپٹا ایک لپٹا تھا۔

”تم خاموش رہو؟“ اس نے امہ باؤ کو کھڑک دیا۔ ”جانتے ہو اس عورت کو۔“ اس نے ماں جی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امہ باؤ سے کہا۔ ”اس کا کام ہی یہ ہے۔ یہ

خوبصورت لڑکیوں کو امیر لوگوں کے بڑوں اور گھروں میں کام دلوا کر اپنی عیاشی پوری کرتی ہے۔ اس کی ذات جانتے ہو؟ یہ ایک کم ذات اور شیخ عورت ہے۔“ وہ بول رہا تھا اور لوگ جہوم کی شکل میں اٹھتے اور سے تھے۔

”کچھ بازار میں ایسی ہوتی ایک خواہف بھی شرم و حیا کر جائے گی۔ مگر یہ عورت۔“

خدا کا دماغ دردوراد چھڑوں نے شیخ کی بات اس کے من میں ہی رہنے دی تھی۔ مجھ پر سنا چھٹا گیا تھا۔ خود شیخ کو بھی پتہ نہ تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا۔

ماں جی نے شیخ کو بات بھی پوری نہ کرنے دی تھی اور نہ نے دار چھڑوں سے اس کی طبیعت صاف کر دی تھی۔ وہ گال پر ہاتھ رکھے ماں جی کو گور رہا تھا۔

”آکھ وہ تک میرے سامنے نہ آتا۔ جب تک ان چھڑوں کی گونج اپنے کانوں میں اور ان کی تپش اپنے گالوں پر محسوس کرتے رہو؟“ ماں جی نے داغی اٹھا کر کہا۔ اس پر بھی وہ چپ نہ ہوئی تھیں۔ ”پہلے اپنے باپ کی شناخت کرو عمر حیات، ہر گز شریف عورت کے بارے میں اپنی گدی زبانی استعمال نہ کرنا۔“ ماں جی تو بہت جگہ کہنے والی تھیں مگر عصمہ انہیں کھینچ کر لٹاؤ دھنکے دھنکے کے جھرمٹ سے سے باہر لے گئی۔

شیخ عمر حیات کو لوگ بہت اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی اس توہین کو بھی نہ بھلا سکے گا۔ میں اور عالیہ کچھ بھی گاڑی سے باہر آگئی تھیں۔

شاہی اپنی مخصوص مسکراہٹ سے ان دونوں کو خوش آمدید کہہ کر زمین پر بھیجی ہوئی سمجھ کر چٹائی پر ہی بیٹھ گئے اور مریات جہز اگلی سے اپنے باپ کو کچھ رہا تھا۔ جو لکھ جی ہونے کے باوجود اپنے سنے لباس کی پرواہ بغیر دروازہ کھولا گیا تھا۔ اس طرح اسے بھی بیٹھا پڑا۔ گو کہ دل میں ڈیال تھا کہ نئی ہونٹ شرت مٹی سے گدی ہو جائے گی، لیکن باپ کا حضورِ اہمیت رعب بھی تھا۔

"امیر علی!..." شاہی گویا ہونے۔ "میرے کام کا کیا ہوا۔"

"آپ کا حکم سر آنگھوں پر مہیاں تھیں۔" امیر علی کے لیے کی جہزی نے مریات کی طبیعت کو اور بھی مکدر کر دیا تھا۔ وہ جہز اگلی سے امیر علی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس کے باقیت نظر پناہ سزا مریات کا کام کرتے تھے۔ اس کے بعد دوسری شفت میں بھی نظر پناہ سزا کی آدمی کام کرتے تھے۔ مگر یہاں آکر اس کو کیا ہو گیا تھا۔ وہ تو شاہی کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

"سرکار کے حکم کے سن مطابق کس سامان اور کون کونسی بھی نہ پراں کو پہنچا دی ہے۔" آپ کوئی اور حکم کریں۔" امیر علی نے کہا۔ تو شاہی کے چہرے پر غمناہٹ بکھلی مسکراہٹ بکھلی تھی۔

"خیر پراں نے اپنی بیٹی کی شاہی کے بعد ایک اور درخواست ہم سے کی ہے۔" شاہی جی ہونے۔ "وہ یہ کہ اس کو چاہتا چاہتا نہیں چاہتا۔ وہ اسے کسی کام پر لگا دے گا۔ جی ہاں اس کی آمدنی سے اس کے گھر کا چرچا چلتا رہے۔" وہ کھنکھارے کے لیے دے۔ "تم تو جانتے ہو کہ امام دین کی وفات کے بعد ان دونوں بیٹیوں کا کوئی نہ مال نہ تھا۔ تم نے ان کے سر پر دستہ شفقت رکھا تو ان کی زندگی کی گاڑی چل چلی ہے۔" شاہی خاموش ہونے تو امیر علی تڑپ کر رہے۔

"میں کہاں؟ اپنی میری جہزات اور اوقات کہاں کن کے سر پر دستہ شفقت رکھ سکوں۔" امیر علی کی نگاہیں بدستور بکھلی ہوئی تھیں۔ "تو اہل کی کرم نوازی ہے کہ اس نے آپ کی ذات کو خیر بنا کر گھٹے لنگر کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ سب آپ کے قدموں کے فیض میں ہوا ہے۔ نہ پراں سے شک غریب ہے۔ مگر آپ کی مرہ فی ہونے کے باغی میری جہز بکن بھی ہے۔ میں نے اس سے کچھ دیا ہے کہ وہ بھی چچی کی ضرورت محسوس کر سکتا تھا۔ لہذا مجھے کچھ دے دیا۔ ایک بھائی کچھ کر۔" امیر علی خاموش ہو گیا۔

"تو پھر اس کے بیٹے کے روزگار کو کوئی حل واضح دے دے۔" شاہی کی اس بات کو بھی مریات نے پانپندہ کی کے ساتھ سنا اور سوچنے لگا کہ سارے زمانے کے غریب کا

صرف امیر علی نے ہی فیکہ لے لیا ہے۔ اس سوچ کے ذہن میں آتے ہی اس نے صاحبی نظروں سے شاہی کی طرف دیکھا۔ جو اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جیسے اس کی سوچ انہوں نے پڑت لی ہو۔

"ان شاء اللہ یہ کام بھی آپ کے حکم کے میں مطابق ہوگا۔" امیر علی نے کہا۔ اسی وقت باہر سے ایک ادھوا ہوا جوان غولے کے کتن میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کپڑے کا ایک تھیلا تھا۔ جس میں میزی و دیگر برہمی ہوئی تھی۔ اس نے امیر علی کو سلام کیا تو امیر علی نے بھی سر کے اشارے سے اس کے سلام کا جواب دیا۔ آنے والے نے تھیلا شاہی کے پاس رکھ دیا اور خود ان کے پیچھے کھڑے ہو کر ان کے کندھے دبائے لگا۔

"کیسے ہوا امیر علی؟" امیر علی نے پوچھا۔

"انڈا کا کرم ہے۔ حاجی صاحب اور مرشد کی مہربانی ہے۔ صدقہ بقیوں پاک کا بھعد سرور ہوں۔" امیر علی کے جواب نے مریات کو حیرت و حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔

امیر علی اس کا جواب سن کر مسکراتے ہوئے بولے۔ "اب تو دل نہیں کرتا کوئی شرارت کرے گا؟"

امیر علی کی نگاہیں جھک گئیں۔ "جس دور کی گدائی کرنے کے لیے شرارتیں کرتا تھا۔ اب اس دور" زندگی گزارنے کا موقع مل گیا ہے۔ اب تو کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔" امیر علی کی بات سن کر شاہی کی مسکراہٹ کے لیے کھنکھارے۔

"امیر علی یہ امیر علی ہی ایسا فرد ہے جو حیرتی حقیقت کو چاہا ہے۔" امیر علی مسکراتے لگا۔ "اور تو پراں واحد عورت ہے۔ جس کو پتہ ہے کہ تم کون ہو؟" شاہی کے بتانے پر امیر علی کی نگاہیں جھک گئیں۔

"شاہی؟" امیر علی بھڑک لایا۔ اس کی طبیعت میں بے چینی پائی جا رہی تھی۔ وہ ڈر رہا تھا کہ بات کرے یا نہ کرے۔ "شاہی امیں اچھے اس اٹھو تے بیٹے کو آپ کی نگاہ میں دیکھا جاتا ہوں۔" امیر علی نے ڈرتے ڈرتے بات کہہ دی۔ تو شاہی کی نظروں میں امیر علی کے پہلو میں بیٹھے ہوئے جو ان مریات کی طرف اٹھ گئیں اور بولے۔

"کیا چاہتے ہو امیر علی؟"

"میری اتنی اوقات نہیں کہ اپنی طلب بتاؤں۔" وہی عاجزانہ لہجہ جو مریات کو چرانے کے لیے کافی تھا۔ "میں میری درخواست ہے کہ آپ اسے بھی جیت کر لیں۔" دل کی بات امیر علی کے ہونٹوں سے نکلی تو مریات نے چونک کر باپ کی طرف دیکھا لیکن امیر

علی کی انہیں بھی ہوئی تھی۔ سر حیات کو قصداً روئے پٹنی نے منہ پھرنے پر مجبور کر دیا۔  
 "زیست کا مطلب ہے بیک جا نہ اپنے آپ کو فروخت کر دینا۔" شاہی بولے۔ "جس  
 مرشد کا مل سے دست و حق پر بیعت کر لی جائے۔ وہ ہاتھ بیکر بھیگی لی ان ہاتھوں سے جس ننگے  
 چائیں۔ کیونکہ سادات سلسلہ ہوا بغیر سادات۔ مرشد کا مل کے ہاتھوں میں دیا جانے والا  
 ہاتھ سلسلہ در سلسلہ چلے ہوا۔ مشق و معرفت کی محنت منازل طے کرتا ہوا مومن کو کائنات صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے خوبصورت اور مہبط ہاتھوں میں جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جس نے  
 میرے محبوب کا دامن رحمت تھاما گو اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔" وہ خاموش ہو کر عمر حیات  
 کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر گویا ہوئے۔ "اور پھر زیست ہونے کے بعد مرشد کے ہاتھوں سے  
 ہاتھ چھڑانے والا تینا بد بخت اور کھرا ہوا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ہاتھ ہر وقت مرشد کا مل سے  
 چھڑاتا ہے۔ مگر نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن بھی چھوڑ دینا ہے اور جو  
 ان کا دامن چھوڑتا ہے۔ اللہ بھی اس سے نگاہ رحمت کو پھیر دیتا ہے اور اس کو چھوڑ دینا کے  
 خالصوں میں شمار کرتا ہے اور ہر شک خالوں کی روشنی کٹی کر دیتا ہے۔ مگر ایک کھرا ایسا بھی آتا ہے۔  
 جب وہ اس کی مٹا نہیں سکتا ہے تو اس منکر کی دنیا اٹھل چٹھل کر دیتا ہے۔ اس طرح کہ وہ بیکوں  
 کا کتھن کر دے اور ہونے کو مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کے محبوب کے در کی گولائی مانگی بہت آسمان  
 طلب ہے۔ مگر اس کو کائنات جہاں انتہائی گھٹن ہے۔"

شاہی خاموش ہوئے تو امیر علی کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو رہی تھیں۔ وہ سمجھ  
 گیا کہ اس کے بیٹے کا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ وہ شاہی کی زیست حاصل کرے۔ وہ جانتا تھا  
 کہ شاہی بال رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر خاص نظر کرم کی ہوئی ہے۔ علم و معرفت کے  
 غزانے کو ملے ہوئے ہیں۔ وہ دونوں کے راز اللہ کی قدرت سے چاہتے ہیں۔ اسرار  
 خداوندی ان پر رضاء الہی سے آشکار ہوتے رہتے ہیں اور شاہی نے عمر حیات کے دل کا  
 بھی حال چیتا ایک نظر میں ہی جان لیا تھا۔ انہوں نے جو جان عمر حیات کا دل نہ توڑتے  
 ہوئے۔ بڑی لمبی اور جامع شرم کی تھی۔

امیر علی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ جنہیں وہ بیٹے سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔  
 "آپ نہ براں بہن سے کہہ دیں کہ وہ صبح اپنے بیٹے کو لے کر نکال دے۔" امیر علی بھرائی  
 ہوئی آواز میں بولا تو بیٹے نے آنکھیں کی کیفیت میں ہاپ کی طرف دیکھا۔ اس نے شاہی  
 سے اجازت طلب کی تو انہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ امیر علی نے احرام سے اسے  
 بوسہ دیا اور بیٹے کی طرف دیکھا۔ مگر اس بار عمر حیات نے ہاپ کی تھپہ نہ کی تھی۔

شاہی نے مسکرا کر انہیں جانے کی اجازت دے دی تھی۔ امیر علی اگلے قدموں شاہ  
 کی بی حوصلی سے نگاہ اور گاڑی میں آکر خاموشی سے بند کیا۔ جبکہ عمر حیات نے ذرا نیچے  
 سینٹ سنبھال لی۔ گاڑی ابھی تھوڑی سی دور گئی تھی کہ امیر علی نے ایک کچے مکان کے سامنے  
 گاڑی روکوائی۔ وہ اتر کر کچے مکان کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔

اندھ سے دروازہ کھولنے والی ایک خوبصورت عورت تھی۔ جس کا حسن اس کی افسردہ  
 کی چٹائی کا ر ہاتھ اس نے دروازے پر امیر علی کو دیکھا تو خوشی سے پھوٹی نہ آئی۔  
 "امیر بھائی آپ؟" وہ شاہی تصویر بھی نہ کر سکتی تھی کہ ایک مل آڑا سر غریب کے  
 دروازے پر بھیگی بھی دھک دے گا۔ "آپ باہر کیوں کھڑے ہیں؟ اندھ خریف لائیا۔"  
 وہ ایک طرف ہٹ گئی تو امیر علی بولا۔

"نہرا میں ابھی شاہی نے غفران کے بارے میں کہا ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے عمر  
 حیات کو اشارے سے اپنے پاس بلوایا۔ اس کے پاس آنے پر امیر علی بھرا بولا۔ "میرا کھٹکھٹانا  
 ہے۔ اب تمام انتظامات سنبھالنے کی ضرورت ہے۔ صبح آکر غفران کو اپنے ساتھ مل میں لے جائے  
 گا۔" نہرا نے امیر علی کی بات سن کر عمر حیات کے سر پر ہاتھ پھیلا دیے۔

"نہرا آپ کو اس جنگی کا انداز دے گا۔" میں غریب تو دعائی کر سکتی ہوں۔ آپ نے  
 تار سے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ ان احسانوں کو میں کیسے اتار سکوں گی؟" اس کی آواز  
 بھرائی۔ تو امیر علی بولا۔

"بھائی بھی کبھی ہو اور پچا گئی بھی بہت رہی ہو۔ بہنوں کو تو بہت حقوق ہوتے  
 ہیں۔"

ابھی تاہم ہی ہو رہی تھی کہ اندھ سے ایک نوجوان لڑکی نے آواز لگائی۔ "کہاں کس  
 سے باتیں کر رہی ہو؟" وہ بھی مٹی کے پاس آکر کھڑی ہو گئی تو امیر علی نے اس کو بولا دیا۔  
 "ماشا اللہ اب پرانے گھر کی ہو جاو گی۔" ماں سے بیٹا کو کم کرنا شروع کر دے۔"  
 امیر علی نے کہا تو عمر حیات نے آنکھیں اٹھا کر توڑکی کی طرف دیکھا۔ پھر آنکھیں چمکینا  
 بھول گیا تھا۔ اسی ایک نظر نے اسے کہاں کر دیا تھا۔ وہ صبح غفران کو لینے نہ آیا۔ مگر اب  
 آنا چاہے گا۔

واپس پر امیر علی نے غفران کے متعلق عمر حیات کو نصیحتیں کیں کہ اسے کوئی تکلیف نہیں  
 ہونی چاہئے۔ اس کے ساتھ اپنے بھائی جیسا سلوک رکھنا۔ کھانا پینا ملنے کی ذمہ داری ہے۔  
 تھرا سے لے کر تانگی اور اداسی پر یہاں چھوڑ بھی جاتا ہے۔ یہ تھرا ہی توچ لایا گیا۔

مہرجیات کی غفلت میں غم مان کر نوکری کرنا شامل تھا۔ مگر بڑے ہی اس کی لڑکی اس کے دل میں محسوس کر دیتے تھے۔ وہ اس نوکری کو دن میں کئی بار گھر آجاتا تھا۔ بھی تو اس نے باپ کے غم پر تسلیہ فرما لیا تھا۔ پھر بھی وہ بچہ بیٹا۔

”آپ ان لوگوں کا کتنا خیال رکھتے ہیں؟“

”اس لیے کہ میرے بڑے بھائی اور بہن ہیں۔ یعنی یہ بھی انہی مرشد کے مرید ہیں۔ جن کا میں مرید ہوں۔“ امیر علی نے بچے کو کہا۔ ”وہ اسے اذیت دیتے ہیں۔“

”بیت ہونا کوئی ضروری ہوتا ہے۔“ مہرجیات کی سوتلی اڑتی تھی۔

”اپنی بخشش اور آخرت مستور کرنے کے لیے وہ دین اسلام کو بھی طرح جاننے کے لیے کسی نہ کسی مرشد کا دامن تھامتا رہتا ہے۔ وہ دانشوران کا ہوں کی زندگی گزار کر ناہ اور وہ جو جانتا ہے۔ کیونکہ اسے دین کی مکمل سمجھ نہیں ہوتی۔“ اس نے مہرجیات کی طرف دیکھا جو

سڑک پر دو کچرہ ڈالتا۔

”زندگی میں مرشد کامل کی بیش ضرورت ہوتی ہے۔ یہ جو ٹنک ٹنک ہوتے ہیں انہوں نے اللہ شانہ ملک کا قرب حاصل کیا ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بھی اپنے ان رتوں پر

مہربان ہوتا ہے۔“

”یہ جو بڑے ہی اس کی بیٹی ہے۔ اس کی شادی کب ہو رہی ہے؟“ اس کے دل کی بات لوں پر آ رہی تھی۔

”ابھی ایک ماہ بعد اس کا نکاح ہو جائے گا۔“ امیر علی نے جواب دیا تو مہرجیات نے سکون کی سانس خارج کی۔ امیر علی نے حیرت سے بچنے کی طرف دیکھا۔

اچھے ان سبھی کی سب مہرجیات ملاشہ توقع پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے جلدی سے ناشتہ کیا اور گاڑی نکال کر بڑے ہی اس کے گھر کی طرف چل پڑا۔ دروازے پر دھکے کے جواب میں اسی

بہنیں نے دروازہ کھولا اور ایک دم دروازے کا ایک پتہ بند کر دیا۔ اس نے مہرجیات کو بیٹھا لپکا لپکا تھا۔ وہ اس کے غم کا بیٹا تھا۔

”جی کیجئے؟“ دروازے کے پھڑ سے ہوتے پتے کے پیچھے سے آواز آئی۔ ایک غلطک سی اس آواز میں تھی جو مہرجیات کے روح میں ادھیرا دھیرا میں بکھری تھی۔

”اندازے کے لیے نہیں کوئی؟“ مہرجیات نہ بولا۔

”دور داخل ماسی گھر نہیں ہیں۔“

”میں ماں ماسی سے ملنے آیا ہوں۔“

”پھر کس سے ملنے آئے ہیں؟“

”تم سے۔“ مہرجیات نے نصیحت سے کہہ دیا۔ اس نے غور کیا تو دروازہ باز کر دیا تھا۔

”جی اچھے؟“ سوال کیا گیا۔

”اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟“ باہر سے جواب دیا گیا۔

”میں غمناک ہو چکی ہوں۔ وہ اب تک تیار ہو چکا ہوگا۔“ اس آواز کے ساتھ ہی دروازہ بند ہو گیا۔ مگر کڑی کی گتے کی آواز سنائی نہ دی۔ مہرجیات نے اس حرکت کو اپنی بے

عزت کی تصور کیا تھا۔ اس نے غصے سے پتے کو تپ کھاتے ہوئے دروازہ کھول کر اندر جانے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ پیچھے سے ماسی کی آواز نے اسے اپنے قدم روک کر پھیر کر دیا۔

”جی! آپ؟“ اس نے مڑ کر دیکھا تو ماسی نے چادر سے اپنا چہرہ اور جڑو حجاب رکھا تھا اور نہ ہی کسی نہ کی صورت میں چادر کو لپیٹ رکھا تھا۔ وہ ماسی کو کچھ کرشمہ مند

سی بیٹی ہنس کر رہ گیا تھا۔

”آپ غمزدہ ہیں، ماسی غمناک ہو چکی ہیں۔“ ماسی اندر داخل ہو گئیں تو کچھ ہی دیر بعد اندر سے چھ سال کا لڑکا باہر نکلا۔ اس نے باہر نکلنے کی مہرجیات کو سلام بکھڑا دیا۔

”سلام بکھڑا جی۔ میرا نام ظفران امام دین ہے۔“ اس نے تھیل سے سرچرہ رکھا تھا۔

”ظفران میں ناگ مانگ نکلی ہوئی تھی اور انگوٹھوں میں سرسبز انگوٹھیں لگا لگایا تھا۔“

”یہ ابھی بھی پہنیں کن کن آنکھوں کو گنگے لگائے تھی رہے ہیں۔“ مہرجیات نے ظفران کا حلیہ دیکھ کر بڑبڑا ہوا۔

ظفران کا گلاڑی میں بیٹھے کی ظفران کے ہوش کم ہو گئے تھے اور پھر جب اس نے گاڑی کو بہت بڑے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو اس کی حیرت دو چند ہو گئی۔ وہ بہت کچھ کہتا تھا مگر یہ بھی نہ کہہ سکا۔ کیونکہ اندر سے رتے پر ہوتی بیٹا دھڑلے لڑکے

دیکھ کر وہ تو کم ہوا گیا تھا۔

مہرجیات اسے اپنے دفتر میں لے گیا تھا۔ ہر کوئی اس کا حلیہ دیکھ کر ہنس چکا تھا۔ مگر ظفران کا ظفران کو کسی کی پردہ نہیں ہے۔ وہ اپنی سستی میں غم میں رہنے والا ہے۔ مہرجیات نے غم میں اور اپنے آئین میں بہت سی تبدیلیاں کر دی تھیں۔ وہ اپنے حساب سے تمام

کاروبار کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بہت جلدی تمام امور بخوبی انجام دینے شروع کر دیے تھے۔ اس نے والد کی بھیت کے مطابق ظفران کو اپنے آئین میں ہی رکھ لیا تھا۔ تمام درکار کو

تیار کیا تھا کہ ظفران پر امیر علی کی خصوصی نظر کرم ہے۔ لہذا کوئی بھی اس کے ساتھ نہ ٹھہری یا

بھارتی کی جرات نہ کرتا تھا۔

مرحیات باپ کی نسبت بہت کثرت طبیعت کا مالک تھا۔ دو کام کے وقت صرف کام لینے کا فائل تھا۔ اس لیے وہ سے تمام ضرور اور درگزاں سے دست تھے۔ مرحیات اپنی روشنی کے مطابق غفران کو یک ایک پڑا کر دیتا تھا۔ اس نے کافی کوشش کے بعد ماں جی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اپنے آپ کو اٹھایا تھا۔ وہ اب ان کے گھر میں جمی ہوئی ایک چار پائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ مگر آنکھوں کی خشک لہجہ کی نظر نہ آ رہی تھی۔ غفران کو سامنے والے کمرے سے نکلے دیکھ کر اس نے آہ بھری جس کا مطلب تھا کہ اب چاہا ہو گا۔ اسے اپنے اربالوں پر بوس پڑتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ آج تو بہت اچھا موقع تھا۔ ماں جی بھی شاہ جی کے پاس گئی ہوئی تھیں۔

اس نے غفران کے پیچھے ہی دیکھ لیا تھا کہ وہ قتل بھی چھپی کھڑی ہے۔ اس نے غفران کو بھل کر گڑھی میں بیٹھنے کا کہا۔ آج وہ اس سے دودھ پتھر کر لی تھا جتنا پتا تھا۔ غفران کے باہر جانے کے بعد اس نے آہستہ سے اندر سے دروازے کی کنڈی چڑھائی۔ "حیزہ" نے سمجھا کہ مرحیات بھی غفران کے ساتھ باہر نکل گیا ہے۔ وہ درونی دروازہ بند کر کے اپنے آگے جی کدو باریک ادھ میں پیچے ہوئے مرحیات نے اسے بازوؤں میں بکڑ لیا۔ اسے اپنا ایک الفاظ سے حیزہ کی جان لٹھ کی تھی۔ اس نے گھبرا کر دیکھا تو مرحیات اپنے گھر لپکن اور بے خبرتی سے مسکرا رہا تھا۔ اس نے مضبوطی سے حیزہ کو بکڑ کر دھکا اور وہ چڑا لے کر کوشش کر رہی تھی۔ مگر مرحیات تو جوان تھا۔ چڑھتی جوانی اور بھر حیزہ کے حسن نے اسے بہت مضبوط اور بہادر بنادیا تھا۔ اس نے بوسے لینے شروع کر دیے تو حیزہ جھنجھکی اٹھی۔ نہ لے گی مرحیات گھبرا کر اسے چھوڑ کر باہر کی طرف بھاگا۔ کنڈی کھول لی اس کے اسان غلا ہو گئے تھے۔

اس کے سامنے قہری صورت میں ماں جی کھڑی تھیں۔ جو غنر آشام نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے اسے اندھ کھلے دروازے سے اندر بھانٹا تو حیزہ رو رہی ہوئی نظر آئی۔ ماں جی تمام حالہ سمجھ گئی تھیں۔

مرحیات ان سے آگے بھاگ کر نکل گیا۔ اس جی نے اندر جا کر دروازے کی کنڈی کھالی اور حیزہ کو اپنے بازوؤں میں بکڑ کر خوب پیار کیا۔ اس کے آنسو چھلک چھلک کر اس کے دامن کو کڑ کر رہے تھے۔ وہ جب دروازہ کھانچا پھا پھا کر کھینچ تو اس نے پیچھا۔

"مجھے علم ہے کہ میری عزت اللہ کے علم سے محفوظ رہی ہے۔ کیا اس میں میری بھی

مرضی شامل تھی؟" حیزہ نے عجیب سی آنکھوں سے ماں کی طرف دیکھا۔

"آپ کو تو اپنے خون پر اعتماد ہونا چاہئے۔" وہ یہ کہہ کر بھر پور لگی تھی۔ جبکہ ماں جی نے اسے اپنے پیٹے سے لپکا لپکا کر بوس کیا۔

"امیر علی بھائی کے گھر پر بہت احسانات ہیں۔ تمہارے ابا کی وقت کے بعد انہوں نے میری دوسری اور غلط سزا سن کر میری مدد کی ہے۔ میں کوئی بھی غلط بات یا الزام دے کر ان کے احسانات کو خاک میں نہیں ڈال سکتی۔" وہ بڑھو وقت کے بعد پھر بوس لیں۔ "اب تمہاری شادی پر تمام خرچ ہو چکی ہو گی کریں گے۔ خدائے دعا گو ہوں کہ وہ خیر خیریت سے یہ دن بھی گزار دے۔ بس میری عزت کی رکھوائی کر جاوے تاکہ میں حیرے قرض سے باعزت سرخرو ہو سکوں۔" ماں جی کی آنکھیں بھی چھلک گئیں۔ انہوں نے غیٹا کو بازوؤں سے پکڑ کر اپنے سامنے کر لیا اور اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں کے پانوں میں بکڑ کر بوس لیں۔

"اس بات کو اپنے آنسوؤں کے ساتھ ساتھ خاموشی سے لے لیا جا۔ یہی تمہارے اور اس گھر کی عزت کے لیے بہتر ہے۔ اگر یہ بات باہر لگی تو ہم لوگ حاکمہ میں کسی کو نہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے اور نیچی بھڑوئے بھی پرانے گھر جاتا ہے۔ ایسی باتیں دوسرے گھر والوں کو مضموم ہو جائیں تو وہ بات بات پر ہٹے دینے لگتے ہیں۔ جس سے زندگی کی گاڑی بہت مشکل چلتی ہے۔ میری بیٹی اپنے آنسو پھیر کر ہونٹوں پر چپ کی مہر لگا لے۔" انہوں نے غیٹا کو سمجھا کر نہ دیکر سے میں بچھا دیا تھا۔

حیزہ کی شادی تک مرحیات ماں جی کا سامنا نہ کر سکا تھا۔ دو گاڑی میں بیٹی بیٹھا رہتا ہاں بچا کر غفران کو بلاتا اور پھر خاموشی سے مل لے جاتا تھا۔

حیزہ کی شادی بڑی ساڈی اور خاموشی سے ہوئی تھی۔ کیونکہ لڑکے والوں کو منع کر دیا گیا تھا کہ لڑکی حیزہ سے اس لیے کوئی بڑا کچھ نہیں ہوگا۔

ماں جی نے رخصتی کے وقت حیزہ کی ساس اور سسر کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"میری بیٹی کو اپنی بیٹی سمجھتا ہے۔ یہاں ہے۔ اگر کوئی غلطی بھی کر لے تو بیٹی مجھ کو اس کی پروہی کرے گا۔ اس کی سزا مجھے دینا۔ میری بیٹی کو کھٹ لہجہ سے نہ بلانا۔ یہ میری عرضیاں ہیں۔" ماں جی نے بھی گور لڑا دیا۔

بہن کی رخصتی سے غفران بھی دل سنوس کر رہ گیا تھا۔ اب وہ اس گھر میں اکیلا رہ گیا تھا۔ پہلے تو وہ باقی سے ایسی ذرا لگ رہا تھا۔ اب وہ خاموش اور خاموشی۔ ابا پہلے ہی انکس



شیخ نے محسوس کیا کہ اب غفران بھی اس کے ساتھ ساتھ دو ہجر کام پر عمل حاوی ہو گیا ہے اور قہر کا کٹھن بھی لگال لیا ہے۔ وہ بے غری سے کام کرنے لگا تھا۔

ایک دن کسی گھر کے چیدی نے لٹکا ڈھا دی۔ چیری کر دی تھی۔ چارہ راکا کا میاں چھاپ چڑا تھا۔ بہت سالانہ ثروت کے ساتھ بیکار گیا تھا۔

امیر علی کی ٹیکہ نہی کو ٹال گیا تھا۔ وہ اس برائی اور بدنامی کی زندگی سے تنگ ہو گئے تھے۔ ان کے انگوٹے بیٹے نے ان کی عزت کی جگہ میں گھرا گھوپ دیا تھا۔ اس سنگین اور سہارم وار کو نہ دیکھتے ہوئے اس نے اپنی جان جان آخرین کے سپرد کر دی تھی۔ عمر حیات باپ کے جنازے کو کندھا جانی نہ دے سکا تھا۔

بڑے اور چھپے چھپائے پر ایں ہوئی تھی۔ اس وقت انھوں میں پولیس کا مت بند کیا گیا تھا۔ لیکن ان انھوں نے شیخ عمر حیات اور غفران کو انٹرنس جاری کر دیا تھا کہ وہ گھر گھر موت ہانت سکتے ہیں۔ سفید پاؤں کا کام نہ جاتے پر عمر حیات نے جینٹل گل مرلہ فروخت کر دی تھی۔ اس نے گاڑتھس کا موت لاکر چمچوں نے بیٹے پر کام شروع کیا تو وہ با آسانی اپنی ہر خواہش کی تکمیل کرتا گیا اور کی عزت پر کفر ہمیں گئی۔

غفران بھی ساتھ ساتھ پر وہاں چڑھتا گیا تھا۔ اس کی ماں جو کہ ساری طرح عمر حیات کے والد کے گھروں پر رہتی تھی۔ آج اس نے بازار میں عمر حیات کے منہ پر چھڑ مار کر بتا دیا تھا کہ اس نے چہرہ میں سال بعد حیدری بے عزتی کا بدلہ لے لیا ہے۔ عمر حیات فیالوں کی دپاسے لعل آچا تھا۔

اس نے اپنے آپ کو مناسب موقع کی تلاش کے لیے روک لیا تھا۔ یہ وقت جس سے کام لینے کا تھا۔ کیونکہ اس کے سر شدہ کی سالگرہ کا دن ڈونڈیک آ رہا تھا اور وہ باہمی کی سالگرہ پر کوئی وجہ نہ جانتا تھا۔ اس نے باہمی کی زیارت کے لیے آستانہ کار اور آستانہ کھٹکا یا تو اسے کوئی خواب نہ پا کر وہ حیران ہوا۔ اس نے دباؤ ڈال کر روزانہ کھانا کھانہ کوئی بھی نہ تھا۔

وہ حیرانگی کے عالم میں کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پیچھے سے اسے اپنی بیگم کی آواز سنائی دی۔

"باہمی بیگم کو لے کر ڈاکٹر شارق کے پاس گئے ہوئے ہیں۔" عالیہ بیگم کی آواز پر اس نے امین کی سانس لی اور پیچھے مڑ کر اپنی بیگم کو گور سے دیکھنے لگا۔

"کیا نظر لگتی ہے؟" عالیہ بیگم پر شکر کی ٹکڑی بھانپتے ہوئے شریفی کی سن گئی۔

"کیا اس خوبصورت شخصے کو دیکھنا میں متی ہے۔" شیخ نے عالیہ کو با زبوں میں ہجر

داروغہ طاہرہ دے کر اہل سے پاری لہجہ پکا تھا۔

"انگور کھینے ہیں۔" کہ صدیقی عمر حیات کے حید کو بھلا دیا۔ گردوں میں رنجش ضرور تھی کہ وہ پہلی ہی چوری پہلا چھاپا دانی پات ہوتی تھی۔ چلتی دولت اس کے پاس تھی۔ دو کی حید میں خرید سکتا تھا۔ وہ غفران کو مل سے نہ لال سکتا تھا۔ کیونکہ ایک کا حکم تھا اور وہ جان گیا تھا کہ باہمی نے اس میں کتنا خیال رکھتے ہیں۔ کہیں غفران کو کھانے کی پاداش میں خود عمر حیات کوئی نہ لکھتا ہے اور باہمی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ دیکھتی کر سکتے تھے۔ امیر علی نے ماں کی کو بہت سے روپے دے کر مکان کو سہولت پر پتہ کر دیا کہ پکا کرنے کے لیے کہا۔ ماں جی نہ بیٹے پر مصر جس جیسے امیر علی نے۔ لیکن باہمی کے تقویٰ پر پڑا اثر نظر کر کے ان کو روپے لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ غفران کی کھانا اس کے ملا دو تھی۔

امیر علی بہت اچھی طرح اپنی دھار داری سے عہدہ پر آونے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ غفران کی چال و چال اور درکن کن میں بہت فرق آ گیا تھا۔ کیونکہ کامیاب اور اچھے لوگوں کا نام ہی اچھے اور کامیاب مستقبل کی ضمانت ہوتا ہے۔

غفران کھلے بڑے اور کھلے ذہن کا لگا تھا۔ وہ بھی اپنے پاس عمر حیات سے بہت کچھ سیکھ رہا تھا۔ ایک دن وہ چائے کا کرائس کے ملحقہ بنے سے آس میں داخل ہوا تو بہت سے غیر ملکی مہمانوں کو دیکھا جو چائے تو نہ پینے گئے۔ مگر ان کے سامنے شیشے کے گلاسوں میں رکھا گیا مشروب بہت ہی پروردار تھا۔ محروم اور اس کا اس عمر حیات بڑی بے غری سے پی رہے تھے۔

ہات آئی گئی ہو گئی کیونکہ غفران کو کسی بھی معاملہ میں دخل نہ دینے کی تاکید اس کی ماں اور امیر علی نے کی تھی اور وہ اس پر سختی سے کار بند تھا۔

شیخ عمر حیات نے مل کے ساتھ ساتھ ایک سالگرہ پر جس کی شروع کر دیا تھا۔ اس کی چالاک اور چٹکی کام دکھادی تھی۔ وہ کاروبار پر حاوی ہو گیا تھا۔ لیکن سفید پاؤں کا کام اس کے اس کاروبار میں شریک ہو گیا تھا۔ وہ پہلے پہل تو غفران سے چپ چپ کر رہے کہ کاروبار۔ مگر ایک دن اس نے دیکھا کہ غفران نے تمام معاملات سبھ لیے ہیں۔ بلکہ جان بھی گیا ہے کہ غیر قانونی دھندہ ہے۔ وہ بھی بھی عمر حیات کو ایک مسئلہ کر سکتا تھا۔

اس کے سامنے داروں نے بھی ہمار عمر حیات کو کیا تھا کہ وہ غفران کو کھانے لگا دیتے ہیں۔ مگر غفران اس کی تاکہ کابل بن کر رہ گیا تھا۔ وہ اس قسم نہ کر داسکتا تھا۔ بلکہ اپنے ساتھ ملا کر اسے بھی "مال" کی سیلائی پر لگا دیا۔ غفران کو کافی روپے ملنے لگے تھے۔ گھر کی حالت دن بدن بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ ماں کی تو امیر علی کو دھامیں دیتی نہ تھکتی تھیں۔

کر بیار کرنا شروع کر دیا تو وہ بھی کچھ اڑھکی۔ شیخ نے اسٹاپ سہانے نظروں سے دیکھا تو وہ دہائی۔  
"خود چلے جاؤ گے۔ مگر میرا کیا ہے گا؟"

"ایسا ٹھیک ہے۔ میں بھی شائق کے ہاں جا رہا ہوں۔" وہ فطرتی آہ بھر کر بولا اور  
عالیٰ تیسری کی "ادبیہ" ذہن سے۔ وہ سب سے پہلی سے بیانی کا اظہار کر گئی۔ سب اسے بیانی کی  
متناسی سمجھ گھڑی کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ جس "رضا مندی ہی رضا مندی" تھی۔ شیخ  
نے گاڑی باہر لائی اور سڑک پر دوڑا دی۔ وہ ڈاکٹر شائق کے گھر جا کر بیانی کے ساتھ  
چائے پینا چاہتا تھا۔ اسے وہاں کھینچنے کے لیے ہاتھ سے گزرتا نہ تھا۔ اس ہزار میں دہائی  
کافی ہوتا تھا۔ جس دو غریبوں کا بازار زیادہ تھا۔ اسی لیے بڑی اور بھی فروش اپنی اپنی  
رجحانیں اور غلیظ بازار کے پھیر سچ لے آتے تھے۔ جس سے پیدل سواروں کو بھی کافی  
وقت ہوتی تھی۔ مگر یہ پیدل کار پر بٹھن کی گاڑی دیکھ کر بازار میں سہائی ہو جاتی تھی۔ سبکی اپنی  
اپنی محفلت جگہ پر پہنچ جاتے اور پھر دو در دو سے سورا سٹل پہنچے لگتے۔ مگر اب تو رات  
کا اندھیرا نکلیں کیا تھا اور بازار خالی تھا۔ اس لیے وہ گاڑی دوڑاتا ہوا چلا تھا۔

وہ بازار سے باہر نکلا تھا کہ ایک موٹر سائیکل سوار اس کے مقابلے میں گاڑی کو تیز  
دوڑانے لگا۔ شیخ نے اس کی طرف دیکھا اور پہچان نہ پایا۔ کیونکہ موٹر سائیکل سوار نے  
ہیلمٹ پہن رکھا تھا۔

چوک میں پہنچ کر گاڑی کو یکدم بریک لگانے پر اسے کیونکہ چوک میں کسی نے رات  
بندر رکھا تھا کوئی چوک میں بہت بڑی چار پائی بچھا کر اس پر لیٹا ہوا تھا۔ شیخ نے پاس سے  
گزرنے والے ایک آدمی سے پوچھا تو وہ انجان بن کر ہل گیا۔

شیخ گاڑی سے اتر کر وہاں سے پاس گیا۔ وہ کوئی حقرو کاٹا خوشہ معلوم ہوتا تھا۔  
اس نے شیخ کو اپنی طرف آ کر کچھ کر دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

"کیا کرتے ہو؟" اور وہ گونگ ہو کر "؟"

"وہ جو صاحب ہم، ہم ہیں۔ آپ کو رات دیکھانے کے لیے ایک مسٹر دیا تو تھا۔ وہ  
سے جا رہا ہے مگر مگر ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا جو وہ موٹر سائیکل والا کھڑا تھا۔  
کے ایک کھیل پر ہاتھ رکھ کر گاڑی کی جینیں نظر پڑا۔ "جاؤ صاحب وہ آدمی آپ کو آپ کی  
منزل تک پہنچا دے گا۔ میں تو یہاں سے اٹھنے والا نہیں ہوں۔" اس نے اپنی چادر سے ایک  
گن لٹا لٹے ہوئے کپڑے کو چھینے ہی۔

وہ تذبذب کے عالم میں اس موٹر سائیکل والے کے پیچھے چل دیا۔ گاڑی اب بھی بچی

تھیں سے گزر کر شیخ کا دل ڈھکی ہوئی میں روڑ پر پہنچ گئی تھی اور پھر اس کو موٹر سائیکل والا نظر  
نہ آیا تھا۔ سب شیخ نے اور گھر دوڑا تو دکھانوں پر گئے ہوئے پورے سے اندازہ ہوا کہ  
وہ ڈاکٹر شائق کے گھر کے باغلی ہی قریب کھڑا تھا۔ "وہ موٹر سائیکل والا کچھ جانتا تھا کہ وہ  
ڈاکٹر شائق سے ملنے جا رہا ہے؟" وہ بھی تھا۔ کافی اچھن تھا۔ شیخ نے سوچا اور گاڑی روک  
دی کیونکہ شائق کی کوئی آہنگی تھی۔ سب وہ بیانی کے ساتھ چائے پنی کر خود کو خوش قسمت  
تصور کر رہا تھا۔

☆=====☆

بیانی نے شیخ عمر حیات کے گھر فون کر کے خود کو فون کا ایک عازم بتایا۔ عالیہ بیگم نے  
اسے عمر حیات کا ڈاکٹر کے پاس جانے کا پروگرام بتایا۔ انہوں نے شیخ کو شخص ڈرانے کی  
خاطر جو بھی منصوبہ بندی کی تھی۔ اس میں وہ بھی طرح طرح کی سیلاب ہو گئے تھے۔

خالد کی وفات کے بعد سب مصر میں کچھ بیٹھ چکے تھے۔ اس نے اپنے گھر کو تالا لگا  
دیا تھا اور وہ فخران کے گھر میں ہی رہنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اس کے بہت اصرار کے باوجود  
بھی بیانی نے اسے اپنے گھر نہ جانے دیا تھا اور پھر اس کی محبت نے بھی اسے مجبور کر دیا  
تھا۔ اسے خالد کے حقیقی صرف بتایا گیا تھا کہ اس کی موت ڈاکٹر ایک سے ہوئی ہے۔ وہ  
سے چارویہ رشتے والی کچھ کر مگر کرنے چھوٹی تھی۔

جس دن سے عمر حیات والا واقعہ مانی میں اور عمر حیات کے مابین چل آ یا تھا۔ مصر  
بہت ڈر گئی تھی۔ وہ امہ کے ساتھ چند دن ہی کام کر کے آجہاں کی گئی تھی کہ ان کے تعلقات  
کافی اونچے ٹوکوں سے ہیں۔ اعلیٰ آفیسر ان کو اس نے امہ باؤ سے بڑے مہذب طریقے  
سے ملنے ہوئے دیکھا تھا۔ امہ باؤ نے عمر حیات نے کوئی کھیل کھڑا کر دیا تو بہت مسئلہ ہو  
جائے گا۔ وہ ہر لمحہ بھی ہوشیاری رکھتی تھی۔

اس وقت بھی وہ گھر میں اکیلی تھی۔ اسے ہر لمحہ دھڑکا لگا رہا تھا کہ کہیں معاملہ غراب  
نہ ہو جائے۔ مگر دوسری طرف اسے فخران کا بھی حوصلہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس نے بھی کافی  
وقت عمر حیات کے ساتھ گزارا ہے۔ مگر آج کل تاریخ ہی ہے۔

وہ گھر میں اکیلی ہوئی تو فخران نے بھی بھی اسے نظر اٹھا کر نہ دیکھا تھا۔ بلکہ وہ جلد از  
جلد گھر سے نکل جانے کی کوشش کرتا تھا اور مصر نے اس بات کو بہت محسوس کیا تھا کہ وہ اس  
کی بہت عزت کرتا ہے۔ مصر چھلنے کرے میں ماں جی کے ساتھ سوئی تھی۔ فخران بھی  
کھار گھر آ جاتا تھا تو وہ گھر میں سو جاتا اور مصر کے پیار ہوئے سے پہلے ہی اٹھ کر

انہائی منزل کی طرف چل پڑا اور بھی کبھی شام کو گھر لوٹ آتا تھا۔

عصر نے یہ بات بھی محسوس کی تھی کہ اس گھر میں سادگی ہر چیز سے جھلک رہی تھی۔ مگر روپے پیسے کی فراوانی تھی۔ غفران اور جانی کا کام کرتے تھے انہی کو مل رہا تھا۔ خاص طور پر عصر کو۔ ماں بھی جانتی تھیں کہ غفران نے شیخ حریت کی ملازمت کے دور میں کافی روپیہ اکٹھا کیا ہے۔ وہ بھی بار غفران کو کھینچا تھا جس کی لڑائی جھڑپوں اور دلکش چھوڑ کر کوئی دھنگ کا کام کرنے پر مجبور تھا۔

عصر باقاعدگی سے اپنے گھر کی کاروبار دھن کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتی تھی اور اب تو ماں ہی نے بھی اس سے ترجمہ سننا شروع کر دیا تھا۔ ماں بھی صرف قرآن مجید کی تلاوت ہی کرتی تھیں، لیکن چونکہ عصر بچہ بھی تھی۔ انہوں نے عصر سے ترجمہ بھی سننا شروع کر دیا تھا۔ ان کی روح تازہ کرنے کے لیے یقیناً قرآن مجید کا ترجمہ ایک بہت ہی متحرک کام تھا اور وہ بڑے سہانہ لہجے سے سنتی تھیں۔ جبکہ عصر کا انداز بیان بھی بہت ہی جارا تھا۔

دروازہ کھٹکنے کی آواز سن کر عصر چونک گئی۔ وہ گھر میں اکیلی تھی۔ کس کوئی آفت ہی نہ آگئی ہو۔

دراصل وہ ڈری ہوئی تھی۔ اوپر تلے حادثوں نے اس سے اس کی اعصابی قوت بچھن کر پانی طور پر نکل کر دروازہ آواز دہرائے تھے۔ پہلے کون ضروری تھا۔ وہ بہت کر کے اٹھی اور دروازے کے پیچھے سے کھبے ہوئے کھبے میں جا چھا۔ "کون ہے؟"

"میں غفران ہوں بیٹی!" غفران کی آواز سن کر اس کی جان میں جان آئی تھی۔ اس نے کتڑی کھول دی غفران نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا تو عصر نے چونک کر دیکھا اور بولی "ماں بیٹی گھر نہیں ہیں۔" اور پھر وہ غفران کی عظمت کی فائز ہو گئی۔ اس نے دروازے کے دونوں پتہ کو دکر دیے۔ اس طرح کتڑی سے گزرتے والا یا آسانی کے گھن میں بھاگ نکلتے اور عصر اس بات کا مستند سمجھ گئی تھی۔ وہ کسی بھی لحاظ سے اسے جنام نہ کرتا اور نہ ہونے دیتا چاہتا تھا۔ وہ خود گھن میں آکر کتڑی چار پائی پر اس طرح جڑ گیا۔ جسے کسی غیر کے گھر آنا ہو۔ جبکہ عصر باور پائی تھا کہ میں جلی گئی۔ بہنوئی کی آواز پر غفران سمجھ گیا کہ وہ اس کے لیے کھانا لایا ہے۔ یہ نہیں وہ اس کے ہاتھ کا پکا ہاتھ لکھا ہے کے لیے کیوں چلا آتا تھا۔ اس سے پہلے وہ بھی روٹھن کے ساتھ گھر نہ آتا تھا۔

لیکن اس بے ہوشی تو یہاں کا بچا تھا۔ عصر اسے کیسے روک سکتی تھی۔ یہاں کا بچا گھر تھا۔ جبکہ وہ اس کے گھر میں رہ رہی تھی۔ یہ تم کہہ کر انہوں نے اس جیم اور

لاوارث بیٹی کو پناہ دے رہی تھی۔

"ہاتھ مت دھو۔" عصر کی آواز پر اس نے اپنے گھر کا ہاتھ مت دھوئے شروع کر دیے۔ اسی دیر میں عصر نے کھانا اس کی چار پائی پر رکھا تھا اور خود بارہ باور پائی تھا کہ میں جلی گئی تھی۔ غفران نے کھانا کھا شروع کیا تو اسی پہلا ہی نوالہ لیا تھا کہ عصر کی آواز آئی۔ "بسم اللہ الرحمن الرحیم، چاہے کہ کھانا شروع کرتا چاہئے۔" یہ اس نے بہت حوصلہ کیا تھا کہ غفران کو کھانا کھاتا۔

اس نے اپنا ہاتھ روک لیا تھا کچھ وقف کے بعد اوپلی آواز میں "بسم اللہ" پڑھتی شروع کر دی۔ عصر اس کے اس انداز پر سکران پڑی۔

وہ اسے کھانا کھاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ذہن میں شادی کی آواز گونجنے لگی۔ "تھہرا ہاتھ نہ گھر سے بندھا ہے۔ یہ گھر جنت میں جائے گا اور تھہرا ہے لیے مقدر والا ثابت ہو گا۔" شادی سے کیوں کہا تھا؟ وہ سوچنے لگی کہ وہ اس گھر کی ہو کر رہ جائے گی۔ اس کا غفران سے دو شادی کرے گی؟ بھاری تو یہاں کوئی امادہ نظر نہ آتا تھا مگر وہ شادی کی بات کو جتنا نہ سمجھتی تھی۔ کیونکہ وہ آل رسول کی بیٹی ہوئی بات کو پھر یہ سمجھ سکتی تھی۔

جانی تو اس کا بہنوئی تھا اور شادی نے کہا تھا کہ اب تمہارا ماں باپ اور بھائی سب کچھ جانی ہی ہے۔ مگر اس گھر سے قطعاً کس نہ ملے سے جوڑا تھا۔ غفران تو اس کی آفتی تھا کہ اسے یہ کس کی طرف آگیا تھا کہ بھی نہیں دیکھا اور وہ بھی غفران کا اپنا گھن اور عمو۔ ڈیڑھ تصور کرتی تھی۔ اس نے بھی بھی غفران کو اس فکر سے نہ دیکھا تھا۔ گراپ دیکھنے کی ضرورت تھی۔ کیونکہ وہ لچا لچکا تھا۔ پانچواں دروازہ تھا۔ مگر وہ اپنی طور پر عصر کی جانا کرتا تھا اور جب ایک لڑکی کو اس کی عزت اور حیاء کرنے والا مضبوط مرد مل جائے تو اسے گھوٹا اپنے آپ سے زیادتی کرنے کے مترادف تھا۔

"یہ گھر تمہارے لیے مقدر والا دولت ہو گا اور پھر تمہاری وجہ سے اس گھر کے بھاگ بھی جاگ جائیں گے۔" شادی کی آواز پھر اس کے ذہن میں گونجی۔

اس کی آواز سے اس گھر کے بھاگ کیسے جاگ سکتے ہیں۔ وہ تو بے نصیب ہے۔ والدین کی جہانی اور پھر بھائی بھی دیکھتے دیکھتے اس کے ہاتھوں میں ہی چلا گیا تھا۔ کہیں وہ اس گھر کی خوشیاں بھی نہ کھا جائے، کہیں اس گھر کو بھی اس کی نظر نہ لگ جائے۔ اس کی ہتھی کا سایہ کہیں اس گھر کو بھی آسپ نہ زدہ نہ کر دے۔ پھر وہ کیا کرے گی؟ آدھ کیاں جائے گی؟ کس کو بچا ہے؟ اگر شادی کی جیسی ایسی معتد اور مستحق کہ ان کی بات پر ہا چاں اور

جہاں میں اور یقین کیا جاسکتا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو مطمئن کر لیا تھا۔  
اس نے دیکھا کہ غفران کھانے سے قارغ ہو چکا تھا۔ وہ برقی ٹھانے کے لیے آگے  
بڑھی تو دل کا چہرہ باہر آ گیا۔

"اچھی بے شرمی اور بے حیائی سے اس کے سامنے جاؤ گی۔ شرم نہیں آتی؟"

"شرم کبھی؟ وہ تو کوئی غیر خودی ہے۔"

"بکھرہ حیر کیا ہے؟ غیر ہی تو ہے۔"

"وہ میرا۔۔۔" اس نے گدے بچھتے نہ سکی۔

"اگر وہ بھی تو حیراں ہے تو پھر پھر تجھے کیا ہوا؟ اس کیوں چھوڑ دیا؟"

"وہ سب کچھ کی بات میں کسی انسان کو شریک بنا کر اسے بھرتے کرتا تھا۔"

"مگر شریعت اور لگاؤ روزہ کی پابندی تو یہ بھی نہیں کرتا۔"

"اسے میں سمجھاؤں گی۔"

"اگر وہ نہ سمجھتا ہے تو؟"

"میں اسے پیار سے ایسا کر دوں گی۔ مجھے بھروسہ ہے۔ اپنے اوپر اور اپنے پیار پر۔"

"اگر وہ بھی تمہارے پیار کو کھرا دے اور تمہیں گھاس ہی نہ ڈالے۔ ایک طرف صمت کو

لے کر کہاں جاؤ گی؟ اس کے در پر فریاد کرو گی؟"

"اگر ایسا ہو گیا تو پھر شاہد ہی کا کیا وہ اطلاع ہوگا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ جس خاندان

اصلی سے شاہد ہی کا قتل ہے۔ ان کی نگاہ ہوئی ہر بات میں ثابت ہوئی ہے اور ہر بات میں جیسی

ثابت ہوگی۔ تم مجھے اور ملنا ہے کی کسی بھی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکو گے۔" اس نے اپنے

دل کے چہرہ کو کھلی اور دھکی دے کر کہا دیا تھا۔

اس نے خاموشی سے اس کے سامنے سے برتن اٹھائے اور باور دیا غانے میں گھس

گئی تو غفران کی آواز آئی۔

"یہ بیان کی کون سی چیز ہے؟"

"شاہد صاحب کے پاس۔ ان کی حویلی میں قسم شریف تھا۔" اس نے باور دیا غانہ

کے دروازہ میں کھڑے ہو کر کہا۔ آج اس کا بھی چاہتا تھا کہ غفران اس سے دھڑوں باتیں

کرے۔

"آپ کا دل۔۔۔" غفران کی اس ادھوری بات پر وہ چونکی تو حسی۔ مگر دل بھی اس

زور سے دھڑکا اٹھا کہ ابھی پہلیاں تو ذکر چیتے سے باہر آجائے گا۔

"جی میں تمہارا مطلب نہیں سمجھتی۔" اس نے بھٹک کر کہا تھا۔ وہ غفران کو تم کہہ کر ہی  
پکارتی تھی۔ مگر وہ مصری کی عزت و تحکم نہ کرتا تھا۔ وہ اسے "آپ" ہی کہتا تھا۔

"میرا مطلب تھا کہ اس گھر میں آپ کا دل لگ گیا ہے؟ کوئی اداسی تو نہیں ہوتی؟"

اس کا نہ بدستور مصری کی مخالفت مست تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ وہ سامنے والی دیوار سے

باتیں کر رہا ہو بلکہ مصری اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے تاثرات

دیکھنے سے قاصر تھے۔

"اداسی تو جانے والے لوگوں کو یاد کر کے چیکے سے دل میں آکر بندھ جاتی ہے۔" وہ

تمکین کے لیے میں ہوئی تو غفران کو بچھتا دیا کہ اس نے اداسی کی بات کیوں کی۔ یہ نامراد

ایسی اچھی چیز ہے کہ اگر تمہیں غم نہ جائے تو پھر غم ہی جاتی ہے۔

"جانی نے آپ کے لیے بکھر روپے دیے ہیں جی۔" اس نے جیب سے بہت

سارے روپے ہاتھ پیچھے کر کے مصری کو دکھانے چاہے تو اس کی آواز گونجی۔

"یہ روپے اور یہ تو میری ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تو بس خلوص اور رشتوں کی ہموک

ہے پیار اور محبت کی سچائی ہوں میں۔"

اس نے ہاتھ واپس کھینچ لیا تھا۔ مصری کا آخری فقرہ اس کے دل کے تاروں کو جھپٹ

گیا تھا۔ ایک جھگی جھجھکتا ہوا تھا۔ اس نے روپے چار پائی پر رکھ دیے۔ وہ ہڑحاکھا

تو نہ تھا کہ مصری کی اسی بات کا مناسب جواب دیتا۔ پھر بھی اس نے اچلی اندازت میں الفاظ

کو اپنے ذہن میں جمع کیا اور اپنی زبان سے ادا کر کے نکلا۔

"پیار محبت اور خلوص تو آج کل بھٹک رہا ہے۔ کاغذ کے ان ٹکڑوں نے ان چیزوں

کو تباہ کر دیا ہے۔ یہ چیزیں آپ اس روپے سے باآسانی خرید سکتے ہیں، لیکن میرے اس

گھر سے آپ کو یہ چیزیں باآسانی "مفتے" مل جائیں گی۔ کیونکہ یہ ان چیزوں کو کسی بھی قیمت

پر فروخت نہیں کرتے۔ بس اس کے بدلے میں آپ کو وہی چیزیں ملو جو قیمت ادا کرنا ہوں

گی۔ جو ہم آپ کو دیں گے۔" وہ خاموش ہوا تو مصری سوچنے لگی۔ یہ کیا ہے؟ اچھی بات

اس آئن چار اور دم سے دور شخص کے ذہن میں کیسے آگئی۔ وہ سب کچھ جان کر کچھ کرنا چاہتا

اور تا کچھ نہ ملتی۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھتی۔"

"میرا مطلب ہے کہ مصری نے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا تھا۔

"مطلبی جسوں مطلب۔"

وہ کھینچا سا ہو کر بٹھا۔ "پاس ہی مطلبی۔" اس کی موٹی اپنی جگہ پر لگی ہوئی تھی۔ بیکر اس کی سادگی، عصمہ کو بہت پسند آئی۔

"مکئی ٹھوس اور محبت کی اس گھر کو بھی بہت ضرورت ہے جی۔" وہ چار پائی سے اٹھتا ہوا بھر بولا تھا۔ "یہ روپے دیکھ لیں جی۔ آپ کے بہت کام آئیں گے۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا اور دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی۔

"دروازہ بند کر دے۔" اس آواز پر جان کر کھڑا کر رہی۔

عصمہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مگر اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ عصمہ کو بہت پیارا اور محسوس لگا۔ اسی لئے وہ اس کے دل میں ٹھس کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ عصمہ کا دل نہیں چاہتا تھا کہ دروازہ بند کرے۔ مگر آنے جانے والے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور یہ بات فخران کو ناگوار رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اندھ آئے والے تاثرات اس بات کی فحاشی کر رہے تھے کہ عصمہ کو اس کی آنکھوں کے سوا کوئی نہ دیکھے۔ مگر وہ خود بھی تو اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ اس کی نظروں کا احترام تھا۔

عصمہ نے دروازہ بند کیا تو وہ چلا گیا۔ بیکر عصمہ کو کئی دن دروازے سے ٹک لگائے اپنی منہ زور جھڑپوں پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔ مگر یہ سب سودا کا نام نہ رہی۔ دل سینے سے باہر آنے کو بل رہا تھا۔ اس تمام کیفیت کا کیا مطلب تھا؟

کیا وہ اسے چاہنے لگی ہے؟ اسے پسند کرنے لگی ہے۔ اس سے محبت ہو گئی ہے؟ مگر یہ جب کیوں نہ ہوگی جب وہ اس کے سامنے کھلی مرہب تھا۔ محبت تو پہلی ہی نظر میں ہو جاتی ہے۔ پاس ہی اس کی پہلی ہی نظر تھی۔ اس نے فخران کو کبھی بھی محبت کی نظروں سے نہ دیکھا تھا۔ مگر آج پہلی ہی نظر سے دیکھا تو محبت نے اپنے کام کر دیا تھا۔

عصمہ نے محبت کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔ بہت کچھ بڑا حقاقت۔ مگر ان خرافات سے دور رہی رہنا چاہتی تھی۔ اس کی ایک دوست بیکر اس سے کہا کرتی تھی کہ یہ محبت خود بخود ہی ہو جاتی ہے۔ اس پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ مگر عصمہ اس بات کی تردید کرتی تھی کہ کسی اختیار کا نہیں ہوتا۔ ہر چیز انسان کے اختیار میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشراف المخلوقات بنا لیا ہے۔ تمام چیزیں اس کے اختیار میں ہیں۔ مگر یہ محبت ہے کیا بلا کہاں اس انسان کا نہیں ہے؟ عصمہ اس کی بات کو بھگادتی تو وہ جھٹکا کرتی۔

"جب تمہیں کسی سے محبت ہوگی۔ جب دیکھنا ماننا اختیار ہے تو وہ بھٹکا کر دے گی۔" وہ بولی ہوئی۔ "وہی ہوا تھا۔ وہ دل کے ہاتھوں بیکر ہو گئی تھی۔ بے اختیار ہو گئی تھی۔ وہ کیوں ایسا کر رہی

تھی۔ جس میں وہ خود اپنا کر ہی نہیں نکلتی۔ یہ سب کچھ اس سے محبت کر رہی ہے۔

اس کے روزمرہ کے معمول میں کافی تبدیلی آگئی تھی۔ کچھ اچھے کر فخران کا ہنس بھڑا کر اٹھا کر لیا۔ اس کے کپڑوں کو تو تہیہ سے رکھتا۔ اس کے چہرے پر ہنس کر لیا۔ اسے دیکھتے رہتا۔ یہ سب کیا تھا۔ محبت تھی اور ایک اور کام پر روزمرات لگے تنگ چاٹکا اور فخران کا انتظار کرنا۔ وہ چاہتی تھی کہ فخران روزانہ گھر آئے۔ اپنے گھر میں سو پا کرے۔ اس کے ساتھ ماں جی کے ساتھ کھانا کھا دیا کرے۔ مگر وہ ہر بار کام کی رپڑ دیتی کہ اپنا کھانا کھا کر ماں جی کو بھی نال و تھکا اور عصمہ کو بھی ستا دیتا تھا۔

عصمہ کے چہرے پر فخران کو دیکھ کر جوارنگ بکھرتے تھے۔ وہ ماں جی نے بہتر طور پر محسوس کر لیا تھا۔ خود خدا سے دعا گو ہوئی کہ اللہ تعالیٰ عصمہ کے دل پر یہی فخران کو نیکی کی راہ پر ڈال دے۔ فخران نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ عصمہ اس میں خاطر خواہ دلچسپی لے رہی ہے۔ وہ کسی بھی چیز سے پہلے تنگ نہ پہنچے۔ پہلے تنگ نہ ہو جائے اور اس جملی جڑ سے وہ دو ہاتھ کرنا چاہتا تھا۔ اب بھی وہ سیدھا جاننا ہی کے پاس پہنچا تھا۔

"بھئی! یہ کن تھے سلام کہہ رہی تھی۔" اس نے اندر داخل ہونے پر جانی کو کہہ دیا۔ "بھئی ہے وہ؟" جانی جو چاہے ہار دیا تھا۔ چہرے کے پاس سے اچھ کر فخران کے پاس آکر کھڑا ہوا۔

"دودھ ہے تو ایک پیالی بھی مجھے بھی دے دو۔" فخران نے اس کی بات کا جواب تو نہ دیا اور اپنا چاہے بیٹے کا مطالبہ کر دیا۔

جانی نے دیکھی میں مزید دودھ ڈالو اور چاہے ہا کر فخران کے پاس ہی زمین پر آ بیٹھا۔

"اچھی ہے۔ وہ پیسے ہی نہ لے رہی تھی۔" فخران نے اب اس کی بات کا جواب دیا تو جانی مسکرا کر اس کے قریب ہو گیا۔ "کہہ رہی تھی کہ مجھے یہ روپے نہیں بلکہ پیار اور محبت کی ضرورت ہے۔" وہ بھر بولا اور چاہے کی چٹکیاں لینے لگا۔ وہ چپ نہ رہ سکتا تھا۔

"دیکھ بابر میرا مطلب ہے پائیکا کہ جتنے جو ہے ہیں اس کا خیال تو دھری رہے ہیں۔" فخران بولا۔

"خیال رکھنا اور بات ہوتی ہے اور خیال کرنا اور بات تم کی کرتے ہو؟" جانی نے سوال کیا۔ تو وہ اسے گھور کر کیٹھے لگا۔ چاہے کی چٹکی لینے ہوئے بولا۔

"تو چھٹی گھسی بات کر کے مجھے پریشان کر رہا ہے۔ تم بتا کر دینا چاہتے؟"



جبکہ شاہی بھی غائب ہو گئے تھے۔ اس نے اوپر آسمان کی طرف دیکھا تو خوف کی شدت سے کانپ اٹھا۔ اس کے سر پر گودھی کی گودھ منڈلا رہی تھی۔ وہ اسے مردود تصور کر کے نوپنے کے لئے ٹوٹے لگانے لگے۔ غفران نے بیچ ماری اور ہاتھوں سے انہیں دور رکھنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ وہ دیکھ کر ہوا کرکٹ میں سر اٹھیں ہوں۔ ابھی زندہ ہوں۔ اس کے کپڑے اور تمام وجود پیٹنے سے شرابور ہو چکے تھے۔ وہ بیچ ماری ہاتھ اور دھکی رہا تھا۔ اسی مظلوم میں اس کی آنکھ مل گئی۔ اس نے اپنے آپ کو چہرے پر پڑے ہوئے پایا جبکہ اس کے تمام کپڑے پیٹنے سے شرابور تھے اور چہرہ بھی آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ وہ اس خواب سے بڑا پریشان ہوا تھا۔ اس کی دھڑکنیں بے قابو ہو رہی تھیں۔

اس نے جلدی سے اللہ کریم پر پانی کے چھینٹے مارنے شروع کر دیے۔ اس کے ہوش کچھ کھٹکے آئے تو اس نے خواب پر غور کرنا شروع کر دیا۔ آج سے پچھلے دنوں نے بھی کبھی نورانی خواب نہ دیکھا تھا۔ وہ تو ایسے ہی شاہی کے سامنے نہ جاتا تھا۔ غراب وہ خواب میں آکر اسے سیدھی راہ پر چلنے کو کہہ رہے تھے اور وہ نورانی صورت والے بزرگ کون تھے؟ ان کی موافقی صورت غفران کے تصور میں بس گئی تھی۔

اور وہ وسیع و عریض مسجد، وہ کون سی جگہ؟ تمام لوگ عقیدت و احترام سے اس بزرگ کے پیچھے ہاتھ ہاتھ کر کیوں چل رہے تھے۔ جبکہ دونوں طرف قطاروں میں بھی بزرگان ہی کھڑے تھے اور پھر ان بزرگوں کی کہاں کہاں مقامات اللہ پر چھوڑ دو۔ وہ بڑا بہتر بدل کرنے والا ہے۔ کن معاملات کی طرف اشارہ تھا اور پھر شاہی کے آتی ہی تمام نورانی منظر غائب ہو جاتا اور اس کے سر پر حور دار کھانے والے گدھوں کا منڈلاؤ۔ وہ سب کچھ سوچی کر ایک بار پھر کانپ کر رہ گیا۔ وہ اس واقعہ کا ذکر کس سے کرے جس کے ساتھ خواب میں پیش آیا تھا۔

وہ جانی سے بات کرے گا۔ پاں وہ چننا لکھا ہے۔ وہ کچھ نہ کچھ ضرور بتائے گا۔ پاں اور وہ جانی سے ہی بات کرے گا۔

”لیکن میں نے تو سنا ہے کہ غراب تو خواب ہی ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی سچائی نہیں ہوتی۔“ وہ کبھی ذہن کو تھلی دیتا اور کبھی ذہن اسے دھڑلے لگاتا۔

اس نے بہت سوچ بچار کے بعد جانی سے ہی بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

جانی اس وقت ایمان کی لکھی میں محو رہا تھا۔ ایمان کا ایذا نہیں اس نے عصر سے لے لیا تھا۔

”ایک بہت بڑی مسجد ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ جس کے فرش پر سرخ رنگ کے فائین بچے ہوئے ہیں۔ اس مسجد کی پہلی صف میں بہت سے لوگ جو کہ اپنی لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں۔ دونوں طرف قطاروں کی صورت میں کھڑے ہیں۔ بائیں اور بائیں انداز میں سروں کو جھکا کر تمام افراد اپنے کپڑے سے جیسے انہیں کسی کا نظارہ ہے۔ ان میں ایک غفران بھی تھا۔ جس نے میڈیکل لباس پہنا ہوا تھا مگر قطار میں موجود تھا۔ اس کا بھی سر جھکا ہوا تھا۔ اب و احترام سے اس کی آنکھیں بھی دھڑکیاں۔ ”شاہی نہیں۔ اچانک دیکھیں۔“ طرف سے ایک آدمی آکر آواز دے رہا تھا۔ ”مصلح باقاعدہ ہو چکی قطار میں درست کرو۔“ وہ آ رہے ہیں اسے دل اور آنکھیں بچھاؤ۔“ وہ آ رہے ہیں۔“ حضرت جی ان ہی آ رہے ہیں۔“ اچانک ایک طرف سے ایک نورانی وہابی اور غلب کو کونکوں دینے والی خوبصورت شکل کے بزرگ جنہوں نے سفید رنگ کا لباس چاندی کا منڈلاؤ رکھا تھا۔ ان کے سر پر عمامہ شریف بھی سفید رنگ کا تھا۔ جس پر پیر سے موتی جواہرات بڑے ہوئے تھے۔ تحریف دار ہے۔ ان کے پیچھے پیچھے ہاتھ ہاتھ کر چلنے والے عقیدت مند اپنے سروں کو جھکا کر ہوئے چل رہے تھے۔ دونوں قطاروں والے ان کو سلام پیش کر رہے تھے۔

وہ جب غفران کے پاس پہنچے تو غفران کو کسی نے دکھا دے وہاں وہ وہاں سے نکل کر ان محترم بزرگ کے سامنے چلا گیا۔ انہوں نے بہت بھری سکرابت سے اس کی طرف دیکھا اور اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ غفران نے محبت اور عقیدت سے ان کا ہاتھ چوم لیا۔ اس کی آنکھوں سے گرم پانی کے قطرے بہنے لگے۔ بزرگ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا شروع کیا۔

”اب کسی بھی پریشانی کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی بھی نہ ہائز کاہمت نہ کرنا۔ اپنے تمام کام اور تمام فیصلے اللہ پر چھوڑ دو۔ وہ بہتر بدل کرنے والا ہے۔ حورائیں تمہیں تیار کر رہی ہیں۔ رشید مسکین بخاری بتا رہے گا۔ ہمارے پاس آتے رہنا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا۔“

انہوں نے غفران کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نری سے علیحدہ کیا اور آگے کی طرف بڑھ گئے۔ غفران کی آنکھوں نے سادہ کی بھڑکی گدی تھی۔ بزرگ کے پاک و جود سے اٹھنے والی خوشبو اور نورانیت سے ہر چہرے سے غفران پر بڑا اثر کیا تھا۔ وہ اب اپنی اپنی قطار میں آیا تو وہاں شاہی کی کھڑے دیکھا جس کی طرف دیکھ کر سکر رہے تھے۔ غفران نے اپنے ارد گرد نگاہ دوڑائی تو اپنے پاس کسی کو کبھی نہ پا کر بڑا حیران ہوا۔ تمام لوگ نہ جانے کہاں چلے گئے تھے۔ وہ منظر بھی بکسر بدل گیا تھا۔ اب وہ ایک نئی دینی صحرا میں کھڑا تھا۔

”جانی بھائی! کوئی خاص بات ہے۔“ مصمص نے اس کا پتہ نہ تاتے ہوئے مخصوص انداز میں بے چارہ جانی چھیڑتے ہوئے بولا۔

”نہ کوئی بھئی ایسا اور ایسا وہ نہیں ہے کہ میں اس خاص قسم کے پتھروں میں چڑوں اور تم بکن ایسا مست سوچو۔ ایک بہت ہی خاص بات ہے جو آپ کی کھلی کو پتہ ہے۔“ وہ مصمص کو بھی تم کو بھی آپ کہہ کر پکارتا تھا۔ ”جنگ کا امرا بھی جی مانع تھا کہ وہ مصمص کو تم نہ کہے لیکن وہ اس سے چھوٹی تھی۔ اس لیے بھی کھارڈ ڈی مارا جاتا تھا۔“

غفران کی صحبت اپنا اثر دکھا رہی تھی۔ وہ اس کو بھی میں تمہا گھوم رہا تھا۔ کوئی چہ کیدار وغیرہ نہ تھا۔ ناٹا ایمان جیانی پسند تھی۔ یا پھر بہت جلد رویہ اختیار کرتی تھی کہ اس کے بازو دوست نہ ہوں گے۔ وہ جتنا انداز میں ایک سے دوسرے کرے میں جاتا لیکن وہاں کسی کو نہ پا کر اسے حوصلہ ہوتا تھا۔ اب وہ ایک ڈرائیجک روم میں تھا۔ جسے بہت سیلئے اور نفاست سے کھایا گیا تھا۔

بڑے روم کی نسبت ڈرائیجک روم میں زیادہ جتنی اشیاء رکھی گئی تھیں۔ تمام کو بھی بلکہ ہر جگہ یہ سلی چڑی تھی کسی بھی کمرے کو کوئی تالا نہ تھا۔ مگر میں بہت جتنی اشیاء موجود تھیں۔ کوئی بھی با آسانی چا سکتا تھا۔ باہر آتی لاہر داخل سے وہ کیسے اور کہاں جا سکتی ہے۔ اس نے ڈرائیجک روم سے اوپر جاتی ہوئی بیڑھیوں کی طرف دیکھا اور اوپر والے پورٹن کو چپک کرنے کا منصوبہ بنالیا۔ وہ آگے پیچھے دیکھا اور احتیاط سے بیڑھیوں پر چڑھا تھا کہ ایک ناگواری ہوا اس کے قصوں سے نکلتی۔ وہ داخل ہو گیا۔ اس نے اوپر جا کر دیکھا۔ تو بیڑھیوں کے سامنے والا کمرہ بند ملا اس کے دروازے پر پٹا لگا ہوا تھا۔ ساتھ ہی تھا۔ جبکہ اس کے ساتھ ہی ایک بیڑم تھا۔ اس نے بکن میں جھانکا۔ مگر گامیں ہوا۔ پھر اس نے بیڑم بھی دیکھا۔ مگر وہ بھی خالی ملا۔ اس نے بندہ کمرے کو چپک کرنے کا سوچا۔ وہ بکن میں داخل ہوا تو اسے احساس ہوا کہ ناگواریوں کی جتنی پوچھ رہی تھی۔ اس نے چہ لے کر تاب کھرا کر اسے بند کر دیا اور بکن میں باہر کی طرف کھٹنے والا درجن دان کھولی دیا۔ اس نے دائیں دیوار کی طرف دیکھا تو ایک پردہ لگا ہوا نظر آیا۔ اس نے پردہ اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ ایک چھوٹا سا دروازہ ملا راست اس بندہ کمرے کی طرف جاتا تھا۔ وہ بے دھڑک اندر داخل ہو گیا۔ یہ تو اس نے دیکھی ہی تھا کہ تمام کو بھی خالی چڑی ہے۔ اس نے دیواروں کی کھلی کا سوچے علاوہ کر کے لائٹ آن کی تو اس کی آنکھیں جھرت سے کھلی چلی گئیں۔ اس کا سانس اوپر کا اوپر اور پیچھے کا پیچھے ہو گیا تھا۔ ایک ٹوٹا ک مسٹر اس کی نگاہوں کا مشفق تھا۔ سامنے بیڑے پر ان کی

خون میں اکت پت کاش چڑی ہوئی تھی۔ اس نے وہاں سے بھاگ جانا چاہا کہ کبھی اس قتل کا اثر ام اس پر نہ پڑ جائے مگر وہ بزدل نہ تھا۔ اس نے قریب جا کر دیکھا تو کڑوں پر باریک تار لپٹی ہوئی نظر آئی۔ اس نے بہت احتیاط سے وہ تار اس کی گردن سے الگ کر لی۔ ایمان کی طرح صورت آنکھیں جھرت سے کھلی ہوئی تھیں۔ جیسے کراسے قاتل پر یقین نہ آ رہا تھا۔ وہ قاتل کو جتنی طور پر بہت قریب سے جانتی ہوگی۔ اس نے ایک چادر اٹھا کر اس کے جسم پر ڈال دی۔ کیسے بخور کا بازو لینے پر جانی کو معلوم ہوا کہ قتل کرنے سے پہلے اس کے ساتھ زینتی بھی کی گئی ہے۔ جانی کی کبھی میں نہ رہا تھا کہ کیا کرے؟

وہ آنکھوں کی طرح اصرار نظر کر ڈار رہا تھا۔ اس کی نظروں نے میں دیکھے ہوئے سبز چڑی تھی۔ وہ پاس گیا تو اس پر شین گ ہو کر خالی تھی۔ چڑے ہوئے تھے۔ اس نے تیزوں تک باری باری سو گھٹے تو اس پر انکشاف ہوا کہ ایک گ میں کوئی دوائی مار کر کی کو چائی گئی ہے۔ جتنے ایمان کو قاتل نے بے ہوش کی دوا مار کر پائی ہوگی اور پھر بے ہوش ہونے پر اس کا رعب کر ڈالا ہو۔ ہوش میں آنے پر اس کے دوسرے سامنے اس کے گئے میں تار ڈال کر موت کی نیند سلا دیا ہو۔

مگر قاتل نے کسی بھی چیز کو نہ جھپٹا تھا۔ ایمان کے بازوؤں میں پھنی اس کی کھانچوں میں سوئے کے دونوں گھنٹن بھی بدستور موجود تھے۔ جانی نے دوبارہ کاش کا بازو لینے شروع کر دیا۔ اس نے ایمان کے دونوں گھنٹن بھی اتار لیے اور کاتوں میں موجود گھنٹن بھی اتار لیے۔ اسے ڈر بھی لگا رہا تھا۔ مگر یہ کام بھی بہت ضروری تھا۔ اس نے کمرے کی صوفائی کی تو دبا کر اس میں ایک الماری نظر آئی جو کھولنے پر خالی معلوم ہوئی۔ اس میں سے چند کاغذ پلے آکرے۔ جانی نے ان میں سے ایک کاڑا اٹھا لیا۔ اس نے غور سے کاڑے پر حا تو اس کی آنکھیں مسکرانے لگیں۔ کاڑا کاشی پر انا چھپا ہوا تھا۔ اس پر ایڈرس کراہتی کا کھسا ہوا تھا۔ ایک نام ملی حروف میں لکھا دیکھ کر وہ گھبرا کر کیا معاملہ ہے۔ ایمان کو کس نے قتل کیا ہے۔ اب وہ بہت جلد قاتل اور اس کے شریک کو چپک کر پکارتا تھا۔

اس نے جلدی سے اپنے تمام دیوار کا بازو لیا اور بھر جھرت سے کاش کی طرف دیکھا۔ کتا مصمص صحت قاجر بدروی سے خاک میں ملانے کے لیے قسم کر دیا گیا تھا۔ خون کی جھپکا ہوت سے اندازہ ہوتا تھا کہ ایمان کو کتنے بار چار پانچ گھنٹے پہلے ہی قتل کیا گیا ہے۔ اس نے اپ گیت سے جانا مناسب نہ سمجھا تھا۔ وہ کوئی ک کھلی دبا چلا گیا کہ خالی پلاٹ میں کود گیا۔ شام کو پھینکے والے فٹنی ایڈریس نے اس کا ساتھ نہ دیا تھا۔ ویسے بھی اس ماڈرن



ایسا میں زیادہ تر اپنی اپنی کھال میں مست رہنے والے لوگ رہتے تھے۔ کوئی بھی کسی کے کام میں مداخلت نہ کرتا تھا اور نہ ہی کسی کی مداخلت اپنے کام میں پروا داشت کرتا تھا۔ جیسا تو ایمان کے قتل کا ابھی تک کسی کو پتہ نہ چلا تھا۔

اس نے تھوڑا سا آگے آکر ایک پبلک کال آفس کے کیمپن سے متعلقہ قاتلے کا نمبر معلوم کرنے کے بعد انہیں کوٹھی نمبر اور ایف ریسیں کھلیاں اور بتا دیا کہ وہاں پر ایک ٹور ہو ویزو کی لاش پڑی ہے جو پریس کے لئے ایک امتحان ہو گا۔ وہ ٹکڑیاں چاندروہ مست تک اسی ایمریا میں چلتی رہا۔ اس نے پریس کی کارڈوں کے سائز سننے کو اسے اطمینان ہوا کہ اب ایمان کو قبر کی مٹی نصیب ہو جائے گی۔

وہ جلد از جلد عمران کو سب تک بتانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو مارل کر لیا تھا۔ ایمان کے دونوں نگین اور اس کے کانوں کے ٹاپس اور اس کے گھٹے سے ملنے والا آکر قتل یعنی تار جانی کے قبضے میں تھیں۔ وہ گھر بیٹھا تو عمران کو پچھانی کے عالم میں جھٹکتے ہوئے پایا۔ جانی نے اندر داخل ہو کر باہر کا دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔ وہ گھبرا ہوا لوگ رہا تھا۔ عمران اس کی ان حرکتوں کو مشکوک انداز میں دیکھ رہا تھا۔ اس نے جانی کو کسی بھی اکتانہ میں نہ دیکھا تھا۔

وہ تالا لگا کر واپس حرا۔ اس سے پہلے کہ عمران کوئی سوال کرتا۔ اس نے اس کا بازو پکڑا اور تھریچا نیچھٹا ہوا پیچھے کرے میں لئے گیا۔ عمران حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا اور جانی بھی مست سے کچھ نہ بول رہا تھا۔ عمران کو اس کا یہ انداز بہت ہی عجیب لگا تھا۔ کیونکہ جانی کا سامن پھول ہوا تھا۔

"عمران بھائی؟" وہ اپنے سامن کو درست کرتے ہوئے بولا۔ "ایمان قتل ہو گئی ہے۔" عمران پر اسلم برہم کر پڑا تھا۔ یہ خبر سن کر وہ اپنا خواب اور پچھانی بھول گیا تھا۔ گوکہ اس نے ایمان کو دیکھا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ بابائی کے کھون میں وہ ایک نام نہاد شخصیت رکھتی تھی۔ اس نے غصے میں نظروں سے جانی کے چہرے کا جائزہ لیا۔ جس پر عمران کی گرجا پر کار نظروں نے جھج جھج کر لپکا تھا۔

جانی اپنا سامن درست کر چکا تھا۔ اس نے عمران کی نظروں میں استہزاء سے انداز محسوس کر کے تمام بات اسے من و جان دی کر کرنی شروع کر دی۔ جن جن جوں جانی ایمان کے قتل کی رو دا بیان کرتا جا رہا تھا۔ عمران کے چہرے پر رنگوں کا چال بکھرتا جاتا تھا۔ وہ اپنے چہرے کو سٹیر ہوئے سے مفلوج کرتا تو کوئی نہ کوئی انوکھی بات اس کے چہرے پر ڈرے کے

آج رہا کر دی تھی۔

جانی نے نگین، ناہنس اور تار کال کر عمران کے سامنے رکھ دی۔ وہ تار کو فور سے دیکھنے لگا اور بولا۔

"قاتل کی سلا کی اور درمی کا انداز اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ صرف ایمان کی عزت سے نہ کھینچا جاتا تھا۔ بلکہ اسے بے پروا کرنے کے بعد اس کو ہمیشہ ہیبت کے لئے موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا تھا۔ کیونکہ قاتل کے پاس اس روحانی تار کا سو جڑ ہوتا اس بات کا ثبوت ہے۔" عمران کے تجزیے نے جانی کو سہلانے پر مجبور کر دیا۔

"اور تمہیں جو کارڈ ملے جس کا ذکر تم کر رہے تھے۔ اس پر کس کا نام پڑے ہے۔ کیا وہ کسی کیمپن کا کارڈ ہے؟" عمران نے جانی سے سوال کیا تو اس نے چونک کر عجیب سے وہ کارڈ کال کر عمران کی طرف بڑھا دیا۔

"اسی میری سر کٹر نشان میں جی ٹی "نفاق" سے باز نہیں آیا۔" اس نے کارڈ پکڑے بغیر جانی کو کہا تو وہ شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ عمران ان چہرے سے۔

"عمران بھائی اس پر ڈاکٹر شارق کا نام پڑے روئے ہے، لیکن میرا لگی کی بات ہے کہ شارق کیونکہ کا پتہ یہاں کا نہیں ہے۔ بلکہ کراچی کے ایک پتہ نام ملاتے کا ہے۔"

جانی نے کہا تو عمران نے اسے پتہ چھنے کو کہا۔ جانی نے پتہ چھو تو عمران "لوہ لکھ لکھ لکھ" کے نام پر چونک پڑا اور اور کھینچے سے بولا۔ "پچھانی میں چہرہ در نہ ابھی پھڑول شروع کر دوں گا۔"

"عمران بھائی۔ کھائی انگلیں میں ہے تو پچھانی یا اردو میں کیسے چہرہ دکھتا ہوں؟"

"اس کا تجربہ کر۔"

"تمام پتہ تو آپ کو کھیا گیا ہو گا۔ باقی الفاظ تو تجربہ کے کہ "ہیرا منڈی"

"ہوں اس میں۔" وہ لمبی ہوں کر کے خاموش ہو گیا تو جانی کا غصہ بڑھ گیا۔

"کیا مطلب عمران بھائی؟"

"جانی بادشاہ! وہ جانی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا ہلا۔" اس شارق کو پکڑ کر یہاں تک لائیکتے ہوئے میرا مطلب ہے کہ اس تہہ خانے میں؟"

"آپ کا مطلب ہے کبھی مطلب ہے کہ شارق ہی قاتل ہے؟"

"ابھی تکہ پچھانی جا سکتا۔" وہ کالی سٹیجہ ہو گئے رہا تھا۔ "تم اسے یہاں لے کر آؤ۔"

وہی اس سے سب کچھ گھوٹا میرا کام ہو گا۔"

خصوصی طور پر اس کی ساگرہ میں شامل ہونے کے لیے آئے تھے۔

تھانک سے شیخ صاحب کا گھر بھر گیا تھا۔ گاڑیوں کی لمبی قطاریں اور خصوصی طور پر دروازہ کی آدھ سے اس علاقے میں چمکیں ہی چمکیں اٹھتی کر دی گئی۔ نامور وزراء بھی بابا کی کوٹھیت و احترام سے نواز رہے تھے۔ کیونکہ شیخ عمر حیات نے اپنی کامیابی و کامرانی کا سہرا بابا کی سرپرستہ دیا تھا۔ وہ ہر کام اور کامیابی کو بابا کی کامیابیوں سے منسوب قرار دیتا تھا۔

میر اور عالیہ بیگم کے لباس بھی بر خاص و عام کو خوبصورت نگارہ دے رہے تھے۔ جبکہ بابا کی کدو بے کی طرح خاموشی سے تمام منظر کا نگارہ کر رہے تھے۔

احمد بانو شیخ پر آواز اور بانگ بیکر کا حاضری کی توجہ حاصل کی، تمام لوگ اس کی طرف توجہ ہو گئے تو وہ ہلکے سے اپنے وقت کر کے بولے۔

”معززین محفل، آج ہم سب کا محبت بھرا اجتماع یقیناً بابا کی کامیابیوں سے منسوب ہے اس لحاظ سے انکار گھرا نہ ہو، خوش قسمت ہے کہ ہمیں خاص اہمیت دے کر بابا کی نے اس گھر میں اپنی ساگرہ منانے کی خواہش کا باہر کی ہے اور ہم ان کے کرم سے اس کام کو باہر پہنچا سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہاں تک کامیاب ہوئے ہیں، یہ آپ حضرات کی تالیف و تائید کی۔“

بیکر و شیخ کی کوٹھی کا ان زوردار تالیفوں سے گونج اٹھا۔

”آج ہم جس مقام پر پہنچے ہیں۔ وہ بابا کی کا خاص کرم ہے۔ اس سال ہماری ٹیم نے چار کروڑ پے کا اضافی برائے کیا ہے۔ جو کہ میں کہتا ہوں، ہم اکیلے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ بھی کرم بابا کی کے فضل ہوا ہے۔“ احمد بانو کی آواز پر ایک بار بھر بابا کی کی بے جا کار ہوئے گئی۔

”اس دنیا میں یقیناً بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنا آپ تیاگ کروڑوں کے کام آتے ہیں۔ میں بابا کی کا ممنون ہوں۔ بلکہ میرا تمام خاندان ہی ان کے قدموں کی خاک چھینے پر جرحموس کرتا ہے۔“ بابا ایک بار پھر تالیفوں سے گونج اٹھا تھا۔ بابا بول میں موجود ہماروں کی تصاویر بڑی احتیاط سے ہار تھا۔

اس نے ابھی تک کسی کو بھی شہ نہ دیے تھے تھا کہ وہ بابا کی کے خلاف اپنی انکار نری ٹیم کا چپکا ہے۔ اس جھم میں کسی کو بھی انکار نہیں تھا۔ وہ بڑے آرام سے وہاں سے نکل آیا۔ وہ ڈاکٹر شارق کے کینک کو چپکے کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس وقت رات کے بارہ بجے تو بیکر اسے تالوں کو ہاتھ نہ لگا دے گا۔ کوئی دوسری ترکیب استعمال کرنا ہوگی۔

کیوں نہ اس ڈاکٹر کے گھر بھی چلا جائے۔ کیونکہ وہ تو ساگرہ انجوائے کر رہا تھا اور

”فیک ہے فطران بھائی اکل وہ اس تہہ خاندان میں بندھا ہوا آپ کو مل جائے گا۔“ بابا نے کہا تو اس کی پریشانی کم ہو گئی۔ وہ بھر سمجھ کر کرنے والے لیے بیٹھ گیا۔

”اس تمام معاملے کی ہلکے حصہ کو کوشش ملنی چاہئے۔ کیونکہ تم نے اس سے ایمان کا یہ مضمون کیا ہے اور اس کی نظر میں ہم کوئی اچھے کردار کے مانگ نہیں ہیں۔“ بابا نے اس کی بات سن کر تائید میں سر ہلادیا۔

”کب میں گھر جا رہا ہوں۔ پھر کل ملاقات ہوگی۔“ فطران نے کہا تو بابا کی کے لوں پر مٹی خیر سکر است و کچھ کھر سکر اتے ہوئے بولا۔

”گھر میں جا رہا ہوں اور اپنی تحری باہر نکل رہی ہے۔ کیا بات ہے؟ یہ مسئلوں کی طرح نہیں ہوتا ہے۔“

”پہلے تو بھی اپنی فکر مند سی سے گھر نہیں گئے تھے۔ بس اسی لیے جس رہا ہوں کہ وہ

جی کو اب تمہاری راہ نہیں دیکھتی پتی ہوگی۔“

”تمہارا جو بھی مسئلہ ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں۔ حیاہ کر حیاہ۔ وہ تحری بہن ہے۔“

فطران کے دل کا چور باہر آ گیا تھا۔

”بھئی بات میں آپ سے اگھواتا چاہتا تھا۔“ بابا نے کہا تو فطران ابے مارنے کے لیے دوا گھر گھر اس کے گلے لگ گیا اور کہنے لگا۔

”جانی بادشاہ! یہ عورت ابھی اگلے تھائی نے کیا بیچ جاتی ہے؟“ وہ اسے اپنے سے الگ کر کے باہر کی جانب بلب دیا۔

”فطران کی عادی میں ہی بدل ڈالیں اس نے تو۔“ یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ بابا نے اس کے جانے کے بعد دوڑا کرے کو اندر سے تالا لگا دیا اور پڑھ سکون ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ حالانکہ ابھی رات گہری نہ ہوئی تھی۔ پھر بھی آج کی مشقت نے اسے کافی تھکا دیا تھا۔ وہ ڈاکٹر شارق کو کالج کرنے کا لاکھ مٹل داتا تھا اور گہری ٹینڈو کیا تھا۔ یہ ٹینڈو بھی جب چیز ہے۔ اس نے آج ایک مختار کر دیکھا تھا اور بہت قریب سے دیکھا تھا۔ لیکن کالم ٹینڈو ڈی نہ تھی۔

☆=====☆

بابا کی ساگرہ بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ شیخ عمر حیات کا چور گھر بہت نور ہوا تھا۔ بہت سے مہمان ایسے بھی تھے جنہیں شیخ خود نہ جانتا تھا۔ وہ بابا کی نے دعوت کی تھی کہ انہیں مل اور اس کی کا شرف کا سیاب برائے میں کے طور پر کرایا گیا تھا۔ سب نے تمام مہمان کا شرف کرایا بھی شہر سے تھا۔ وہ بابا کی کے خاص مرید تھے۔ جو کراچی سے

دوسرے دروازہ کو کھولے ہی وہ چونک پڑا۔ اس میں ایک ماڈر، کھولنے والے جن میں  
 وزما کوئی ضروری کاغذات تھے۔ جانی کو جو بھی کرنا تھا ہلدی کرنا تھا کیونکہ اسے پارٹی چھوڑ  
 کر آئے ہوئے کاغذیں دیر ہو گئی تھیں۔ اس نے ایک بڑے سے لفافے کو کھولا تو اس کی آنکھیں  
 حریف مکمل نکلیں۔ اس میں تقریباً بیس گیارہ بڑے ساڑھی تصاویر تھیں۔ کوئی لڑکی اور باہمی  
 قابل اعتراض حالت میں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے۔ کبھی تصاویر میں مختلف چہرے  
 تھے۔ جو کہ ایک دوسرے سے بد کہتے۔ باہمی اور لڑکی پکڑوں سے بے نیاز اپنے  
 "کام" میں مصروف تھے۔ گھر تصاویر ہانے والے کو کمال تھا کہ ہر چہرہ پر واضح درکیر تھا۔  
 ہالی نے ہلدی سے دو لفافے اپنے قبیلے میں لے لیا اور دوسرا لفافہ کھینٹے لگا۔

اس میں بھی کافی تصاویر تھیں۔ وہ ایسی تصاویر تھیں جنہیں دیکھ کر حالی ڈاکٹر شارق کا  
 تمام منصوبہ کچھ گیا تھا۔ ان دوسری تصاویر میں اسٹیم باؤنڈ، عریضات اور کئی سا موروز راہمی  
 تھے۔ جو شق کے پڑنے پانتر تھے۔ وہ بھی کسی ریڈیانت یا یا میں بندھی تھی تھیں۔ جانی نے وہ  
 تمام تصاویر اور ماڈر اپنے قبیلے میں لیا اور تیسری سے تیز صباں اترتا ہوا کیراج نماؤں پر لڑکی  
 میں گیا۔ اس نے آنکھیں سے گیٹ کھولا دیا ہر گل گیا۔ اتلا اس نے جو بھی گیٹ کے  
 کندوں میں پھنسا دیا تھا۔ ہر ٹیکہ بغیر جانی کے اب وہ تالہ دو بارہ لاک نہ ہو سکتا تھا۔ اس کی  
 قسمت اس پر مہربان تھی کہ اس کی دو ڈاکٹری گلی کر اس کے سرک کے دوسری طرف ہی  
 گیا تھا کہ اس نے ڈاکٹری کی گاڑی آتی دیکھی۔ ڈاکٹر زما نے گریہ کرنا تھا۔ بلکہ اس کی بیوی اس  
 کی رہبر وائی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

جانی کو اگر چند منٹوں کی بھی دیر ہو جاتی تو وہ جیتی خور پر پھنس گیا تھا اور اس بار  
 پچھتاہٹ مشکل تھا۔ اس نے یہ سوچ کر اپنے پیروں سے پیٹنے کے قطرے محسوس کئے۔ وہ ایک  
 بہت بڑا کام بنی ان تمام سے بچا تھا۔ اس نے ایک بڑے منگن سانس لیا اور مفران کے گھر کی  
 طرف چل پڑا۔ کیونکہ گزشتہ دو روز سے اس سے ملاقات نہ ہو گئی تھی اور پھر ڈاکٹر شارق کے  
 گھر کی تمام کارروائی بھی اسی سنا تھی۔ اس نے ماڈر پر اپنی جگہ میں لگا لیا اور تصاویر کے  
 اوٹوں لفافے اپنے سینے سے لگا کر شرت سے کھن بند کے اور رات کے تھن بے وہ اپنے ٹھکانا  
 ہوا چل رہا تھا کہ وہ ٹیکہ دو پیر کے وقت ہزاروں کی روٹی دیکھنے آیا ہو۔

=====

چھ دھوپ کی رات تھی۔ چاند اپنے پیر سے چھوٹا تھا۔ چاندنی کی روشنی اور چاندی  
 کی خشک ہر سو بجلی کی روشنی۔ چاندنی اپنی سمتی میں تھیں۔ ٹھیکہ لیں گھر میں تھی۔ اس کی

جانی کے لیے بھی سنہری موقع تھا۔ اس نے سوچا اور ڈاکٹر شارق کے گھر جانے کا ہر کام  
 نکالا۔ اٹھو ان کا بھی جانی تھا۔ اسے آہستہ آہستہ تمام ہر باتیں کی رہائش کا ہوں کا  
 غم ہو گیا تھا۔ جیسے جانی باری پر وہ پیشہ حال منول کر جاتا تھا۔

دو ڈاکٹر کے گھر کے پاس پہنچ چکا تھا۔ پانچ سولہ بڑے روشن منٹوری بنے ہوئے مکان کے  
 خوبصورت گیٹ کو لگا ہوا تالہ جانی کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا۔ مکان کی دیواریں کافی  
 بلند تھیں۔ بلکہ گیٹ اور اس کے ساتھ پتھر ڈھانگہ روم کے دروازے کے علاوہ کوئی بھی  
 راستہ نہ تھا جس سے وہ اندر جا سکتا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک مزی اونٹنی تار نکالی اور  
 تالے پر قسمت آزمائی کرنا شروع کر دی۔ رات کی تاریکی نے اسے بہت فائدہ پہنچایا تھا۔  
 قسمت کی مہربان دیوی نے اس کا ساتھ دیا۔ وہ دیکھنے سے تار نکول کر اندر داخل ہو گیا۔

اس نے داخل ہوتے ہی اندر سے گیٹ آدھنکی سے بند کر دیا تھا۔ چورنگ میں ایک سار  
 سائیکل مزی تھی۔ جبکہ ڈاکٹر شارق اپنی گاڑی لے کر پارٹی میں گیا ہوا تھا۔ وہ بڑا جھگ اٹھ  
 کردوں کی طرف بڑے بڑے ہاتھوں میں لگا جیں ایک ہی ہتھی ہوئی ٹیپ ٹیپ ٹیپ میں اور دروازے کی  
 تھکی سے ہاتھ دے رہی تھیں۔ اسے یہ یقین تھا کہ وہ اس وقت ڈاکٹر کے گھر میں آ گیا ہی  
 ہے۔ اس نے سامنے بے ہوش کرے کے دروازے پر ہاتھ رکھ کر دیا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

وہ اندر داخل ہوا تو وہ ایک کشادہ اور بکھرے ڈھانچے روم میں تھا۔ اس میں اس کے  
 لیے کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ وہ وہاں پہلے اندر آئے جانے والی بیڑیاں چڑھتا ہوا اور پہنچ  
 گیا۔ کمرے کا دروازہ لاک تھا۔ اس نے تار سے اپنے کمال دکھایا۔ دروازہ کھل گیا تھا۔ وہ  
 اندر داخل ہوا تو ایک خوبصورت بیڈ روم میں اپنے آپ کو پہنچا۔ ڈاکٹر کا بیڈ روم ہوا۔  
 وہ دیوار پر لگی ہوئی ڈاکٹر اور اس کی لڑکی کی تمام تصاویر نظر انداز کرتے ہوئے۔ ایک طرف  
 بنی ہوئی الماریوں کی طرف بڑھ گیا کہ وہ دیوار کے ساتھ ہائی تھی تھیں۔ اس نے ہلدی سے  
 ایک الماری کا پتہ کھولا تو اس میں سوائے پکڑوں کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ دوسرا پتہ کھولا تو اس  
 میں تین دراز بنے ہوئے ٹکڑے تھے۔ اس نے ہادی باری تینوں کو کھولنے کی کوشش کی۔ وہ  
 دروازے لاکھ لے۔ تیسرے دراز میں ڈاکٹر کی کتابیں اور پین وغیرہ پڑے ہوئے  
 تھے۔ زیر و زات کے جب کی روشنی اس کمرے میں ناگاہی تھی۔ ٹکڑہ لاکھ جلا کر کوئی بھی  
 رسک لینے کے موڈ میں نہ تھا۔ اسے اسی دراز میں سے چابیاں مل گئیں جو یقیناً بند درازوں  
 کی تھیں۔ اس نے دراز کھولا تو اس میں کئی سرپیل کے انکسے ہی کی تھیں کی روپوش اس  
 دیکھ کر جانی کے حلق پر دھڑکن ہوئی۔

رحمتہ للعالمین ہر علم ہر جہر ہر زیادتی کو بس کر مٹھی کی مسکراہٹ سے نالتے رہے۔ مشرکین،  
مشرکین اور کفار کو نہ ان کی نبوت کو چھٹانے کے لیے ان سے طرح طرح کے سوالات کرنا  
شرع قرار دے دیے۔ وہ ان کی ہی بات کا کئی اور اذانت اذیت سے جواب نہ دیتے تھے۔ بلکہ  
اپنی ہیبت اور پُر غلوں مسکراہٹ سے ان کی باتوں کے وہی جواب دیتے تھے جو اب کائنات  
ان کے دماغ میں ان کے ذہن میں ان کے دل میں بدیع و بی ذائقہ تھا۔ وہ اپنی طرف  
سے کچھ بھی نہ کہتے تھے۔ بس اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی فرماتے تھے۔

مشرکوں اور کافروں کو اب واحد پر یقین دلانے کے لیے انہوں نے بڑے بڑے  
بڑے مصائب کو بھی مسکرا کر بھینچا۔ ان کے بلوں پر بھی کبھی اپنے رب سے شکوہ کا کوئی لفظ نہ  
ٹکاتا تھا۔ کفار و مکدان سے ہجرات کی فرمائش کرتے تھے۔ وہ بھی کہتے کہ گلاں درخت کو اپنے  
پاس پا کر کھڑا ہوئی کیجئے کہ سوکھے ہوئے درختوں پر بھجوریں اگا کر دکھاؤ۔ کبھی ان کی  
فرمائش ہوتی کہ کنوئیں تو خشک ہیں اگر تم ہی ہجو ان میں سے پانی نکال کر دکھاؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ حکم دینے اور اللہ کی مرضی سے کر دیتے تھے۔ آپ صلی  
درخت کو اشارہ کرتے تو وہ درختیں بائیں جتنا ہوا اپنی جڑوں سے زمین کو چھو تا ہوا سر کا صلی  
اللہ علیہ وسلم کے قدموں آ کر گرتا۔ جبکہ وہیں کا اشارہ پا کر وہیں اپنی جگہ پر اسی حالت میں  
چلا جاتا ایسے کہ جیسے کسی نے اس کی جڑوں کو چھینا تو وہ درخت کا چھوڑا تنک نہ ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر خشک کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ کر پانی کی کھلی اپنے منہ  
مہاوٹ سے اس کنوئیں میں ڈالتے تو کنواں پانی سے لہا بہا ہر جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس  
میں سے کبھی پانی اُٹھ نہ سکتا تھا۔ "یہ کہہ کر چاند خاوش ہو گیا۔ تمام نورانیوں کے وجود و حورم  
ہو گئے تھے۔ نیلے چہروں نے حسرت و افسان کی تصویر بنے ہوئے چاند کو دیکھا تو وہ حریہ  
فگھٹن ہو گیا۔ دونوں رائیوں کے بولے سے پہلے ہی بول پڑا۔

"اور پھر ایک دن ان امیر و مہر و طلب کر لیا گیا کہ آج تک میں اس مجھ سے کو وہ بارہ  
دہرائے کے لیے ہر روز سر کا رہنے کے رات دن کے ہر حاضر و غائب ہوں۔ مگر اب قیامت تک  
میری فریاد فریاد نہ رہے گی۔ میری بے بسی اسی طرح مجھے فگھٹن اور اداس کرے گی۔ میں  
بلکہ ہلک کر فریاد کرتا ہوں۔ وہ بارہ اسی اشارہ و رحمت کا منتظر ہوں۔ مگر کام نامیوں میں رہوں گا  
کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ وہ کائنات کے اپنے اس محبوب پر عالم اسلام پر جو اثری کتاب  
مجزوہ کی صورت میں اتاری گئی۔ اس میں صاف صاف اور واضح کھ دیا ہے کہ تمام نبی کوئی نہ  
کوئی مجھ سے کر آئے تھے۔ جبکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات معطر و مطہر بذات خود

اٹھیں علیہ السلام کے گھٹے پر چھری کا چاند ہو سکتا۔ فرض کرنا کہ کائنات کی ایک ایک حرکت کو میں  
نئے حکم رب تعالیٰ میں شائد سے دیکھا تھا اور اپنے حسن پر مان کر نہ تھا۔

اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی جہاں ہوں بیت اللہ کی تعمیر کے  
وقت مانگی تھی کہ اسے رب کائنات میرے اس بیٹے اٹھیں علیہ السلام کی نسل سے آخری نبی  
مبعوث فرمائے۔ حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور پھر اس عظیم ہستی کا ظہور ہوا۔ کائنات کا  
ذوق و ذوق ان کی خوشیوں سے معطر ہو گیا تھا۔ چاند، سورج، آبی ذالی، فجر، شجر، دریا، پہاڑ،  
سمندر، سورج، ستارے اور سبھی کوئی سے مجسم تھا تھا۔ رب کائنات نے اس نور کے ظہور  
کے لیے ایسا وقت چنا تھا جب ہر طرف چہرے اللہ تعالیٰ کا درود رہا تھا۔ کلمہ اور شکر عام  
تھا۔ بیت اللہ کو توں سے سجایا جاتا تھا۔ آگ، چتر، سورج اور توں کی پوجا کی جاتی تھی۔ وہ  
مجموعہ انوار و نور ہوا کہ محبت المشرق و المغرب و اللہ تعالیٰ و اللہ تعالیٰ بن گیا۔

یہ کہہ کر چاند خاوش ہوا تو نورانیوں کی بے چینی مزید بڑھ گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ  
کچھ کہہ چکے چاند بچر ہوا۔ وہ شایہ الفاظ تلاش کر رہا تھا۔

"میرے مجرم دوستو! اب میں نے اس بچے کو پہلی نظر دیکھا تو میں حیران رہ گیا تھا۔  
اتنا نورانی چہرہ تو نہ دیکھا تھا۔ جتنے قدرتی طور پر ہوئے تھے ہر جسم کی خواہش اور پلیدی کے  
پاک اس بچے کا ظہور ہی بتا رہا تھا کہ یہی تمام انہیں سید المرسلین اور رحمتہ للعالمین ہیں۔

وہ انہیں مرسلین انکساروں کو میرے ساتھ نکلیا کرتے تھے۔ ان کی نورانی صورت دیکھ  
کر میں خوش ہوتا تھا۔ میرا نظم ہر امان فرض کو میرا وجود بھی سب کچھ ان کے تابع ہو گیا تھا۔  
میں کچھ نہ ہا میں چاند تو تھا مگر آسمان پر وہ ہر جہز میں پر چھلنے دیکھے والا چاند تھا میری روشنی کو  
بات کر رہا تھا۔ اس کی شکل کوئی نہ تھا۔

تم خود ہی بتاؤ میں کس طرح آپ کے حسن کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ میری اتنی ہر امان  
اور بہت تھی کہ میں اس بات کو بھی اپنے حسن میں ڈاؤں۔ نورانی نورانی اور صلی صلی نورانی  
سے لگنے والے الفاظ انکسار ہوئے تھے۔ "اے میرے رب میری اُمت کی بخشش فرمائے۔"  
میں رنگ میں جتنا ہونے لگا کہ کاش میں چاند نہ ہوتا بلکہ اسی نورانیت سے ہر جہز  
نبی آخر الزمان کا ایک ادنیٰ آسمانی ہوتا۔ بلکہ ایک نبی نے تو اللہ تعالیٰ سے یہ تک کہہ دیا تھا  
کہ مجھے اپنے پیارے محبوب کا آسمانی بتاؤ۔

اس عالم دور کے عالم لوگوں نے اس عظیم ترین بھیر کو ہر طرح کی ازبختی دی۔  
ہر طرح طرح کی تکفیریں دیں۔ یہاں تک کہ ان پر ہجرہ رسائے۔ ان پر گندگی چھلکی۔ مکر وہ

ایک مجروح ہے۔ ان پر نازل ہونے والی آخری الہامی کتاب ایک ایسا مجروح ہے جسے قیامت تک کوئی جھٹکا نہیں سکتا۔ نہ کوئی رد و بدل کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی چھوٹی سی آیت کے مقابلہ میں کوئی آیت لاسکتا ہے۔

مجروح نبی کی واضح دلیل ہوتا ہے۔ لہذا مجروح کا منکر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ ہوا میں کمرہ وین و شام المعروف ابوجہل اپنے دوست حبیب بن ماکہ کی بھی کج باز لاپٹا۔ تاکہ وہ لوگوں کو اسلام سے روکنے میں اس کی مدد کرے۔ جب وہ مکہ معظمہ میں آیا تو ابوجہل کی معیت میں حضور نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا کہ تم آپ کو آگاہ کئے بغیر دو مجربات دیکھنا چاہتے ہیں۔

اگر تم اللہ کے نبی ہو اور اچھے رسول ہو تو ہمیں دو ایسے معجزات دکھاؤ۔ جن میں ایک آسمانی مجروح ہو اور دوسرا زمینی مجروح ہو۔ میرے بھائی۔ اس حبیب بن ماکہ کی باتیں سن کر میری سوتلی ہوئی قسمت جاگ اٹھی۔ سر کا رہ بند سرور قلب و سینہ ان کو ساتھ لے کر ابو قتیس پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ اس لمحہ میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان کے سینے پر چمک دکھ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نورانی انگلی سے مجھے اشارہ کیا اور اپنی انگلی پہاڑ کے دائیں اور بائیں گھمائی۔ میں سرکار کے اشارے کو سمجھ کر دو ٹکڑے ہو کر۔ دائیں اور بائیں سمت پھیل رہا جبکہ دوسری سمت اشارہ میں دو بار بار اپنی حالت میں جلا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حبیب کو فرمایا کہ تم نے آسمانی مجروحہ کو دیکھ لیا ہے۔ اب زمینی مجروحہ بھی دیکھنا چاہتے ہو تو تمہاری بیٹی جو کہ اندھی اور کوگی ہے اسے چمک جا کر دیکھ لو اسے شفا مل گئی ہے۔ حبیب ابھی تو ان معجزات کو دیکھ کر ایمان نہ لے آیا۔ جبکہ ابوجہل نامراد قحاد و نامراد ہی رہا۔ اس نے ان معجزات کو بھی جھٹلادیا۔ "یہ کہہ کر چاند غمگین ہو گیا۔

"حب سے لے کر آج تک ہزاروں سال گزر گئے ہیں میں دو بار ہوا ہی اشارہ رحمت کا ظہور ہوں۔ مگر اب دینا کوئی نہ ہو گا جو مجھے اشارے سے شوق کر سکے۔ لہذا میں خوش نصیب نہیں ہوں۔ بلکہ مجھ سے خوش نصیب آسمان ہے۔ جس پر ایک زمینی بشر نے قدم مہارک رکھ کر اس کا نام بڑھا لیا ہے۔ اپنی تمام حقائق کھیں آسمان کا ستارہ ہے۔ اللہ حافظ۔" یہ کہہ کر چاند آگے بڑھ گیا اور نارائوں کو حیران کر دیا۔ یہ تیسرے جزو کے تیسرے ہو گئے تھے۔

☆ ===== ☆

سولہ مئی کی آمد آدھی۔ شاہی کے والد صاحب کا عمر شریف آنے والا تھا۔ دربار شریف کو سلیبی کی اور چٹنہ ہوا شروع ہو گیا تھا۔ حوٹلی میں بھی مٹی اور ڈوڑھی ملا کر لپائی اور غیرہ شروع کر دی گئی تھی۔ ماں بی ان تمام کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتی تھیں۔ اب بھی وہ دربار پر شاہی اور اسماعیل کے ساتھ بڑے شاہی کی قبر مبارک پر کھڑی تھیں۔ "بڑیاں!" شاہی کو پوچھتے تو ماں بی اور اسماعیل ہر تن کوٹھ لے گئے۔ "اس برس بہت چھاری کرنا پڑے گی۔" ماں بی نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ مگر وہ بڑیاں کی حبیب نظروں سے بے نیاز دور نہیں دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر ابھرنے والے چائرات اسماعیل نے بھی غور کیے تھے۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھتی شاہی!" ماں بی نے کہا تو شاہی نے چمک کر اس کی طرف دیکھا اور ایسا لپٹا کر وہ جیسے اپنی کٹی ہوئی بات بھول گئے ہوں۔ پھر بڑے شاہ بی کی قبر کے ساتھ خالی جگہ پر اشارہ کر کے بولے۔

"مجھے یہیں یاد رہا۔ میں اپنے والد اور اپنے مرشد کے پیلو میں ہی سوتا چلتا ہوں۔" ان کی اس بات کو اسماعیل اور بڑیاں بخوبی سمجھ گئے تھے۔ مگر دل کی تیز ہوتی ہوئی دھڑکنوں پر ناکام قابو پانے کی کوشش میں صرف سر ہلکا کر رہ گئے۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر ماں بی نے صمت کر کے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ابھی تو آپ کی بہت ضرورت ہے میں۔" آپ کے بغیر قحاد کی دنیا ہی اندھیرا ہو جائے گی۔" یہ کہہ کر ماں بی رونے لگیں۔ مگر شاہی خصوصاً مسکراہٹ لہوں پر کھائے ہوئے بولے۔

"میں نے کب کہا ہے کہ میں کبھی سر ہر ہاؤں؟" ماں بی اور اسماعیل نے چمک کر ان کی طرف دیکھا۔ ان کے لہوں پر یہ غایت بھری مسکراہٹ تھی۔

عطا اور خاص کرم تھا۔ کیونکہ قرب الہی حاصل کرنے کے لیے انہوں نے راتوں کو آنکھ کر گزرا کر اپنے رب کو ماننا شروع کیا تھا اور اللہ کی خاص کرم فواری سے ان پر اسرار خداوندی آچکا ہو جاتے تھے۔ شاہی اسماعیل کی طرف حجب ہوئے۔ وہ لگا ہیں چمکا کر ان کی بات سننے کے لیے انہماک سے ان کے قدموں کی طرف دیکھنے لگا۔ کیونکہ اسماعیل نے کبھی بھی انھیں اس طرح نہ دکھائی کہ عظم نہ تھا بلکہ عظم ہونے سے پہلے ہی اس کا سر اترنا چمکا جاتا تھا۔

”خدیواں تہاری اصل حقیقت سے ابھی طرح واقف ہے۔ اس لیے اس کے سامنے بات کرنے لگا ہوں۔“ وہ اب خدیواں کی طرف حڑ سے اور بولے۔ ”اسماعیل تہمارے بیٹے کا سایہ بن جائے گا۔ آج کے بعد وہ اس کی ہر طرح کی مدد کرے گا۔ کیونکہ میں جلد از جلد غفران کو رب کے حضور بہرہ ور دیکھنا چاہتا ہوں۔ مگر یہ تہمارے گھر میں نہ آئے گا۔ اسے صبح نماز فجر کے بعد قرآن کریم کا ترجمہ سنایا کرو۔ اب اس کا ذوق تبدیل ہونے لگا ہے۔ وہ دیکھ لیا کہ آسمانی چھوڑ کر اللہ کا بندہ بننا چاہتا ہے۔“ وہ خاموش ہو گئے۔ تو خدیواں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

غفران کی طرف سے ان کی گھر بندی ختم ہو گئی تھی۔ وہ جاتی تھی کہ اسماعیل غفران کے پیچھے ہو گا اور اسماعیل کے پیچھے شاہی کی صہبان آنکھیں ہوں گی۔ شاہی وہاں سے اپنی حویلی کی جانب چل دیئے اور اس میں اپنے گھر کی جانب۔ حویلی چلے کر شاہی اسماعیل سے مخاطب ہوئے۔

”تم غفران کے ساتھ نہیں رہو گے۔“

اسماعیل نے شاہی کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔ وہ پوچھ نہ سکا کہ آپ نے تو خدیواں کے سامنے کچھ اور کیا تھا۔ شاہی اس کی وہی کیفیت بھانپتے ہوئے بولے۔

”اور میں غفران کو رب غفرانی نے جس کام کے لیے چاہا ہے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی ادا و نسیں پہنچانی جا سکتی۔ اس کا امتحان سخت سوالوں پر مشتمل ہے۔ اس میں کسی بھی قسم کی نفل نہیں چلے گی۔ وہ اپنا کام خود کرے گا۔ اپنے طریقے سے۔ اللہ رب اعزرت جہاں چاہے گا۔ کس سے مدد کی ضرورت ہے؟ وہ اپنی عظمت والا رب اپنی رحمت فرمائے گا۔ کیونکہ اس کی راہ میں شرکوں کے خلاف اعلان جنگ کرنے والوں کو بیشک نیکو فیصلی حاصل رہے گی۔ انہماک و کامیاب کامیابی ہوتے ہیں۔“

”شاہی! اس کی بھر پور تھی۔“ میرے غفران کا کیا ہو گا؟“

”اللہ تعالیٰ ہمیشہ اچھا ہی کرتا ہے۔“ وہ اس کی سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

”تہمارے غفران کو اللہ تعالیٰ نے برکت اور نیک کاموں کے لیے جن لپا ہے۔ تو دیکھنا اس کا انداز سے رب کی قسم کی چھوٹ پر مجھ کر کرنے کے لیے مجبور کرے گا۔ لیکن اس سے پہلے وہ ایک فریئر سر اجسام دینا چاہتا ہے۔ وہی اس کی آزما کر ہے۔ فکر کرنا میرا! وہ کچھ توقف کے بعد بھر بولے۔

”اس وعدہ لاشریک نے تہمارے بیٹے کو اپنے کام کے لیے چاہا ہے جس کا وہ حقدار تھا۔ حق تعالیٰ کے اسرار وہی بھڑ جاتا ہے اور میں ابھی غفران کو اس سامنے سے ہٹا کر فورا ہی بدلتا ہوں۔ اس طرح تو حقیقت انداز میں بدلتا ہوں گا۔ اور میں گناہگار نہیں ہونا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی اچھا دیکھتا ہے اس کے اندر اور اس تبدیلی محسوس کر دے گی۔“

”اس کی ان کی طرف دیکھتی ہوئی ہو گئی۔“

”وہ اس کی تک تو شیطان مریجات کے ہتھ چڑھا ہوا ہے۔“

”نہیں! شاہی! تم کو سنا رہے تھے۔“ وہ اس کے ہاتھ نہیں چڑھا ہوا۔ بلکہ اس کے ہتھ چڑ

گیا ہے۔ اب وہ اپنی تمام عمر کا حساب اس سے لے گا۔ اپنی عمر میں اور گناہوں میں گزاری ہوئی زندگی کا ازالہ کر رہا ہے۔ وہ ان شاء اللہ اس میں کامیاب ہو گا اور تو دیکھنا اس جتنی شاکہ اللہ تعالیٰ کیا انجام کرے گا۔ وہ اس وعدہ لاشریک کو چھوٹ کر اس کے محبوب کسی سنتوں کو ٹھکرا کر پھر آل رسول کا دامن چھٹک کر ایک دھمکی اور شرمک کے دامن سے بندھ گیا ہے۔ وہ ان بچیوں میں بیکہ ڈنکا بھرے گا۔ کوئی اس کا نہ مان مال نہ ہو گا۔ جس طرح شمس و مناشاک کا ہوا ایک کھولنے سے اور خونی آنکھوں سے بھر جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک غرقون آنے گا۔ ایک بہت بڑی فٹیلی کا فضا اور فوج کو چھوڑنا ہے گا۔ وہ اس طرح ان سے اپنے مضبوطی اور اپنی فٹیلوں کو بچانے سکے گا۔ کبھی نہ بھولے وہاں حادثہ اس کی دینی رو بکا ہے گا۔ وہ اپنے آپ کو بھول کر کئی کے کتوں کے ساتھ چنڈا کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ انسان کی ہر فٹیلی پر گناہ پر قصیر کو قصیر کی معاف کر دے گا۔ مگر شرمک کرنے والے شرمک کو کبھی بھی معاف نہیں کرے گا۔ دنیا و آخرت میں وہ ہمیشہ رسوا اور ذلیل ہو گا۔“ شیخ کے بارے میں شاہی کی عقیدتیں گویاں بن کر رہیں اور اسماعیل لڑ کر مردہ گئے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ شاہی کی اللہ کی رضا اور اس کے عزم سے آسمان آئے والے واقعات کے بارے میں جاننے کی طاقت رکھتے تھے۔ یہ ان کا کوئی کمال نہیں تھا۔ بلکہ اللہ کی

حقی اور بھروہ نہ نورحات بھی آگئے۔ جب شاہ جی نے اسے نیت کر کے اپنی مریٹی نکالیا تھا۔ نماز روزہ اور شریعت طہیرہ کی پابندی لازمی تھی۔

قرآن کریم تو اس کے سینے میں دل کی ہر جڑ کا رہا تھا۔ نماز کی وہ پابندی پہلے بھی کرتی تھی۔ غفران جب بھی رات گھر میں گزارتا تھا تو عصر سے نماز فجر کے لیے نکلتی تھی۔ اس کے جگانے پر غفران کو اپنی نیند ہونے پر بہت غصہ آتا تھا، لیکن جب وہ عصر کو دیکھتا تو اندھ کر بیٹھ جاتا تھا اور جب عصر نماز کے لیے جاؤ نماز پر کھڑی ہو جاتی تو وہ دوبارہ سو جاتا تھا۔

ابھی نماز فجر کے لیے مؤذن کی ہر سوز آواز میرے اذان میں تقریباً ہر گھر میں پہنچ رہی تھی۔ ”اسلو تو غیر من الخوم“ نماز نیند سے بھر ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی عصر اندھ کر بیٹھتی۔ غفران بھی گھر میں سو رہا تھا۔ عصر نے فیصلہ کیا تھا کہ آج اسے نماز کے لیے جاؤ نماز پر لازمی کھڑا کرے گی۔ وہ کمرے سے اندھ کر باہر نکلتی تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کیونکہ غفران اس کے جگانے سے پہلے ہی جاگ چکا تھا اور مزید حیرت یہ تھی کہ وہ گھر میں چڑے ہوئے تمام سے وضو بھی کر رہا تھا۔ وہ اتنا سیدھا سادہ نہ رہا تھا۔ عصر اسے دیکھ رہی تھی اور خدا کا شکر ادا کر رہی تھی کہ یہاں تک تو پہنچا ہے۔ آگے بھی اٹھا اسے چاہت عطا کرے گا۔ ان شاء اللہ۔ وہ غفران کے سامنے آ کر اس کی خوبیت کو نہ توڑتا جانتی تھی۔ اس نے پیچھے سے ہنس کر دیکھا کہ ان کے کان میں بیکہ کیا تو وہ حیرت سے عصر کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ایسے جیسے کہ انہیں اس کی ربانی کیفیت پر شک ہو۔ کیونکہ غفران کا مذہب سے دور کا بھی کبھی رابطہ نہ رہا تھا۔ وہ کسی بھی ماں بی کے کہنے پر نہ جا سکتا تھا۔ اب یہ حیرت انگیز اور خوشگوار حیرت ملی ماں بی کے لیے بقیہ بہت بڑی برکت اور سعادت تھی۔ کیونکہ وہ مختصر اذان کی تعلیم و تربیت اور ان کی بہترین پرورش سکے ہارے میں سوال پر وہ رب کریم کو کیا مدد دیکھا تھی۔ یہ سب تو اللہ ہی کا کریم تھا اور مرشد کی تہ پائی بھی تھی۔ جنہوں نے فرمایا تھا کہ تم مقررہ غفران میں تبدیلی دیکھو گی۔

اور وہ سب سے بڑی تبدیلی یہی تھی کہ غفران ان کے بھی جاتے سے پہلے جاگ چکا تھا بلکہ وضو بھی کر رہا تھا۔ ماں بی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر عصر نے ان کے کندھے پر محبت سے چھپچھاپت کی تو وہ دوا پر آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔ جیسے کہ نہ نظر آنے والے رب کو سامنے دیکھ کر اس کا شکر پا دیا کر رہی ہو۔ بظاہر رب اپنا جلوہ کائنات کے جزرے سے دکھاتا ہے مگر اس طرح اپنا روپ دکھانے پر انسان اس عظیم اور مہربان رب کو اپنے سامنے

شاہ جی خاموش ہوئے تو اسٹیل کی چندے قبل بے قراری قرار اور سکون میں بدل گئی۔

”اسٹیل!“ شاہ جی پھر گویا ہوئے۔ ”آج طبیعت بہت اداس ہے۔ نعت کا وہ شعر تو سناؤ۔ جو تم کیونکر کی مثال دے کر پڑھتے ہوئے ہو۔“

اسٹیل بھی کافی عرصہ سے بے چین تھا کہ کوئی اس سے نعت شریف سنے۔ وہ اسکو تھپالی میں نعت شریف پڑھتے لگا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا جس عظیم اور پاکیزہ ہستی کی مدح سرائی کرتا ہے ان تک یہ کلام ضرور پہنچتا ہے۔ اس کی آواز میں سوز اور خواہشات کا کلم جھٹکتے لگتا تھا۔ کیونکہ نعت کے افسانہ ہی دکھائی دیتے تھے۔ وہ دہا دہا ہو کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ شعر کہنے سے پہلے ہی اس کا چہرہ اور وزن و ملام کی تصویر بن گیا تھا۔

”بہل سکتا نہیں مجھ کو مقررہ پیرا دہنے کا ہے لگا ہوں میں بس وہی اک سہارا جینے کا

خوش بخت ہونے میں اڑتے ہیں ان لفظوں میں کاش میں بھی کبوتر ہوتا کہ پیرا دہنے کا

اسٹیل کی آواز ابھی تھی۔ جبکہ شاہ جی کہیں دور دیکھ رہے تھے۔ مگر ان کی تمام تر توجہ اس کی ہر سوز آواز پر تھی ہوئی تھی۔

خوش بختوں سے معطر ہو یہ سیاہ بخت میرا  
نہ جائے اگر آفتاب اک قطرہ پسینے کا

غفران کی زندگی میں بڑی واضح تبدیلی جانی اور ماں بی نے بھی محسوس کر لی تھی۔ جانی نے اسے تمام قصائد کے متعلق بتا دیا تھا۔ غفران نے اسے یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ ان اشیاء کے بارے میں وہ اپنی مطلقہ جگہ پر بات کریں گے۔

عصر اور جانی ایک دوسرے پر جان چڑھ کر رہے تھے کیونکہ جانی کو محبت بھرا رشتہ مل گیا تھا۔ جبکہ عصر کو جانی کی صورت میں والدین اور بھائی کا پیار مل گیا تھا اور پھر شاہ جی نے بھی اس کی عنایت دی تھی کہ جانی ایک پُر خلوص اور محبت کرنے والا بھائی بنے گا۔ شاہ جی کی محبت بھری شخصیت سے عصر بھی بہت متاثر تھی۔ وہ جلد از جلد شاہ جی سے باقاعدہ

نیت ہونا چاہتی تھی۔ اس بات کا اس نے ماں بی سے بھی ذکر کر دیا تھا اور ان کی طوٹتی۔ یہ فی





مسلمہ کے اصول نیکو۔ جس پر درود گارے جنہیں اپنی بارگاہ میں لکھنے کی توفیق دی ہے اور شہدائی ضرورہ دکرے گا۔ ماں بی کی دعا نہیں اور میری دعا نہیں تمہارے ساتھ ساتھ ہوں گی۔" اس نے بیٹی پارغفران کو اپنی دفا کا یقین بے حد رکھ کر دیا تھا۔ اس کی اس بات پر غفران حیران رہ گیا تھا۔ اس نے مصممہ کی طرف بڑی محبت سے دیکھا تھا۔ جس نے غفران کے اس انداز پر شرم کا لہجہ لگایا تھا جس میں اور گاؤں پر شرم و حیا کی سرخی نے اسے مزین و خوبصورت بنا دیا تھا۔ وہ غفران کی ان غفروں کی قنارت لیا کہ وہ بے برداشت نہ کر سکی اور اندھ کمرے کی طرف بھاگی تھی۔

ماں بی نے غفران کی بیٹائی پر بوسہ دیا اور دعائیں دے کر بیٹے کو رخصت کیا۔ غفران مرشد کامل سید رشید حسین بخاری کے وسیع شغف سے پریت ہونے کے لیے گھر سے نکلا تو رب کریم کی رحمتوں نے اس پر اپنا سایہ کر دیا۔ وہ اپنی سبک دوشی بھی نہ جاگا تھا۔ اسے سبک کا پتہ تو راجا جلیب کمر آٹھوں کو بھلا گیا۔ ہاتھا۔

خاکو رب اپنی ذہنی پر پختہ ہو گیا تھا۔ وہ روزانہ گلی میں جھانڈا کرتا تھا۔ اب بھی وہ اپنی ذہنی کی پوری ایمان داری اور غرض شناسی سے انہماک دے رہا تھا۔ وہ کوئی تھکروں میں دیکھ ہوئے گندہ کوڑے یا کافرات کو اپنے لیے جھاڑو سے ایک چٹکا کٹا کرتا جاتا تھا۔ وہ جبکہ جھوٹی چھوٹی ڈھیروں کی شکل میں کوڑا کرکٹ وغیرہ اکٹھا کرتا تھا۔ پھر اس کے بعد راجھی دانے جھادری پاری آتی۔ وہ تمام پتھروں سے دو کھلچیں لے کر دے کوڑا کٹا تھا کہ اپنی راجھی میں ڈال اور آگے چلا جاتا تھا۔

یہ اس کا روزانہ کام سمول تھا۔ غفران کو یہ کام بڑا عجیب لگتا تھا۔ ایک دم اس کی سوچ اجتماعی بلندیاں پر منتقل تھی۔ وہ ایک ایک ڈھیری کے پاس جاتا اور اسے کھانگے لگتا۔ کچھ پند کی چیز نہ ملنے پر آگے بڑھ جاتا اور وہ کوڑا کرکٹ کی ڈھیریوں کو اس طرح کھانگتا تھا کہ اس کی کوئی بہت سی کھٹی چیز نکلتی ہے۔ وہ ماں میں ہر محل دیا۔ کھلی کے کونے پر بھی ہوتی بڑی ڈھیری کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کی ان غفروں کو ہر مخصوص پر پڑتی جس کی اسے تلاش تھی۔

اس کوڑے کے ڈھیر کو آگ لگا دی گئی تھی۔ اس میں کافرات اختارات و درساں اور دیگر گھاس پھوس کو آگ لگی ہوئی تھی۔ اللہ نے اسے مصلح عطا کی۔ اس نے جلتی ہوئی آگ میں ہاتھ ڈال کر اس اخبار کو باخوف و خطر پکڑ لیا جس پر کھلم کھلا چھپا ہوا تھا۔ کھر کا پہلا حصہ "لا الہ الا اللہ" آگ میں مل چکا تھا۔ جبکہ دوسرے حصے کو بھی آگ نے اپنی لپیٹ میں نہ لیا تھا کہ غفران نے اپنا ہاتھ جلتی ہوئی آگ میں ڈال کر وہ کافہ پکڑ لیا اور جلدی سے

اپنی منجی میں دیوچ کر آگ بجھا دی۔ اس نے اخبار پر پرنٹ کیا ہوا کھر کا دوسرا حصہ "محمد رسول اللہ" پچا لیا تھا۔ اس کے ہاتھ پر مغل جانے کے نکتان چڑھ گئے تھے۔ جن پر ہونے والی یمن نے اسے احساس دلایا کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ کھر جانے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے اخبار کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں نے ایک بار پھر سامان کی جھڑی لگا دی تھی۔ وہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ مگر دل اور دماغ کا جو رشک طبع سے بڑا ہوا تھا۔ اس نے اس کھر سے تمام سابق واسطی پر حادہ سے تھے وہ لفظ تو نہ جانتا تھا۔ مگر اس کے معنی اچھی طرح جانتا تھا کیونکہ جانی نے اسے بتایا تھا کہ صرف کھر طبع کا پہلا حصہ پڑھ لینے سے ہی انسان مسلمان نہیں ہو جاتا۔ بلکہ دوسرا حصہ بھی اسی طرح اہم ہے۔ جس طرح زندہ رہنے کے لیے زندگی سے بھر کر سانسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس عربی زبان کے فقرے سے برہنہ پڑھ مسلمان کی پہچان تھوڑی طور پر اس کے ذہن میں محفوظ ہو گئی ہے۔ یہی حال غفران کا بھی تھا۔ وہ روز روز ہاتھ لگا کر کھر سے پہلے کچھ جاتا تو وہ پہلے جیسے کوئی جلتے سے پچا سکتا تھا۔ اس نے ادھر ادھر کھانڈا اور ذہنی تو بجلی کے کھجے کے ساتھ لگا ہوا ٹینک کا ڈبہ نظر آ گیا۔ جو پہلے ہی مقدس اور ارق سے بھر کر باہر اٹھ رہا تھا۔ اس نے انتہائی دکھ سے اس ڈبے کی طرف دیکھا اور اپنا ہاتھ بلند کر کے اس میں وہ کافہ ڈال کر اسے اپنے ہاتھ سے پچھنے دیا کہ کوئی بھی کافہ باہر نہ کر سکے۔ سورج کی پہلی کرن نے اپنا کھیرا تو غفران کو موت کے گزرنے کا احساس ہوا۔ وہ جلدی سے شاہ کی کھلی حویلی کی طرف چل پڑا جو کہ اس کے گھر سے چند قدم کے فاصلے پر تو تھی مگر دور بھی تھی۔ بس تین چار گھنٹوں کو گھر میں گھرنا پڑا تھا۔

وہ ابھی حویلی کے دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا اور اندر سے حاجی عبداللہ نکل رہے تھے۔ انہوں نے غفران کو دیکھا تو غفران نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔ غفران نے انہیں سلام کرنے سے پہلے ہی تو حاجی عبداللہ نے حیرت بھرے انداز سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا بات ہے؟" حاجی عبداللہ نے اس کا ہاتھ قلم لیا اور بے قراری سے بولے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ غفران ان کے سیاسی مخالف فتح علیہ حیات کا دایاں بازو ہے۔ اس نے بھی کھلی حاجی عبداللہ کے ساتھ بدتمیزی نہ کی تھی۔ کیونکہ ان جی ان کے گھر میں کھانا پکایا کرتی تھیں اور وہ اسی نسبت سے ان کی عزت کیا کرتا تھا۔

حاجی کو بھی غفران سے کوئی شکایت نہ تھی۔ بس گھڑتا تو صرف اتنا کہ وہ اچھا آدمی تھا۔

غفران نے سختی سے دیر بعد اپنا سر اٹھا دیا تو اس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو کر سوخ گئی تھیں۔ مگر وہ صبح کر پا کر کھڑا ہوئی تھیں۔

"میں تم سے یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے مقصد کو فٹ نہیں کرنا چاہتا۔" شاہ جی نے کہا شروع کیا تو غفران کی نظر میں مزید جھک گئیں۔ وہ سمجھا گیا تھا کہ اب اس کی گنہ گاروں سے آواز نہ ملے گی کی غم شروع ہونے والی ہے۔ اب وہ دیکھ جائے گا کیونکہ شاہ جی اس کا تمام کام کاچٹا کھول کر بیان کرنے والے ہیں۔ یہ اس کی سوچ تھی۔ وہ خرم سے مزید چھوٹی ہوئی تھیں۔

"مجھ کا بھلا شام کو گھر واپس آجائے تو اسے بھلا نہیں کہتے۔" شاہ جی کی آواز آئی۔ "تم نے جو کرنا تھا کر لیا۔ اب جو ہم نے کرنا ہے۔ کریں گے تم اپنے گناہوں اور گھٹیاوں پر شرمندہ ہو کر آئے ہو۔ میں تم سے ایک دم اس حد تک پی کی وجہ پر چھٹا چاہتا ہوں۔ یوں بھلا کہ تمہارے منہ سے سنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ گناہوں کی دلدل سے باہر نکلنے کے لیے ایک مضبوط اور دلدل دھکیل کے علاوہ ایک طاقتور ہمارے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ گناہ کی چیز ہے جس نے تمہیں گناہوں سے بے جا کر دیا ہے۔ اپنی سابقہ زندگی کے بارے میں کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ سچین نے کہہ کر اب تک تم اور تمہارا تمام کام ہمارے سامنے ہے۔" شاہ جی نے غفران سے کہا تو حاتی مہلا بھی سنبھل کر بیٹھ گیا اور انٹیلیجنٹ کی سوز و گداز ہو گیا تھا۔ غفران نے بھی ہلکی ہلکی آنکھوں سے ہی کہنا شروع کیا۔

"میں شاہ جی کی گناہوں اور گھر واپس کی زندگی نہ چھوڑتا۔ مگر شاہ جی۔"

وہ خاموش ہوا تو شاہ جی نے اس کی ہمت بڑھائی۔ وہ حوصلہ پا کر پھر بولا۔

"آپ نے جس دن میرے گھر میں بیٹھ کر عصر کے بھائی خالد کے اندر سے میری سیاتی جنس لگا تھا۔ اس دن ایک گھنٹہ میں عصر میرے دل میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ میں اس سے اپنے دل کی بات بھی کہنے لگا تھا۔ کیونکہ وہ انتہائی خوبصورت اور چمکی سی تھی اور پھر حافظ قرآن تھی۔ جبکہ اس کی نسبت میں ان چار گناوارہ جانی و بدخیز اور بدعاش تھا۔ ان تمام باتوں کو تو نہ جانتی تھی۔ مگر میں جانتا تھا کہ میں خود کبھی بھی اس کے کاٹل نہیں بنا سکتا۔ اگر میں اسے اچھا نہ کر دیتا تو اس کی خاطر نماز اور اور لیکیاں شروع کر دیتا تو وہ بیٹھنا ایک دکھاوا ہوتا اور گناہ کو دیکھ دیکھ کر میں بھی خیر نہیں مانتا تھا کہ میں اس کے لیے تو ناز نہ چھوڑوں جس کی عازہ ہے اور اس کے لیے چھوڑوں جس کی لڑائی نہیں ہے۔ میں بھی کہی کہ اب یہ تعالیٰ کے حضور ہجو نہ کر سکا۔ مگر اس بات کا بھی اعتراض ہے کہ عصر کو بھی دل سے نہ نکال سکا۔ ایک ایسی بھی

اور تھلا جگہ پر جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ حاجی مہلا بھی شاہ جی کا سر پہ تھا۔ وہ بھی ان کی خدمت میں حاضری دینے آیا تھا اور غفران بھی ایک ایک اور خاص مقصد کے لیے آیا تھا۔ حاجی مہلا کی تحریر بھائی۔ کیونکہ اس نے اپنی زندگی کے معمول میں بھی غفران کو مرشد کے در پر اپنی منشا میں خود دیکھا تھا۔ سچی خود خاموش نہ رہ سکے۔

"آج سورج تو بیشک کی طرح شرتن سے ہی نکلا ہے۔" وہ اوپر دیکھنے لگے۔ "مگر آج اس کی پتلیں کم کیوں معلوم ہوتی ہے؟" ان کا اشارہ غفران کے منہ سے پھر سے کی طرف تھا۔ انہوں نے غور سے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں جھلناٹے والے آئینہ کچھ کھارائی صاحب مزید حیران ہو کر بیٹھ گئے۔ کیونکہ غفران نے بڑی آہستگی اور نرمی سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چھڑا لیا تھا۔ مگر کچھ نہ بولا تھا اور اندر کی طرف ہاتھ لگایا اس نے اندر داخل ہوتے ہی اپنے جوتے اترنا شروع کر دیے۔ وہ لنگھو وہاں اس کی کوئی ممانعت نہ تھی۔ شاہ جی دواغ کے ساتھ صاف بچھا کر اس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ غفران کے پیچھے ہی حاجی مہلا بھی دو پارہ حویلی میں داخل ہو گئے۔

غفران کڑے دودھ کے ساتھ چلن ہوا صاف تک پینا۔ شاہ جی اس کی دلی کیفیت جاننے لگے تھے۔ انٹیلیجنٹ جی راگی سے غفران کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وارنر تے پاؤں سے صاف پر پینا اور شاہ جی کے سامنے دوڑا اور بیٹھ گیا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر اپنے پیچ پر کھلے اور سر جھکا کر اسے بھانے شروع کر دیے تھے۔ شاہ جی اس کی طرف مسلسل دیکھنے جا رہے تھے۔ غفران کو کچھ نہ آوری تھی کہ کیا کہے؟ اگر کہے تو کیسے بات شروع کرے؟ وہ تو جس تمام باتیں اپنے آئینوں سے کھربا تھا۔ اس کی آنکھیں زبان بھی آئینوں کی استعمال کر رہی تھیں اور آئینوں کے دل کی تڑپ بتائی کر رہے تھے۔ وہ مسلسل رونے جا رہا تھا۔ پھر اس کا بدن نیچے کے کھلنے لگا۔ وہ ہچکچاہٹ لے کر دروہ تھا۔ اس کی ہلکی ہندہ تھی تو شاہ جی نے اسے آواز نہ کر کے بیٹھے بیٹھے ہی اس کے چلے ہوئے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچا اور اپنی گود میں اس کا منہ چھپا لیا۔

اب تو حاجی مہلا اندر داخل ہو کر انٹیلیجنٹ کی آنکھیں بھی متورم ہو گئی تھیں۔ حاجی کچھ گیا تھا کہ غفران بیٹھ کر کچھ دیر غفلت سے رہتا ہے چھٹا چاہتا ہے۔ اب وہ اپنے سابقہ گناہوں کے ازالے کے لیے سرش کاٹ کے پاس آ کے دست حق پرست ہونے کے لیے آیا ہے۔ حاجی مہلا نے اس بات کو سراہا اور غفران کے بدن پر چھٹی دینے لگے۔ پھر جب اس کا دوا پکا ہو گیا تو شاہ جی نے پیار سے اس کی پشت پر ہاتھ بکیرا شروع کر دیا۔

جوت میرے سن میں جاگ اُٹھی تھی۔ جسے محبت کہتے ہیں۔ ”وہ کچھ وقت کر کے بھر بولا۔

”میں محبت اور عشق جیسے حساس اور نازک جذبوں سے ناگوار اور گریزاں تھا۔ میں جس طرح اپنی زندگی ایک دہلے کی طرح گزار رہا تھا۔ اس زندگی میں محبت جیسے عقیم اور پاکیزہ جذبہ کو ٹھیل نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن میرے دل اور راتوں کا سکون اس ایک لمحہ ہی جیتنے لیا تھا۔ جب میری اور مصممہ کی نظر میں گہرائی تھی۔ میں کئی راتوں کو سو نہیں سکا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے سن میں اس جذبہ کو بچکا یا تو دوسری طرف مبادلہ کرنا ہوں سے اچانک بھی رہنے لگا۔ لیکن اس زندگی میں آنے کے بہت سے دے رہے تھے۔ مگر پورے لکھے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ بس ایک ہی راستہ تھا۔ ”موت“ اور میں ابھی مرنا نہیں چاہتا تھا۔ بس میں نے اے تھا کہ محبت اور عشق ایک ہی نظر میں ایک ہی لمحہ میں ہو جاتا ہے۔ میں اس بات کو بھی نہ مانتا تھا، لیکن اس لمحہ کی طرح میری زندگی میں داخل اور قبول رہے تھے۔ ہونے والوں میں سے ایک داغ بن گیا۔ اس جگہ پر محبت نے اپنا رخ بدلا اور پھر رب کریم نے مجھے اپنی محبت کا عملی نمونہ بھی چند دن بعد ہی دکھادیا۔ میں نے نہ دیکھا کہ شیخ عربیہ نے ایک نام نہاد بیرو کو اپنا سرحد جگہ کار کھرا لیا ہے۔ اس نے اس کی تقسیم اور عقیدت میں شرکت کی التجا کر دی۔ وہ اس وضو کی قدیموں میں سجدہ کی کیفیت میں گر گیا۔ مجھے یہ سب یکدم اجنبی لگا۔ مجھے اپنے آپ سے محن آنے لگی۔ بس ابلیس۔ شادی۔ یہ ایک بار بھروی لمحہ تھا۔ وہ مکاری ایک بار پھر اُٹھی تھی۔ جب انسان کو کچھ اچھا لگتا ہے اور کچھ برا لگتا ہے۔ اس لمحہ میں مجھے انسان کا انسان کو سجدہ کرنا بہت بُرا لگا۔ یہ میرا کوئی نیک عمل نہ تھا۔ بلکہ قدرت کی عطا تھی۔ اس پروردگار نے ایک بار پھر میرے دل میں محبت کی کبھی جوت چمکائی اور پھر ایک اور کلا داغ میرے دل سے جھٹ گیا۔ مگر اس بار اس داغ کی جگہ پر کسی انسان کی محبت نے جگہ لی۔ بلکہ اس عقیم رب کی سماعت والی ذات نے اپنی جگہ پائی۔ میں نے اپنے دوست چالی سے تمام بات بیان کی تو اس نے مجھے سجدہ پر طویل لکھ دیا۔ (پتھر) لیکن اس نے یہ بھی کہا کہ رب اعزّت نے کلمہ طیبہ میں جو نعمتوں اور برکتوں والا نام اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے۔ سجدہ تو اس کو بھی جائز نہیں ہے۔ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہے یا زوات کو ہی واجب ہے۔ میرا مطلب یہ کہ اگر اس عقیم انسان کو آخر میں جو بارمان اور مصلیٰ وہ رب اعزّت نے عطا کیا ہے۔ تو مجھ کے بارے میں بتایا جائے لیکن جانی کے پاس وقت کم ہوتا ہے۔ اس وقت کی بہت مصروف ہوگا۔ میں بہت پریشان ہو گیا تھا۔ بس ذرا سی بات پر شیخ سے ملنا کھائی ہوئی اور میں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ جی۔ ہمارے درمیان معاہدہ طے ہوا کہ وہ

”اس مسجد میں جو بزرگ تھے۔ وہ بہت نورانی چہرے کے مالک تھے۔ میں نے ان سے ناگوار نہ کیا تو انہوں نے کیا تھا کہ تمام معاملات اللہ پر چھوڑ دو۔ وہ بجز بدل کرنے والا ہے۔ باقی باتیں تمہیں۔ انہوں نے آپ کا نام لے کر کہا تھا کہ آپ مجھے بتائیں گے۔ میں مانتا ہوں کہ میں نے بھی زندگی میں رب تعالیٰ کو سجدہ نہیں کیا ہے۔ لیکن آج رب کریم کی بارگاہ میں سجدہ کرتا چاہا تو نہیں کر سکا کیونکہ مجھے علم ہی نہیں ہے کہ سجدہ کیسے کرتے ہیں؟ اس وقتوں والے رب کو کیسے مانتے ہیں؟“ وہ بھر روئے لگا تھا۔ شادی نے اس کا جگہ ہوا تھا۔ پھر اس کی سسکاری میں لگی تھی۔ شادی نے میری زندگی میں سجدہ پڑھ کر اس کے بٹے ہوئے ہاتھ پر پھونک مار دی تو اس کو کافی سکون محسوس ہوا۔ شادی نے بدستور اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ وہ بولے۔

”جس طرح تم نے اپنے رب کو سنا ہے۔ سنا ہے ہی کوئی مانتا ہو؟“

”اچھا! وہ کیسے؟“ وہ حیرت و حیران سے کہہ رہا ہے۔

”قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔ جس نے رسول کا حکم مانا اس نے یتیم اللہ کا حکم مانا۔ اور برکتوں والا رب جس رسول کو شایعیت دے گا اس کا حکم اللہ کا حکم ہے۔ اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اس کے نام کی تعظیم اللہ کے نام کی تعظیم ہے۔ وہ کوئی معمولی یا عام بشر کے بارے میں ایسا نہیں فرماتا بلکہ اپنے پیارے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسا فرماتا ہے اور اس رب کو راضی کرنے کے لیے پہلے اس کے محبوب کو راضی کرنا پڑتا ہے اور میرے خیال میں (انہوں نے) غفران کا جواز ہوا تھا پھر کڑے

کا نام بلند کرے گا۔ روزِ قیامت میرا محبوب اس شخص کی عظمت و جلال کے لیے اپنی سقاہت پیش کرے گا۔ میں اس کی بات بھی نہ ٹانوں گا۔ اس عظیم انسان کی امامت میں تمام انبیائے کرام جو ہزار ہوں تھے اسے ہائے جاوید گئے۔ وہ بھی مقتدی بن کر اس کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔ اس بستی پر دینِ اسلام صل ہو گا بوقتِ فتح ہو گی۔ ملائکہ و دروانِ جنت اور کائنات کا زور و زور اس پر درود و سلام پیش کرے گا۔ حتیٰ کہ میں خود بھی اس کی مدح و سراہی کیا کروں گا اور حق تو بخوبی جانتے ہو کہ میرے لیے یہ تمام کام بہت آسان ہے۔ کیونکہ میں "مکن" کیوں تو سب کچھ ہو جاتا ہے۔"

شاہی کچھ دیر کے لیے خاموش ہوئے تو ان تینوں کی طرف دیکھا۔ جو بہت ہو کر حیرت دے کر قادی کی کیفیت میں شاہی کے منہ سے حقیق کا نکتہ اور باعث حقیق کائنات کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ کسی بھی قسم کی جرأت نہ کر سکتے تھے کہ وہ کوئی سوال کریں۔ بس اس بات کے متضرع تھے کہ شاہی اس عظیم ذاتِ محبوب کے حقیقی مرید کچھ بتائیں۔ شاہی کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ وہ اپنے بول رہے تھے جیسے یہ تمام باتیں ان کے دل سے مطلق بنی صلی علیہ السلام میں ادا ہو رہی ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر یہ عظمت بخشی کہ فرشتوں کو ان کے آگے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مکمل اللہ بنا دیا اور ان کی جائے سکونت کو حج کا مرکز بنایا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبحِ اللہ کے لقب سے سرفراز کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو روحِ اللہ کے خطاب سے نوازا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مکمل اللہ کی کہلا کر۔

اپنے محبوب حضورِ نور محمد مصطفیٰ صلی علیہ السلام کو قرآن کریم میں کسی کی محرم و مقدس ناموں سے پکارا اور ان کا خطاب کیا، یہاں تک کہ ان کے ذکر کو پانچ سو مرتبہ پڑھنا ان کے نام کو پانچ سو مرتبہ پڑھنا اور ان کی مدح و سراہی کو ان بات اثنی عشر بار کا حکم اور تمام مہل ایمان سے فرمایا کہ "یہ لقب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں ان بنی صلی اللہ علیہ وسلم پر اسے ایمان والا لقب بھی ان پر درود اور سب سلام بھیجے۔"

تکذیبِ صحت یہی ہے کہ محبوب کی ہر دمِ طریقت کی جائے۔ حضورِ نور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب بلا لائق ہیں۔ سیدِ انبیاء ہیں۔ محبوبِ کبریا ہیں۔ تاجدارِ عرب و عجم ہیں۔ قطبِ المذہب ہیں۔ رحمتِ للعالمین ہیں۔ سراپاِ شیر ہیں۔ ساقیِ کوثر ہیں۔ حبِ الحق

ہوئے کہا "تم نے اس کے محبوب کے نام کی عظمت و سر بلندی کے لیے مطلق ہوئی آگ میں ہاتھ ڈال کر اس کے محبوب کے نام کو جلتے سے نکال کر ربِ باعزت کو منایا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ بیوقوف و رجم ہے۔ جسے اپنے پیار کے محبوب کے پیارے نام کی سر بلندی کے صدقے سے معاف فرمائے گا۔" شاہی خاموش ہوئے تو فطران ان کی طرف شاہی سرگ کی کیفیت میں جھکا دیکھ رہا تھا۔

وہ سمجھیں یا نہ تھا کہ کیسے رب تعالیٰ اچھی آسانی سے مان جاتا ہے؟

"تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔" شاہی نے فطران کی حیرت دور کرتے ہوئے کہا۔ "قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اور ہم نے تمہارے ذکر کو بلند کر دیا۔ اللہ تعالیٰ بڑا بڑا نیا اور بڑا بڑا عہد ہے۔ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ہر چیز اس کی رحمت سے مستفید ہوتی ہے۔" شاہی کچھ دیر بے حجب اور عارفی عبد اللہ خضران، اسماعیل خاموشی سے سن رہے تھے۔

"اس کائنات کو مطلق حقیق کرنا ہی اس عظمت و شان کا سلب کا مقصد تھا اور یہی اسے انسانوں کی عبادت کی ضرورت تھی۔ کیونکہ اس کی عبادت کرنے کے لیے ان محنت کا خاکہ ہرگز موجود اور عبادت کی حالت میں رہتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ انسان کی تخلیق کرنے لگا تو ملائکہ نے کہا یا ربی تعالیٰ آپ ایسا انسان تخلیق کرنے لگے ہیں جو کائنات پر حقے و شاد برپا کرے گا۔ جبکہ تیری عبادت کے لیے ہم موجود ہیں۔ یہ بات سن کر حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ تم وہ بات نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں دیکھنا ہوں۔ انسان کی تخلیق محض اپنی عبادت کے لیے نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ اس مخلوق میں سے ایک ایسا عظیم انسان بھی پیدا کروں گا جو میرے تمام انبیاء میں سے آخری نبی ہوگا، لیکن اس کا درجہ تمام انبیاء کرام سے اعلیٰ و افضل ہو گا۔ جو میں کہوں گا۔ وہی اپنی امت کو فرمائے گا۔ جو بظاہر بظہری روپ میں دنیا میں ظہور پذیر ہوگا۔ مگر اس کے منہ میں میری زبان ہوگی۔ اس کی بات میری بات ہوگی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میں نے اپنے نام کے ساتھ اس کا نام بھی لے لکھ لیا ہے۔ جو بھی اس نام کی عظمت و سر بلندی کو گواہی دے گا۔ اس کا نام کو بطور وسیع بنا کر میری ہزار گاہ میں نکالوں گا۔ سے تاب ہوئے کی دعا کرے گا۔ اپنے گناہوں، غلطیوں اور قصصوں پر اس نام کو وسیلہ بنا کر توبہ طلب کرے گا۔ میں اس کی توبہ قبول کروں گا۔ میں اس کے گناہ بخش دوں گا۔ اس کے گناہ ہوئے اصول اور سیدھے راستے و حقیقت میرے بنائے ہوئے ہوں گے۔ اس کی تقلید کرنے والوں کے لیے میں جنت کے تحائف دوں گا۔ جو میرے اس عظیم محبوب

ایک اور بھلا کو اپنے گھر کو ہار با تھا۔ اللہ کی عدا اور نصرت سے غفران سیدھے راستے پر چل پڑا تھا۔ اب وہ حاجی عبداللہ کا بیٹا بن چکا تھا۔ غفران کی نظر میں بھی وہ نہیں گھس۔ وہ اپنے آپ کو بالکل پکا چھوٹا محسوس کر رہا تھا۔ یک دم اسے محسوس ہوا تھا کہ اس کے دل و دماغ سے کوئی بہت بڑا اور اتر گیا ہے۔ اس کے لبوں پر مخصوص مسکراہٹ تھی اور غفران کو کوئی محسوس ہوا تھا کہ وہ کتنے دنوں کے بعد دل سے مسکرایا تھا۔ اطمینان منشا نے کہ عداوت ختم ہو چکی تھی کیا تھا۔

حاجی عبداللہ نے ڈیڑھ گھنٹہ کی رشتہ کی آگے کر دیا۔ انہوں نے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھ کر ایک گھبراہٹ اٹھا کر حاجی عبداللہ کو دے دیا اور پھر ایک گھڑا اطمینان کو دے دیا اور آخر میں ایک امرتی غفران کو دے دی۔ انہوں نے وہ بسم اللہ پڑھ کر کہا تھا۔ تو شادی غفران سے ختم ہوئے۔

”اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ مذہب کی طرف توجہ اور دیکھی سے گھن لگاؤ، جس کام کا کبڑو تم نے اور تیار ہو دوسرے کی بھائی نے اٹھایا ہے اس کو انی کام پر لگا رہو۔ بسم اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا۔ تم بھی اس کا اعلاقی طور پر ساتھ دے سکتے ہو۔“ شادی حاجی عبداللہ کے سامنے جانی کا نام نہ لینا چاہیے ہوں گے۔ جیسا کہ انہوں نے غفران کے دوسرے بیٹے بھائی کا ذکر کیا تھا اور غفران کچھ کیا تھا کہ شادی کا اشارہ کس کام کی طرف تھا۔

”پانچوں وقت نماز پڑھنا سے ادا کرتے رہو۔“ شادی پھر گویا ہوئے تو غفران نے اپنے ذہن کو جانی کی طرف سے ہٹا کر ان کی طرف دھماں اور دواور ان کی باتیں غور سے سننے لگا۔

”قرآن کریم جب پڑھا جا رہا ہو تو سبک نہ ہو کر سنتے رہو۔“ شادی سے غفران کو کچھ بھی نہیں گھس۔ جنت و دوزخ کے متعلق سمجھا دیا۔ اللہ پاک کی واحد اہمیت اور عشق مطلق صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بہت کچھ بتایا۔ دو نام پڑاؤں کو لاہور میں رہا تھا اور کچھ بھی رہا تھا۔ دھوپ کوئی چمک رہی تھی۔ حاجی عبداللہ نے اجازت طلب کی اور رخصت ہوئے وقت ایک بار پھر غفران کو گلے لگایا۔

اب شادی سے غفران کو بھی اجازت دی اور کہا کہ اپنی ماں کی کو میری طرف سے مبارکباد دینا۔ غفران ان کے ہاتھوں پر بوسے کر اطمینان سے ہاتھ دلا کر اگلے تھکوسوں واپس حویلی سے باہر آگیا۔ اس نے پتا چڑنا پتہ اور مگر کی طرف چل پڑا۔

وہ اللہ تعالیٰ کا مومن تھا کہ اس پر برکت والے رب نے ایک انکا ہکا کو کھنڈ ایک ہی لمحہ میں ایک ہی نظر میں گمناہ آگاہ و زندہ کی سے عزت کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور دوسری طرف

والفر ہوا وہ الٹا ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ جل شانہ محبت ہے۔ یعنی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا ہے۔

اس لیے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق کر لی تو وہ تخلیق نور کی شکل میں تھی۔ تو اللہ چارک و تعالیٰ اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے لگا اور اپنے شاگرد یعنی اپنی مخلوق کو بھی علم دیا کہ تم میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب تعریف کرو۔ جس طرح میں کر رہا ہوں۔ اس علم انجی کے تحت انسانوں کے لیے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس۔ مطہر مطہر پر درود و سلام پڑھا ضروری سمجھا رہا ہے۔ اس کے علاوہ حسن کائنات کی ذات مقدس یعنی نور انسان کے لیے اور مخلوق خدا کے لیے اللہ رب اعزت کا سب سے بڑا نعمتی ترین انعام ہے۔ کیونکہ عراج، بھلائی، عسکت و عزت کا جو بھی راست انسان کو ملا ہے وہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور وسیلے ہی ہے۔ جس نعمتی رحمت کا نام اور ذکر اللہ تعالیٰ بندہ کرے اور لکھ اس کے محبوب کا ایک نعمتی جو کہ ان کے لیے اور پڑھتے ہیں۔ جب اس کے محبوب کے کام کو چلنے سے چالے تو اللہ رب اعزت اس نام کی عسکت سے اس بندہ کے تمام کام انہوں کو عاف کرے اسے دین کی سوجھ بوجھ اور چھوڑ کر دیتا ہے۔“

شادی خاموشی ہوئے تو ان کی ایمان افرو باہن میں تن کر تھیں کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ انہوں نے ہاری ہاری تھیں کی طرف دیکھا اور غفران سے کہنے لگے کہ وہ وضو کر کے آئے۔ غفران کو کتہ مذہب کی کلیت میں دیکھ کر شادی کچھ گئے کہ غفران انکی طرح وضو نہیں کر سکتا انہوں نے اطمینان کی طرف اشارہ کیا۔ تو وہ غفران کو نے گھن میں گئے ہوئے پنڈ پاپ پر لے گیا۔ اطمینان بتا جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ کھانکھی چلا جا رہا تھا۔ جبکہ غفران اس کے بتانے پر وضو بھی کر جا رہا تھا اور دونا بھی جا رہا تھا۔

شادی سے اس کے دائیں ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا اور اسے دوزانو چھینے کا اشارہ کیا۔ غفران کے پیٹھ جانے پر شادی نے اس کا ہاں ہاتھ اپنے ابرو والے ہاتھ پر رکھ لیا اور کہنے لگے کہ میں کچھ پڑھا ہواؤں تم بھی میرے پیچھے پیچھے کیجئے جانا۔ غفران نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

شادی نے اسے سچے چلے پڑھا۔ ایمان کی صفات پڑھا نہیں۔ ارکان ایمان و اسلام کے متعلق بتایا اور سمجھایا۔ غفران کو شادی نے بیعت کر لیا تھا۔ اب وہ ان کا ہاتھ قاعدہ مرید بن گیا تھا۔ حاجی عبداللہ اور اطمینان نے اسے ہاری ہاری اپنے گلے سے لگا لیا تھا۔ بلکہ حاجی صاحب نے تو اطمینان کو اپنی حبیب سے دوسرا پے دینے کا ہر مطالعی فریہ کر دیا۔ آج

کاٹنے سے کھیل رہا تھا مگر کانپیں رہا تھا۔ اس کی کانپیں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔

"کمر کا مسئلہ ہے؟" شیخ نے دو بار دہرایا۔

"بابائی کا بڑا اکرم ہے ذیقہ، ان کے ہوتے ہوئے کوئی مسئلہ نہیں ہو سکتا۔" احمد باؤ

نے اسی انداز میں جواب دیا کہ جہالت کی عکاسی کی انتہا تھی۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ کافی دنوں سے تم کچھ کمزور کمزور سے ہو رہے ہو۔ کیا کوئی مشق کا معاملہ ہے؟" شیخ نے چوٹ کی تو جیسی جیس نہ رہے۔ علیہ حالہ علیہ تنگم نے بھی احمد باؤ کی طرف اٹھنے سے دیکھا۔

"میں مصممہ کے بغیر مر جاؤں گا۔" یہ کہہ کر احمد باؤ اپنی کرسی چھوڑ کر چلا گیا۔ کمرسب کے پچلے ہوئے ہاتھ روک گئے۔ وہ ہاتھ جو ابھی سانس کا سینہ پیچ رہے تھے۔ اب ایسے ہو گئے کہ پیسے بے جان اور مٹی کی کوئی صورت ہوں۔

شیخ عرضیات اور علیہ تنگم کا چہرہ رنگ گیا تھا۔ جبکہ علیہ تنگم کے ساتھ جی۔ کیونکہ وہ دلی طور پر جانتی تھی کہ احمد باؤ کا رشتہ مصممہ سے ہو جائے۔ بھروسہ بھائی کی مرضی سے فقران کے متعلق اپنی بات والدین سے متنازعہ تھی۔

"کیا ہو گیا ہے اس لڑکے کو؟" شیخ تنگیں سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے علیہ تنگم سے بولا۔ "ایک معمولی اور طرب گھرانے کی لڑکی کی خاطر وہ اپنا آپ جا دو کر رہا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ میں اس خراب اور لاوارث لڑکی کو اپنے گھر کی بہو بنائوں۔ جس کا نہ کوئی آگے نہ پیچھے۔ نہ کوئی سر نہ کوئی پیار اور تو اور وہ اس عورت کے گھر میں رہ رہی ہے جو ساری عمر ہمارے گھروں پر بھتی رہی ہے۔ ایک نوکرانی اور ایک ایسی عورت سے میں اس کا رشتہ

لگائے جاؤں جس سے میرے بازار میں کچھ نیچے مار کر ذلیل و رسوا کر دیا تھا۔ چنانچہ ہے چنانچہ ہے علیہ تنگم، چنانچہ ہے۔" شیخ کا یہ کہہ دم اپنی ذلیل کے احساس سے چڑھ گیا تھا۔ "میں تو فقران اور اس کی ماں کو فخر کرنے پر غاوا ہوں اور یہی احمد باؤ کہتا ہے کہ میں ان کے در پر سوائی بن کر جاؤں۔ یہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔"

"عالیہ تنگم اس سے قوف لڑے کہ بھجواؤ۔" شیخ ایک بار بھر تنگیں کی طرف مڑا۔ "اسے زمانے کی اونچ نیچ کی سمجھ کب آئے گی؟ اسے کب پتہ چلے گا کہ کوکن جن اور کن جن سے سننا نہیں اس سے کہہ دینا کہ آئندہ اس لڑکی کے لیے کوئی بھی بات میں احمد کے منہ سے سننا نہیں چاہتا۔ رشتہ بہت برا ہو گا۔" شیخ یہ کہہ کر ہارنگس گیا۔ وہ اپنے غصہ اور ہرانا چاہتا تھا۔ گاڑی نکال کر کچھری سے ڈرامیجنگ کرنا ہوا چاہا تھا۔ اس کے ذہن میں فقران اور نڈیریاں کے

ایک ہی فکرمیں مصممہ کی آنکھوں سے محبت کا پیغام بندیا تھا۔ محبت اور عشق نے اس کے دل میں جگہ بنانا شروع کر دی تھی۔ اب وہ درمیان اور غلط فہمی رہا تھا بلکہ کچھ خطرانہ بن گیا تھا۔ انہی سوچوں اور خیالات کی پیلار میں وہ مگر کی دھنک پڑ گیا تھا۔

اسے شدید جھرت کا لگا تھا کہ جب اس نے شیخ عرضیات کی گاڑی اپنے دروازے کے سامنے کھڑی دیکھی۔ وہ اس گاڑی کو پہچانا تھا۔ بیگنوں میں سربت اس میں سڑکا تھا، لیکن ان کے دروازے پر اس گاڑی کا موجود ہونا پیشہ گوئی نہ تھی۔ وہی گیم ہو۔ یہی جس اس وقت شیخ نے نکلی تھی شروع کی ہوگی۔ وہ ہر طرح کی پریشانی کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی دھڑلے چاروں پہنچا تھا۔

\*\*\*\*\*

عالیہ تنگم کو بابائی کی "خدمت" کر کے جو خوشی اور سکون مل رہا تھا، وہ اس نئے اور مسکاتی کی کیفیت میں سب کچھ بھول گئی تھی۔ حتیٰ کہ شیخ صاحب کو بھی بہت کم وقت دے پاتی تھی۔ بابائی اس کے دل و دماغ پر عمل طور پر مادی ہو گئے تھے۔ مگر کے تمام افراد ہی اس کی جہالت اور مگر اسی سے بھرپور باتوں کے قائل تھے۔ وہ ہر اس کا کہہ دہ کر کے مگر سے لگتے تھے۔ احمد باؤ اور شیخ عرضیات کا موقف تھا کہ ہمیں ایسا کرنے سے روکی جاتی ہے اور جس دن ہم بابائی کو کہہ دے کریں۔ میں نقصان ہو جاتا ہے۔

علیہ تنگم بابائی کے علوم کا فکار بن گئی تھی۔ احمد باؤ تو دینی سے جہالت کی انتہا کر چکا تھا۔ وہ پڑھا لکھا ہونے کے باوجود بھی جہالت تھا اور شیخ عرضیات اور بھیل تھا۔ کام کا تمام گھرانہ ہی جہالت و شرک کی تصویر بن گیا تھا۔

بابائی کچھ دنوں کے لیے کسی دوسرے مریض کے گھر کا کہہ کر گئے تھے۔ شیخ اپنی فیملی کے ساتھ نائٹ کے میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے باری باری تیرہ کے چہروں کی طرف دیکھا تو احمد باؤ کے چہرے پر کچھ خاص خاص مردنی چھائی ہوئی تھی۔ وہ کافی دنوں بعد اچھے نائٹ کر رہے تھے۔ بابائی کی موجودگی میں تو ان کے پاس ایک دوسرے کا محفل دریافت کرنا تو درکنار محفل دیکھنے کا بھی وقت نہیں ہوتا۔ اب چہرہ بھون بھون اٹھنے ہوئے تو اسے عالیہ تنگم اور علیہ تنگم خاص فریض دکھائی دیں۔ جبکہ مگر کرنے پر احمد باؤ کا چہرہ مہر جھایا ہوا لگا تھا۔

"امہ!" شیخ عرضیات نے اپنی پلیٹ میں سسائ اور فرانی اڑے لیے ہوئے بچے کو مخاطب کیا۔ مگر بچے نے آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا مگر کوئی جواب نہ دیا۔

"کیا بات ہے۔ کوئی کاروبار ہائی پر بیٹائی ہے؟"

"نہیں ڈیٹی ہے۔" وہ اپنی پلیٹ میں رکھے ہوئے غصے سے سانس کے ساتھ جھج اور

ہم کیا کی۔ اس تمام معاملہ میں ہم نے کبھی جھکا کرے ہوئے پریشان نہیں تھی۔ عالیہ بیگم کے حکمناں دو ہی پر ڈاکٹر کو بھی اپنی حیثیت کا احساس ہوا۔ وہ عالیہ بیگم کی کبھی اس کا دہ سے سن رہی تھی۔ اس کی برداشت جواب دے گی تو وہ عالیہ بیگم سے ہوئی۔

”حرام پھیلے کا اتنا ہی شوق ہے تو حرام کھانا چھوڑ دو سوسٹا“ اب وہ بیگم کی طرف مڑی۔ ”اپنی جوانی کا حرام اگر اپنے کسی پارکو پھینکا ہی دیکھتا ہو تو میرے پاس آنے سے پہلے اپنی اس جھگ کی انجی ماس اور غرور کی پڑاؤ کو گھر ہی چھوڑ کر آنا تھا۔“

”میں نے جھکا ہے۔“ اس سے پہلے کہ عالیہ بیگم کی مزید دھمکی دیتی۔ ڈاکٹر بھی اپنی توہین کے احساس سے سرخ ہو گئی تھی۔ اس کی بات کا ثبوت کہ ہوئی۔

”اپنے الفاظ دہرائی وہ کیا ان اپنی زبان کے ساتھ ہی بند کر رکھو تو بہتر ہے۔ شہ قہم نے میرے نام کا پورہ نہیں پڑھا۔ جس پر جلی حرف میں لکھا ہوا ہے۔ لیڈی ڈاکٹر سوسٹا جی (ڈاکٹر)۔“ وہ خاموش ہوئی تو عالیہ بیگم کے چہرے پر سرانجامی کھیل گئی۔ اب وہ اپنی دولت اور طاقت کے لئے سے باہر آ رہی تھی کہ ڈاکٹر کی آواز نے اس کا ذہن ایک بار پھر اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

”میں بے وقت نہیں ہوں۔ تمہارا درد دیکھ سکتی ہوں۔ یہ بات ہمیں قہم ہو گئی ہے۔ اب اس گناہ کی کھڑکی کو گھماؤ اور دروغ ہو جاوے یہاں سے۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنی کمری کھمنا کر فون اٹھا کر اور کسی سے بات کرنے میں مصروف ہو گئی۔

عالیہ بیگم اور بیگم اپنا منہ کر کے اس کے کھینک سے باہر آ گئیں۔ راستے میں دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہ کی تھی اور وہی جیسے وہ ڈرائیور کی موجودگی میں کوئی ایسی بات نہ کرنا چاہتی تھیں جو ان کی کمزوری بن جائی۔

عالیہ بیگم نے مگر داخل ہوئے ہی بیگم کا ایک کمرے میں بند کر دیا۔ اس نے فون پر فوراً ٹیٹا صاحب سے رابطہ کیا اور ایئر پلے کی صورت میں مگر بیگم سے کہا۔

”ٹیلے نے پڑھیں کچھ میں پڑھا۔“ کیا اپنی دہائی آگے ہیں؟“ لیکن عالیہ بیگم کے اٹار پر وہ پیش میں آ گیا۔ ”ایک تو تمہارا لڑے نے پریشان کر رکھا ہے اور دوسرے قہم نے۔“ مگر عالیہ بیگم کے منہ سے یہ الفاظ نہ کر کے اب تمہاری لڑائی بھی گل ٹھارہ ہے۔ شیخ کی ٹیم ہو گئی تھی۔ وہ ہوا کے دوش پر اڑتا ہوا مگر بیگم تھا۔ اس لمحہ عالیہ بیگم نے ٹیلے کی طرف سے آپ کو قہم کا لڑا تھا۔ شیخ کا سنا ہے کچھ کر اس نے اس کا بازو جکڑا اور اس کمرے کی طرف لے گئی۔ جس میں بیگم بند کر دیا تھا۔

علاوہ اب عصر نے بھی گھر جانا تھا۔ اس نے غفران کا خیال ذہن میں آجے ہی ایک سیل پر پاؤں پر ڈاکٹر پر ہمدادی۔ جیسے وہ غفران کو اپنے پاؤں سے روکنا چاہتا ہوا۔

اس کی حرکات اس کے ذہن کی عکاس تھیں۔ وہ کسی بھی موقع پر غفران کو زبردست نشان دہیانا چاہتا تھا۔ انجی خیالوں میں غفلان وہ اپنے خلیہ اڑو پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے گاڑی مخصوص جگہ پر پارک کی اور اپنی منزل کی جانب بڑھ پڑا۔

☆=====☆

عالیہ بیگم پر بیٹائی کے عالم میں ادھر ادھر ٹیلے رہی تھی۔ وہ اس وقت ایک پرائیویٹ کلینک پر اپنی طبی میڈ کے ساتھ موجود تھی۔ شیخ غریبات کے جانے کے بعد ایک میڈ کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وہ بے پنے کیے جاری تھی۔ بالآخر وہ حال ہو کر گر پڑی۔ عالیہ بیگم نے فون پر لیڈی ڈاکٹر سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔ آپ اپنی جتنی کوششیں کیجئے کہ وہ بے پنے کیجئے جائیں۔

عالیہ بیگم میڈ کی اس حالت پر بڑی طرح پریشان تھی۔ طرح طرح کے خیالات اور دوسروں نے اسے گھرا ہوا تھا۔ پورین میڈ کی رپورٹ آ گئی تھی۔ میڈ اور عالیہ بیگم ڈاکٹر کی طرف دیکھ رہی تھیں جو کوفون پر کسی برہنہ کو علاج کے حلقے بتا رہی تھی۔ ڈاکٹر نے فون رکھ کر اپنی کمری کھمنا کی اور میڈ کی پورین میڈ رپورٹ کھول کر دیکھی تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رہ گئی۔ مگر اس کی مسکراہٹ نے دونوں ماں بیٹی کے دلوں پر چھریاں ضرور چلا دی تھیں۔

”مبارک ہو سوسٹا! میڈ ماں بیٹے والی ہے۔“ ڈاکٹر کی آواز نے ان پر اعظم بم گرا دیا تھا۔ وہ دونوں ساکت چاند رہ گئیں۔ کتنے ہی لمحے دونوں کے کانوں میں ڈاکٹر کی آواز گونج رہی تھی۔ ”میڈ ماں بیٹے والی ہے۔ میڈ ماں بیٹے والی ہے۔“

”کیا کوئی پر بیٹائی کی بات ہے۔ آپ دونوں تو خاموش ہو گئی ہیں۔ جبکہ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ پڑھا۔“

”اپنی شخص زبان بند کر دیا۔“ عالیہ بیگم نے لیڈی ڈاکٹر کی بات عمل ہونے سے پہلے ہی کاٹ دی بلکہ اپنی کاٹ کاٹنے والی زبان سے اسے ڈانٹنا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر جبرائیل سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔ عالیہ بیگم کی آواز بھر گئی۔

”اپنے الفاظ کو اور دہرائیں تو ہمیں بند کر دو ڈاکٹر۔“ شیخ!۔۔۔ وہ ہونٹوں پر ہلکی دیکھتے ہوئے ہوئی۔ ”یہ بات کسی تیسرے فرد کو معلوم نہ ہو تو تمہاری شخص بھی تمہارا نشان نہ اصرار

اپنے حواس میں تھی۔ باپائی کے ”دم“ نے اس کی عزت کو چھوڑا جس میں جہاں کے اسے کھلی سے بھول یاد تھا۔ بلکہ بھول کر اس کی ایک ایک بات الگ الگ کر دی تھی۔ اس بھول کی خوشبو اتنی اچھی طرح سونگھ لی تھی کہ بھول ہی خوشبو سے غالی ہو گیا تھا۔

وہ دل ہی دل میں غفران کو پسند کرتی تھی۔ حالانکہ غفران اور اس کی عمر کا کافی فرق تھا، لیکن دل ان چیزوں کو بھانا ہے۔ وہ غفران کو حاصل نہ کر سکتی تھی، لیکن باپائی کا نام بھی نہ لے سکتی تھی۔ جبکہ شیخ اور عالیہ بیگم غفران کے خلاف اور باپائی کے حق میں تھے۔ وہ باپائی پر تنگے والی فخریہ جرم کو کھلی ایک کلیڈائیق تھگتے اور شیخ کو قتل کر دیتے۔ وہ باپائی کا نام نہیں لے گی۔ وہ غفران کا نام لے لے گی۔ وہ اسے حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ اگر شیخ اسے قتل بھی کر دے گا تو اسے کوئی فرق نہ ہوگا۔ خود غرضی کی دلیل ترین اہتیار اور کیا ہوگی کہ اپنا نام اور نام مرتبہ بچانے کے لیے بیحد سے ایک بے گناہ کو بچانے کی کھان لی تھی۔ غفران کا کاغذ لکھ جانے کے بعد وہ باپائی کے ساتھ بات کر کے ہی انہیں خدمت کا موقع دیا کرے گی۔ ایک بار اس کا حاصل کر دے گا بعد وہ یقیناً مزید بے باکی سے باپائی کی ”خدمت“ کر سکے گی۔

وہ اپنے باپ کے لیے باتوں کو اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ بی نامور وزراء اور کئی نامی گرامی خاندانوں کی جیب میں پڑے ہوئے ہیں اور پھر غفران کی والدہ نے بھی تو اس کے ذہنی کی سرعام بے عزتی کی تھی۔ یہی موقع تھا کہ غفران کو اس بات کا بھی احساس دلایا جائے کہ اس نے علیحدہ ٹکڑا کر کتنا بڑا جرم کیا تھا۔

”نہ تم سے بچاؤ نہ سے بھی بچاؤ نہ انتقام لوں گی غفران! تم دیکھنا مجھے صحرانے اور جھلانے کا انتقام“ وہ اپنی صمت اور اپنی ذلت کی لگی کو اس کو سر برداشت نہ کر پا رہی تھی۔ لہذا خیالات کی بھاری لے اسے لیٹ لیا تھا۔ اب وہ باپ کو اپنے بچنے کے باپ کا نام بتانے والی تھی۔

”بہت سوچا بھی ہو لیکن اب میری برداشت کا امتحان مت لو۔“ شیخ غرضیات کی نگر دہی ”آواز لے اسے چھینے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ بی صمت اور غلط فہم کر کے بولی۔ ”غفران۔“

یہ نام اس کی زبان سے نکل کر شیخ اور عالیہ بیگم کے علاوہ اس کو سنے کی وجہ اوروں نے بھی سنا تھا۔ کمرے میں موجود دونوں افراد کے پاؤں تھے سے زمین نکل گئی۔ جبکہ بتاتے والی کے ہونٹ ذرا بھی نہ کھپکھپاتے تھے۔ اس کا دل ذرا بھی نہ لرز رہا تھا۔ اس کے ضمیر نے اسے ذرا بھی طاقت نہ کی تھی۔ وہ ضمیر فروش بنت گئی تھی۔

شیخ حیرت و استعجاب کی قسموں جلا علیہ بیگم کے منہ کی طرف دو کچھ رہا تھا۔ وہ کمرے میں بند ٹیبلہ کو کچھ گرد ل کر رہا تھا۔ ابھی تک کوئی بھی بات اس کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔ جبکہ شیخ باپ کو سنا سے کچھ کر کا پ کر رہی تھی۔ بے شک وہ ایک آزاد اور ایلٹ خلی سے تعلق رکھتی تھی، لیکن اس بات کو برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ ایک ناجائز بچے کی ماں بننے والی تھی اور وہ بخلی جاتی تھی کہ اس ناجائز بچے کا باپ کون تھا؟

”عالیہ بیگم! سب کیا ہے؟ اور اتنا کس کس معانے پر برت رہی ہو؟“ شیخ کے صبر کا پتا نہ لگتا تھا۔

”یہ چھوٹا لڑکی اور اپنی بیٹی جن سے اس کی کوکھ میں چلنے والا بچہ کس کا ہے؟“ عالیہ بیگم نے بغیر حیرت یا غم سے شیخ کے کانوں کے پردے کھول دیے تھے۔ وہ گنگ ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی شاید سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ بیگم صبر سے کیا فرمایا ہے؟ وہ استغراب سے غصہ سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ جیسے وہ بات دو بار دہرانا چاہتا ہو۔

”میں ماں بننے والی ہے شیخ صاحب!“ عالیہ بیگم نے اس کے کانوں میں جھلایا ہوا سیر۔ اظہارِ قافاس کے چھوڑے ہوئے روشن ہو گئے تھے۔ وہ بھی بیٹی کی طرف دیکھا اور بھی بیگم کی طرف اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کس سے کیا کہے؟ وہ کتنی ہی دیر گم گم گزارا اور پھر ایک نشتر ڈی آہ بھر کر لیا۔

”میں نے آج تک تم پر بھی کسی بھی قسم کی بیشر یا بددعا نہیں کی۔“ وہ بیگم سے براہ راست مخاطب تھا۔ اس کی آنکھوں سے کرب جھلک رہا تھا، لیکن وہ معصوم و مظلوم نہ تھا۔ اس بچے کو ضائع کر دیا جائے گا، لیکن صرف اس کا نام تادو۔ جس کے ساتھ تم نے اپنی جوانی برباد کی ہے۔“

”ذہنی!“ بیگم نے ڈرتے ہوئے انداز میں کچھ کہنا چاہا تو شیخ بھی اس سے نظریں نہ ملا سکا تھا۔ ”مجھے شہزادہ اس وقت چاہئے ذہنی۔“

”یہی ایک چیز تو میں نہیں دے نہیں پاؤں۔“ شیخ کی بات میں بے بسی تھی۔ اپنی غلطت کا اعتراف یا پھر کھوار۔ ”اب بھی ایسا ہی ہے۔“ انکس سر پر آمد ہے جہاں میں یہ انکسٹن بابا بی کی رحمت سے ہر حال میں جیتنا چاہتا ہوں۔ لہذا وقت نہیں ہے میرے پاس جو کچھ بھی کہنا ہے ابھی اور اسی وقت کہو۔ بتاؤ کہ وہ کون ہے؟“

بیگم نے تذبذب کا مظاہرہ کر آ رہی تھی۔ اگر وہ باپائی کا نام لیتی تو کوئی بھی اس کی بات کا یقین نہ کرتا۔ بلکہ عالیہ بیگم ہمار غرضیات کو شاہجہاں کا گواہی دیا دیتے اور پھر وہ بھی کون سا





تم جس نے تمام عمر ہمارے گھروں پر گزار دی۔ اب مجھ سے بڑا بانی کرو۔" عالیہ بیگم کا رخ  
اب مصمم کی طرف مڑ گیا تھا۔ وہ بڑی محنت سے خاک ہوں چڑھا کر بولی۔

"تو یہ ہے وہ کتنا احسن نے میرے بیٹے کا سونہرا بڑا کیا ہوا ہے۔"

"عالیہ بیگم اب کھڑکی ہو گا کہ تم اپنی زبان کو لگا دو۔ ورنہ ایک غریب کی بڑبالی  
سارا عالم جانتا ہے۔" ماں جی نے مصمم کی توہین کا جواب دیا۔ جبکہ مصمم اپنی بے عزتی کی  
وجہ سے روئی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔ وہ کمرے میں جا کر اپنے آنسو چھپاتے گئی۔

"تمہارا وہ گھنا خون کہاں ہے جس نے میری عزت پر داغ ڈالنے کی کوشش کی  
ہے۔"

"میرا بچا میرا غرور ہے، میرا فخر ہے، میرا سرمایہ ہے، میرے بڑے حاکم کی داغی  
ہے۔ عالیہ بیگم! اپنے آپ کو میری نظروں میں اتنا مت گراؤ کہ میں بھائی امیر علی کے تمام  
احسانات بھولی جاؤں۔" ماں جی غفران کی بھی بدخوشی کیسے برداشت کر سکتی تھی۔ آخر وہ ماں  
جیس۔ عالیہ بیگم کا بارہ ایک دم چڑھ گیا تھا۔ وہ امیر علی کے نام پر ہلک جھکی تھی۔

"امیر علی کو اپنا بھائی کہتی ہو۔ شرم آتی جا رہے ہیں نہ میں دیکھ، شرم آتی جا رہے  
جس بھائی کے دیئے ہوئے دوپٹے بیویوں پر آج تک زندہ بلی آ رہی ہو۔ اسی کی نسل کی بے  
حلم گئی ہو۔ اتنی جگہ اور گھٹیا ہو کر اسی خالی میں تم کو دیا ہے جس میں بھی کھائی رہی ہو۔"  
عالیہ بیگم کے منہ سے کتب پھر رہی تھی۔ وہ مصمم کی انتہائی شدید حالت میں بول رہی تھی اس  
کے چہرے کا رنگ سرخ اور تھیں ان کی تھیں۔

"جس بیٹے کو اپنا غرور اور تکبر کبھی ہو۔ کاش، کاش کہ تم نے اسے انسانوں میں  
زندگی گزارنے کی اصول بھی بتائے ہوتے۔ اسے حسن خلقی کی تعلیم نہ دی ہوئی۔ مجھے تو کتنا  
نفس کہ وہ تمہارا چاڑھ رہتا ہے۔ بلکہ جس امیر علی کو بھائی کہہ رہی ہو، وہی تمہارا قسم تھا۔"  
عالیہ بیگم کے منہ سے نکلنے والے جگہاں جگہاں کی کسے کا کچھو کچھو جگہ جگہ سے جھلسا گئی  
تھیں۔ وہ زمین میں ڈلے ہوئے کو جگہ جگہ نظر رہی تھی، لیکن ابھی موت کا جلا اور میران بن کر  
نہ آیا تھا۔ ایک بہن بھائی کے مقدس اور عظیم رشتہ پر کچھ اچھالا گیا تھا۔ نہ ہی زمین چھٹی تھی  
اور نہ ہی آسمان گرا تھا اور نہ ہی ماں کی کوزلین نے اپنے اندر سسٹے کی جگہ دی تھی، لیکن ایک  
دم ایک زمانے دار تجھیر کی آواز نے ماں جی اور مصمم کو لگا دیں اٹھانے پر مجبور کر  
دیا تھا۔ غفران آگ اور مصمم کی جوتھازت چہرے پر لیے ہوئے عالیہ بیگم کے سامنے کھڑا  
تھا۔ جبکہ عالیہ بیگم کا ایک ہاتھ اپنے اس گال کو سہارا دیا تھا۔ جس پر غفران کے زوردار مٹا گئے

نے اس کے ہاتھ کی انگلیوں کے تھان چھوڑ دیے تھے۔

وہ اپنے غصہ کا پورا کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور عالیہ بیگم اور علیہ سم کر رہی تھیں کھڑی رہ  
تھیں۔ ماں جی نے آگے بڑھ کر غفران کا بازو پکڑا اور اسے اندر کمرے کی طرف دھکیل  
دیا۔ اس کی سرخ اور لالہ رونا آکھیں دیکھ کر ایک باوقار مصمم بھی دھکی کر رہ گئی۔

"میں نے کہا تھا، عالیہ بیگم کہ میرا بچا میرا غرور ہے میرے غرور کو بھی بھی مت  
ٹھکانا۔" ماں جی نے آگے بڑھ کر عالیہ بیگم سے کہا۔

"موتوں پر ہاتھ دھو اٹھاتے ہیں جو میدان جنگ میں جانے کی صلاحیت نہ رکھتے  
ہوں۔ تم نے میرے منہ پر چھپر مار کر اپنی مردانگی نہیں دکھائی بلکہ اپنی موت کو اپنے قریب کر لیا  
ہے۔" عالیہ بیگم کا غرور ابھی بھی زندہ تھا۔

غفران کو ایک بار پھر اندر سے آواز آ رہی کہ وہ حرج بہم لگی تھی۔ گھر اس کی دولت اور  
اس کی حیثیت سے بات عمل کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"بولو عالیہ بیگم! میرے گھر میں کیا لینے آئی تھی؟" غفران کے کہنے سے پہلے ماں جی  
بول پڑیں، لیکن عالیہ بیگم کے بولنے سے پہلے غفران بول پڑا۔

"جو کچھ کہنے سے پہلے میری بات سے معافی مانگو عالیہ بیگم۔"

"میں بات کی معافی۔ فرما دو، رہا۔" اس کی اس بات سے جھٹکے والا غرور غفران  
ابھی طرح کچھ گیا تھا۔ وہ آگے بڑھنے لگا تھا۔ گھر اس جی نے اس کا بازو پکڑ رکھا تھا۔

"اس بات کی معافی کرتے ہیں ماں ہو کر ایک ماں کی توہین کی ہے۔ اس کی ذات پر  
اس کی عزت پر کچھ اچھالا ہے۔ اس بات کی معافی کرتے ہیں اس عورت کی توہین کی ہے جو  
پاکیزہ اور جھڑک رہی ہے۔ اس بات کی معافی مانگو عالیہ بیگم! کرتے ہیں اس مقدس رشتہ پر  
اپنی جگہ اور گھٹیا ذات کا جواز نہ دے گا۔ ایک بہن اور بھائی کے رشتہ کو اپنی گھٹیا سوچ سے ایک  
غلط رنگ میں جوڑا ہے۔ ان تمام باتوں کی معافی میرے کہنے کے بغیر ہی مانگ رہی تھی  
ہے۔ ورنہ ہمیں اپنی ماں کے اند قندموں کو ہانپنے پر مجبور کر دیں گے۔ جن کے نیچے آنے والی  
خاک کے برابر بھی نہیں ہوتی۔" غفران اب پہلے جیسے غفران بن گیا تھا۔ ابھی وہ زوردار  
ہی بیٹہ ہو کر آیا تھا۔ سکھ اور بہن کے کلمات اس کی زندگی سے رخصت ہو گئے تھے۔ وہ تو  
بیک سو رشتہ پر غور کر رہی تھی، لیکن ابھی اس پر غصہ تھا۔ وہ آلہ رسول کے دست حق پر بیٹہ کی  
شرف پائی حاصل ہونے کے بعد اس بات کے کڑے سے کڑے سوالات کے کڑے کڑے طریق  
کے ٹھکانے لے کر آئی تھی اس کی آواز بکس کے لیے۔

"عالیہ بیگم اتم نے گلزار چائے کے لیے ایک گلاب آدی کو جن لایا ہے۔ اس آدی کو جن لایا ہے جو خود اپنی وجہوں سے نکل کر تنگی کی طرف بھاڑ رہا ہے۔" عالیہ کے لبوں پر مخریہ مسکراہٹ بکھری تھی۔ "غفران! وہیں کھڑے کھڑے لگے پاؤں پر کھونا۔ اس نے ماں کی بی طرف دیکھا۔ جو خوش دھواں سے بچا نہ ہو کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھلی آنکھوں سے قلم منظر دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے خبر ہے کہ میں نے اس عظیم عورت کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ میں نے وہی اللہ حرام کا اپنے من میں ڈالا ہے جو تمہارے گھر سے کھایا ہے۔ اس گھر میں بھی کبھی حرام لے پاؤں رکھتا تو دور تک جھانکنے کی بھی بات نہ ہوئی ہوگی۔"

"میں تمہاری نظر پر سننے۔" عالیہ بیگم نے غفران کی اور غفران نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی عالیہ بیگم! اس لیے اپنی گندی زبان بند رکھو۔" وہ سخت شے میں تھا۔ عرصہ اس کا یہ انوکھا روپ دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اگر غفران نے واقعی عیسے کے ساتھ حرام کاری کی ہے تو وہ بھی کبھی غفران کو معاف نہیں کرے گی۔ اس عبت سے اس کا اٹھام دم ہو جائے گا۔ اس کے آسویہ کہ اس کی کانوں پر آگئے تھے۔ بے اختیار اس کے ہاتھ دار گلاب داری قہقاری میں اٹھ گئے تھے۔

"میرے پاک پر درد گار۔ میری عبت اور پاکیزہ سوچ کی لانا رکھتا!" وہ ابھی یہ دعا مانگ رہی تھی کہ غفران کی آواز اس کے کانوں سے نکل گئی۔

"عالیہ بیگم! میں پانچ چھ سال کا تھا جب شیخ صاحب کے ساتھ ان کے کاروبار میں بطور کامران کے ساتھ گیا تھا۔ زمانے کی اونچ نیچ اس شخص نے ہی مجھ کو بھائی جی۔ تمہاری شادی اور بھراولا دوہے کے بعد تک تمام اتفاقات میری نظروں کے سامنے ہیں۔ تمہارے دونوں بچے میرے ساتھ کھیل کر تو تھیں، مگر میری نظروں کے سامنے جوان ضرور ہوئے ہیں۔ بچی جس کی کوکھ میں پلنے والا تھا وہ میرے سر لادری ہو۔ اسے میں نے بھی کبھی ٹوٹی نظر سے نہ دیکھا ہے۔ ہمیشہ مالک کی بیٹی سمجھا اور مالک کا تنگ حلال رہنے کی کوشش کی ہے۔ اس بچی نے مجھے تو کچھ سمجھا نہ ہو۔ مگر میں نے ہمیشہ اسے اپنی چھوٹی بہن یا بھرنی کی نظر سے دیکھا ہے۔" غفران نے کہہ کر روئے نگ کیا۔ اب عالیہ بیگم اور عیسے کی باری تھی کہ وہ شہ پھٹے سچیں۔ عرصہ کی آنکھیں بھی خوشی سے مسکرائے تھیں۔ جبکہ ماں کی بے پناہ ہر مردہ وجود میں بھی حرکت ہوئی۔ وہ بھی ہنسی اور دلی آنکھوں سے بیٹے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"تمہاری فرمانبرداری دیکھ کر دل خوش ہوا غفران! میں۔" عالیہ بیگم اب انکوں سے بے ہوش کے فرش پر چلنے لگی تھی۔ "مگر بہت ہوئے ہو۔ چھوڑ کر مائیں بھی ایسے بیٹوں کو غم نہیں دیتی جو دوسروں کی عزتوں سے کھینچے بھریں۔" وہ خوش ہوئی تو عرصہ بھی کمرے سے باہر نکل آئی۔ جبکہ ماں بھی عالیہ بیگم کی بات سن کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں اور غفران انتظار سے بولا۔

"یہ بھی بات کرتی ہے کھل کر کرو۔ میرے پاس ختم کم اور کاہن زیادہ ہوتے ہیں۔"

"میری اس بیٹی کو چاہئے ہو؟"

"کیسا سوال ہے؟" غفران شہانگیا۔ "بہت اچھی طرح جان لوں۔"

"سچی اچھی طرح؟" عالیہ بیگم کی اس بات کا غفران مطلب نہ سمجھ پایا تھا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا؟"

"میری یہ بیٹی اچھی شادی شدہ نہیں ہے۔"

"کسی کی بات نہیں ہے۔ مجھے علم ہے۔" غفران ج کر بولا۔

"کیا یہ بھی علم ہے کہ یہ شادی ماں اپنے والی ہے؟" عالیہ بیگم کی بات کو سن کر ماں کی کانوں کو ہاتھ لگے تھیں۔ عرصہ دوبارہ اندر چلی گئی۔ غفران اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا تھا۔ بھر بھی وہ بات کر کے بولا۔

"جو بھی کہنا ہے عالیہ بیگم جلدی کہو پہلے اس مت بھلاؤ۔"

"تو پھر سنو! اس کے پیٹ میں پلنے والے ستارہ کے ذمہ دار تو غفران۔"

عالیہ بیگم کی آواز نے گھر کے تین تینوں کو اپنی اپنی جگہ ساکت و جامہ کر دیا تھا۔ عرصہ وہیں بیٹھ گئی۔ جبکہ ماں کی دیوار کا سہارا لے کر زمین پر ہی بیٹھ گئیں۔ غفران کی کھوپڑی کی گھوم کر رہی تھی۔

ان قاسم کی حالت کے برعکس عالیہ بیگم اور عیسے کے چروں پر برامت کی جھلک تک نہ تھی۔ عیسے تو ایسے تھے جیسے وہ دلی طور پر خوش ہو۔ وہ اس وقت غفران اور ماں کی بیٹی کی حالت سے لطف اندوز ہو رہی تھی، لیکن اس کا رنگ یک دم زرد ہو گیا۔ جب اس نے غفران کو اپنی طرف دے دئے ہوئے دیکھا۔

اسے ڈانگتے ہوئے قدموں سے چل کر اس کے قدموں پر گر جانا چاہئے تھا۔ مگر اس کی چال میں پہلے جیسا قدر قرار اور جذبہ تھا۔ وہ چلا ہوا عالیہ بیگم کی طرف حرا اور اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

وہی چنا چھان کا غرور اور تکبر تھا اور آج اس کی ہاست نے ان کا مان پر قرار رکھا تھا۔ وہ وہاں زندہ ہو گئی تھیں۔

"عالیہ بی بی! میں بہت گناہگار اور خطا کار ہوں۔ تم جانتی ہو کہ میں ایک غلو بد معاش اور لوفر ہوں۔ مگر جو کچھ بھی ہو کوئی اتنا بد بخت اور ذلیل نہیں ہوتا کہ اپنی بیٹی اور بہن سے منکالا کر دے اور اس کے پیٹ میں گناہ کو پھنسنے کے لیے چھوڑ دے۔ اس سے بچو کہ یہ کس کا گناہ ہے کہ میرے دروازے پر آتی ہے۔ میں غریب ضرور ہوں، لیکن اس قدر مجبور اور بے بس نہیں ہوں کہ تہہ باری زندگی زبان سے نکلے اور زندگی اپنے پاکیزہ وجود پر ہل لوں۔" وہ خاموش ہو کر میوہ کی طرف بڑھا۔ اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا ہوا حال ہی تکم کے سامنے لے آیا۔ وہ دروہ کی شدت سے کراہ کر رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی ہوئی تھیں۔ وہ سانس لے کر ایک بار گھر فرمایا۔

"اُمی! اس امر ادا کرنا بیٹی سے بچھو تکم صلیبہ کہ اگر یہ تمہیں اپنا ماں سمجھتی ہے تو کھائے تہہ بارے سر کی قسم کہ اس کے پیٹ میں پھنسنے والے گناہ کا مدد دار میں ہوں، لیکن نہیں ظہور۔" وہ یہ کہہ کر اندر کی طرف گیا۔ سبکی حیران تھے کہ وہ آپ کیا کرنے والا ہے، لیکن ماں جی عصمتہ اور وہ دونوں ماں بیٹی حیران رہ گئیں۔ جب غفران اندر سے قرآن کریم کو چرتا ہوا آئین میں برآمد ہوا۔

تیکم سر پانوں لڑ گئی تھی۔ وہ سختی بھی آزاد خیال تھی مگر قرآن کریم کی اہمیت اور اس کے فیصلوں کو کبھی بھی جانتی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ غفران اس کے ہاتھوں سے لکل کیا ہے۔ وہ ماں کے سر کی قسم کھاتی تھی، لیکن قرآن کی قسم نہیں کھاتی تھی۔ کچھ بھی ہو چاہے وہ قرآن پر ہاتھ رکھ کر کبھی بھی جھوٹی قسم نہیں کھائے گی۔

"عالیہ! تم اچھے تہہ باری ذاتی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، لیکن کسی کو میری زندگی اور میری پاکیزگی سے دلچسپی اور ذاتی لگاؤ ضرور ہے۔" وہ کچھ توقف کر کے بولا۔ اسی لمحہ عصمتہ نے محسوس کر لیا تھا کہ اس نے یہ الفاظ غلط اس کے لیے کہے ہیں۔

"میں نے ابھی زندگی کا بہت طویل سفر ایک محبت کرنے والے عصر کی صحبت میں طے کرنا ہے، لیکن اگر ابھی سے غلط فیصلے اور غلط سر پانیں پھیلا کر تمہیں جلاؤ گی تو میری زندگی نقصان ہو جائے گی اور میں ایک بار پھر غفران بد معاش نہیں بننا چاہتا۔ میں باقی ماندہ زندگی تمہیں اور غلوں سے ملنے کوئے کرنا نہ چاہتا ہوں۔" کچھ معلوم ہے کہ تہہ باری بیٹی تہہ بارے سر کی بھی قسم کھائے گی اور اگر قسم اس مقدس اور عظیم کتاب کی اہمیت اور کھ سے واقف ہو تو یوں اپنی

اس بیٹی سے کہ اس مقدس کتاب پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائے کہ میں اس گناہ کا گناہگار ہوں۔ خدا رسول کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر تہہ باری بیٹی کبھی سے میں ماں ہاؤں گا۔ کیونکہ مسلمان ہونے کے نامے میں اس مقدس اور بابرکت کتاب کی ہر ذرہ شرف و یقین رکھتا ہوں۔" غفران نے بہت بڑا فیصلہ کر لیا تھا، علیہ اور اس کی شاطر ماں کچھ بھی کر سکتی تھی۔ عصمتہ اور ماں جی کی سانس بھی اٹکی ہوئی تھی۔ انہیں پہلے ہی یقین تھا کہ غفران بے گناہ ہے اور اب تو قرآن کریم کی موجودگی نے اس کی بے گناہی واضح کر دی تھی۔ کیونکہ اگر وہ گناہگار ہوتا تو اندر سے قرآن کریم خود بخود اٹھا کر لگاتا۔ ماں جی کا سینہ دھڑکنے لگا تھا۔ جبکہ عصمتہ کے ہاتھوں پر بھی شکرانے کا تہم بکھر گیا تھا۔ اس کی آنکھوں نے غفران کو سوسو بار چاہا تھا۔

"آؤ ٹی بی بی! اس قرآن مقدس پر ہاتھ رکھو۔ صرف ایک بار کہو کہ میں اس گناہگار بننے کا باپ ہوں۔" غفران قرآن کریم سے کرا کے دو جاتو عالیہ تکم نے بیٹی کی بدلتی ہوئی رنگت دیکھ کر جھوٹ بچ کا اندازہ لگا لیا۔ وہ ایک زمانہ شام صبر تھی۔ وہ کچھ بھی کہ اس کی بیٹی غلط اور غفران سچ ہے۔

شیخ غفران کو آگے دو ہاتھ دیکھ کر رونے لگی۔ وہ اپنے ہاتھ اپنے ہاتھ لگی جیسے غفران کو کہہ رہی ہو کہ اس مفہم بابرکت کتاب کو میرے پاس لے کر مت آؤ۔ غفران اس کی حالت دیکھ کچھ گیا۔ وہ اپنی جگہ پر رگ گیا تھا۔ ماں جی اور عصمتہ بھی اس کے پیچھے آکھڑی ہوئی تھیں۔ علیحدہ دی ہوئی ہوئی۔

"میں بہت گناہگار ہوں۔ اس مقدس کتاب کو چھونے کی ہمت نہیں کر سکتی اور اس کتاب کی جھوٹی قسم بھی نہیں کھاتی۔ ہاں البتہ جس قسم کھاتی ہوں کہ غفران بے گناہ ہے۔ اس مقدس کتاب کی طرح بائبل اسی طرح جس طرح میں نے اس کتاب کو چھوا انہیں ہے، لیکن اس کی بے گناہی کی قسم کھاتا کہ کہہ رہی ہوں۔ اسی طرح آج تک غفران نے مجھے کبھی چھوا نہیں ہے۔ لہذا آٹکھا کرو کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ دروہی تھی۔ عالیہ تکم شرم سے پانی پانی ہوئی جاری تھی۔

"مجھے معاف کرو بڑا غفران۔ میں تہہ باری بھرم ہوں۔ مجھے معاف کر دینا۔" وہ دروہی ہوئی بارہری طرف بھاگ گئی۔ عالیہ تکم بھی اس کے پیچھے جانے کے لیے مڑی تو ماں جی کی آواز پر دیک گئی۔ ماں جی کہہ رہی تھی۔

"تکم صلیبہ! حال اور حرام میں یہی فرق ہوتا ہے۔" وہ معلوم کر عالیہ کے سامنے



کو معلوم نہ تھیں۔ کیونکہ آسمان تو برہم ایک چھت کی صورت میں عالم کائنات پر قائم و دائم تھا۔ اس نے بھی جگہ دیکھا تھا۔ جو جگہ وہ زمین میں سرحد نہ کچھ سکے تھے۔ اسی لیے وہ آسمان کو بجز درخت چہانے تھے۔

"اللہ تعالیٰ نے مقدس کتاب قرآن کریم میں کئی مقامات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند ذکر اور اپنی محبت کے ساتھ آقا سے دو جہاں کی محبت کو مشرود فرمایا ہے۔ سورہ حج، توبہ، حجرات، طور، بقرہ، انفال، نساء، احزاب، محمد اور احزاب۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ رسول اللہ کا ذکر بھی کی جگہوں کے ساتھ کیا ہے۔ اس جہتی کا نہ صرف ذکر بلند کیا۔ بلکہ تمام تر انبیاء کرام کی امامت منجلی اور کسی بھی نبی کو وہ مقام نہ مل سکا جو اس عظیم تر جہتی کو ملا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی، محبت اور تعظیم و اوجہ ضروری قرار دی۔

بلکہ قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا ہے۔ "میرے محبوب" فرما دیجئے کہ اسے لوگو تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی تمہاری عورتیں تمہارا رکنہ، تمہاری کمائی کے مال اور وہ تمہارے جس کے نقصان کا تمہیں ڈر رہتا ہے اور تمہاری پسند کے مکان۔ ان میں سے کوئی چیز بھی اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں بھاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انکار کرو کہ اللہ یا خدا آپ اتارے اور اللہ کا حقوں کو راہ نہیں دیتا۔ (انابہ 24)

جبرائیل امین کو حکم ہوا کہ چاہے اس محسن کائنات، مومنوں کی ملکیت، راحت و آسائش، راہبر راہ و سالکان، سید المرسلین، فلاح المرسلین، خاتم المرسلین، درخت المرسلین، درخت حریف، شاہد ہوا، نبی الامم، انبیاء کا چہار درم، راحت قلب و دین کا چہار دینہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آئے۔ ایک ذریعہ برق، برق آقا سے دو جہاں کو لے کر سوائے منجلی جہاں پڑا۔ عرش پر فرش پر دھوم مچ گئی۔ عرش پر ملائکہ حوران جنت مخلوق آسمان اس میں مونی اور ولی بھانے والی صورت کو خوش آمدید کہنے کے لیے تھارہ اور تھارہ ہاتھوں میں چٹنی باقات کے پھولوں سے بنے گلہ سے بار آور بالا نہیں لے کر تہجداد دینہ کے استقبال میں جموں جموں کر "مکرم مکرم" کرکے لپک کر، ہلکے ہلکے کر، تپ تپ کر درود و سلام کے ترانے گا رہی تھیں۔ عرش کو دہلیوں کی طرح تھپا تھپا گیا تھا۔

اللہ پاک قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ "پاک ہے وہ ذات جس نے میری کرائی۔ راہوں راہت اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔"

حدیث شریف ہے کہ حضور کی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی شب حضرت ام ہانی

رضی اللہ عنہا کے گھر میں آرام فرما رہے تھے کہ جبرائیل امین تخریف لائے۔ آپ کو بخند سے بیدار کیا اور عراق پر سوار کر کے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گئے۔ مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کے کرام کھ کے آئے کا انکار کر رہے تھے۔ جیسے ہی آپ تخریف لائے۔ جملہ انبیاء نے کرام نے آپ کو منصب امامت پیش کر کے آپ کی امامت میں نماز ادا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تختین بنا لئے پیش کیے گئے۔ جن میں پانی، دودھ اور شراب الگ الگ تھیں۔ دینا حضرت کے دانی سے دودھ دیا گیا۔ پانی کے لیے لیا۔ جس پر جبرائیل صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مبارکباد پیش کی اور بھر پوری خوشی منجلی اور خوش منجلی کی اپجیا نہ ہو چودہ سو۔ "آسمان یہ کہہ کر کچھ توقف کرنے لگا۔

نورانی اس کیفیت سے سرشار تھے۔ وہ اس صورت کی اور نورانی کیفیت سے باہر نکلتا چاہتے تھے اور نہ ہی بیان کے بس کی بات تھی۔ وہ تو مرنے والے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بس ان کی تنہائی کہ وہ جلد اور جلد محبت اور محبوب کی ملاقات بیان کرے۔ آسمان سرشار کی کشش میں جھومتا ہوا ہوا۔

"بیت المقدس سے حضور کی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں کی طرف سفر کیا۔ پہلے آسمان پر آپ کی ملاقات اپنے بھائی حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کو خوش آمدید کہا۔ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اور چوتھے آسمان پر حضرت اور یس علیہ السلام نے آپ پر درود و سلام بھیجا۔ پانچویں آسمان پر حضرت یارون علیہ السلام آپ کے بھترے تھے۔ جبکہ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کا استقبال کیا۔ ساتویں آسمان پر بزرگ فرشتے عبادت و ریاضت میں مشغول تھے۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجا۔ حتیٰ کہ آپ سدرۃ المنتہی پر تخریف لے گئے۔ جہاں تکلی کر حضرت جبرائیل امین نے آپ سے اجازت طلب کی کہ اس مقام سے آگے جانے میں اس کے پہل جائیں گے۔ کیونکہ سدرۃ المنتہی سے اوپر اللہ قادر مطلق کا نور موجزن تھا۔

مغرب اور محبوب کے درمیان بغیر کسی واسطے اور کسی واسطے کے سلسلہ راز و نیاز شروع ہوا۔ آپ اب بھی پر امت کے لیے نمازوں اور روزوں کا پابند تھو لے کر آئے۔ آسمانوں کی تمام مخلوق نے نبی بھر کردل کھول کر، من کی آنکھیں کھول کر اس عظیم ترین بشر کا دیدار کیا تھا جو سدرۃ المنتہی سے آگے بھی جا چکے تھے۔ وہاں جہاں صرف اللہ کا نور تھا۔ جبرائیل امین بھی اس نور کی چمکی کی تاب نہ لاتے تھے۔ جس نور کے سامنے نورانی چہرے

والے نے وارہ نیاز کے دوران امت کی بخشش کے لیے غائب و غیبتی مختلف حاصل کیے تھے۔ رب تعالیٰ کے نور کے سامنے بیٹھا ایک بشر کے جانے کی اوقات نکلتے ہیں۔ وہاں صرف وہی پہنچ سکتا تھا جو چاہا گیا۔" آسمان کی دلیل بڑی وزن والی تھی۔ نورانیوں نے اس دلیل پر سہارا دے کر کہا کہ اس بار خدا کا کردہ آسمان کی اس بڑی زور اور بھرپور وزن والی دلیل سے شک نہ کریں اور اسے کوئی بھی ڈی شعور اور قصد چھٹا نہیں نکلتا۔

"آسمان کی تمام مخلوق نے اس رات اس کا دیدار کیا تھا جن کی مقدس اور نورانی آنکھیں بہت ہی خوبصورت تھیں۔ قدرت الہی سے سرگرمی۔ گنگا خدا کو سرمہ لگایا ہوا ہے۔ آنکھوں کی سفیدی میں بارہ یک رخ نور سے تھے۔ جن کو عطا شدہ نبوت میں شمار کیا گیا ہے۔ چلیں نہایت خوشنما اور درخشاں اور بیکار وہ مبارک آنکھیں ہیں جو ساری کائنات کا مشاہدہ فرماتی ہیں۔ انہی آنکھوں نے اپنے رب کو یہ غائب دیکھا ہے۔

آپ کے کوئی مبارک کامل اور تمام ہے۔ آپ کو ہر ایک کلمہ کو جس دیکھا ہوں۔ وہ تم نہیں دیکھتے اور جو سن سکتا ہوں۔ وہ تم نہیں سنتے۔

آپ کے لب مبارک نہایت خوبصورت اور سرفراز تھے۔ وہ ان مبارک کلمات اور روشن و تاباں تھے۔ ہر مبارک کلمہ فراموشی اور غماز مبارک ہوا۔ سب سے زیادہ نور اور خوش آواز زبان مبارک جو کہ پاکیزہ اور لطف و محبت کا منبع و منبع تھی۔ آپ کی داڑھی مبارک بھی اور بہت ہی زیادہ خوشنما تھی۔ ہر لمبھی تر شالی ہوئی تھی۔ آپ کی گردن مبارک نہایت اعتدال کے ساتھ خمیلی اور چاندنی کی طرح چمک والی تھی۔ سفید اور حسین ایسی تھی کہ گویا آپ کی گردن چاندی کی صرا تھی۔ کدھ سے مبارک بھی جب شان کے تھے۔ گویا کہ جس نے بھی کسی انسان کے ایسے شاعرانہ کلمے نہ دیکھے تھے۔ آپ کی پشت مبارک ایسی تھی کہ گویا چاندنی کی اصلی ہوئی ہو۔ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہریت کی پوری کے اندر کی شکل تھی۔ جس پر گوشت سے قدرتی طور پر چمکنا ہوا تھا۔ آپ کے کف دست اور بازو کے مبارک نہ گوشت تھے۔ آپ کا تمام اقدس اور سینہ اطہر ہوا۔ برابر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن سے نکلنے والی خوشبو اس سے پہلے کا ٹھکانہ اور مخلوق آسمان نے بھی نہ سونچی تھی۔ ان اطہر اور مطہر نشانوں والے بشر کو پہلی بار دیکھنا تمام کے تمام کو درپے حیرت میں چکا کر گیا۔ میرے سینے پر ان کے مبارک قدم۔ ان کی آنکھیں مبارک کا آج بھی مجھے معتبر و معزز کر گیا۔

اس عظیم و نورانیہ والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کچھ نہ

مالا۔ اپنی اولاد کے لیے کوئی طلب نہ کی۔ اپنی آل کے لیے جنت کا گوشہ تک نہ ملا۔ ہر اپنی امت کے لیے اتنا کچھ مانگ لیا کہ امت کو جنت کے لیے کچھ دودھیں کرنی پڑے گی۔ بس اس سیاح لامکاں، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار دودھ چھٹنے سے ان کا اولیٰ سے ادنیٰ اتنی بھی جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔ میرے نورانی دوستو، یہ بات بڑی اچھی طرح واضح ہو گئی کہ سرکار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنی ہم سب سے بڑا نعمتی اور رحمت ہے۔ ہوا پانی بادل، چاند سورج، چتر، پہاڑ، آگ، آسمان اور کائنات کی ہر چیز، ہر مخلوق سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو شرف عطا کیا ہے اور اس مخلوق میں سے افضل ترین قوم محمد خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔

روزانہ ستر ہزار فرشتے روزہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور ایک فرشتہ ہر ایک بار آجاتا ہے۔ یہ قیامت تک دو بارہ اس کی باری نکلتے آئے گی۔ یہ خاص الخاص مرحلہ اور اعزاز اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب کی امت کو بخشا ہے۔ یہ خوش نصیب ضرور ہوں۔ مگر بد نصیب بھی ہوں کہ ناقیامت ان طغیان مبارک کی گردنوں کو سناں۔ ان مبارک قدموں کو چومنے کے لیے ترسوں گا۔ اس مقدس و معطر وجود مبارک اور بھیجی یعنی خوشبو جو اس مقدس چہرے اور مقدس وجود کے پسینے مبارک سے نکلتی ہے اس کے لیے ترویل گا۔ واپس کی صورت والی سمور کن زلفوں کو دیکھنے کے لیے ترسوں گا۔ بس یہ کچھ تو اس آقا سے تاجدار ہند کے اتنی کا مقام اس کائنات کی ہر مخلوق سے افضل و بکتر ہے۔ کیونکہ کسی کی بارودنہ اقدس کی زیارت صرف اتنی ہی کر سکتا ہے۔ کیونکہ آقا کے دو جہاں کے اور یہ ماضی کی سعادت الہی کے لیے بخشش کا پیلہ ہے۔

آسمان نے آخری بار تہیں بھرائے ہوئے لہجہ میں کی تھیں۔ جس سے نورانیوں کے وجود پر غلے ہو گئے۔ وہ حسرت واپس کی تصویر بن کر رہ گئے تھے۔ وہ کچھ گئے تھے کہ آسمان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریف میں حیرت کچھ کر گئے۔ کیونکہ ان کی تحریف تو ہر روز ہر لمحہ کائنات کا اک ایک ذرہ کر رہا ہوتا ہے۔ دن کے چوبیس گھنٹوں میں ہر لمحہ سرکار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا ہے بات کی دیکھنے سے کہ ان کی سنتوں اور احادیث پر عمل کرنے والی امت ان کی دعا کے خاص اور مہربان رب تعالیٰ کی خاص کر محمد اور اسی سے بخشش و مغفرت و رحمت کی مقدار ہے۔

"تو میرے مہربان ساتھیو! اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ ہم سب سے بہتر تمام مخلوق کائنات سے بہتر آقا سے تاجدار ہند کا ایک اتنی ہے جو بارہا ان کے مقدس و معطر روزہ

کی زیارت سے فیض پائی حاصل کر سکتا ہے۔ بلکہ کرتا ہے۔ بس ہمارے اس گھر میں آنے والے اسحق کوئی دوسرے پر غور نہ کیا۔ تاکہ آتے دو جہاں ہم سے راضی ہو سکیں۔  
بڑے نورانی نے اپنے دوستوں کو بھی یاد خود بھی تم وجود سے اس مقیم سے مطمئن ترین بشری لباس والے پر درود دیا۔ چہ عبادت شروع کر دی۔

☆=====☆

شیخ عریجات کے گھر کا ماحول انتہائی پرانہ ہو گیا تھا۔ بچہ بچوں کے کہیں کہیں کڑواں شروع ہو گیا تھا۔ علیحدہ کابارشن ہو چکا تھا۔ اس نے باپ اور ماں کو بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ بابائی کے "گرم" سے فیض باب ہوئے ہیں۔ بس اپنی ہی زندگی سے اسے نفرت ہونے لگی تھی۔ وہ غفران پر جھوٹے اثرات کو اب کسوٹی پر پرکھ رہی تھی۔ کیونکہ وہ اسے ہر طرف سے سچائی نظر آرہا تھا۔ ساری تعلیمی سارا کمال سارا محنت تو اس کا اپنا تھا۔ وہ بابائی کے طریقہ وادات کو سمجھ لیتی تھی۔ مگر اس کے والدین اور بھائی اس کے انتہائی پروردہ تھے۔ بلکہ اس کو خدا کی حمد ماننے تھے۔ وہ سمجھ لیتی تھی کہ غفران کا بچہ بالکل سچ ہے۔ وہ ایک بچے پر مشدکامل ہیں۔ جنہوں نے غفران کو اللہ کی رحمت سے اپنے بڑے جھوٹ اور کتاہ سے بھلیا تھا۔ وہ اگر گھر میں کسی کو بھی بابائی کا اصل روپ بتاتی تو کوئی بھی اس کی بات پر یقین نہ کرتا۔ کیونکہ فی الحال تو تمام گھرانہ ہی کھردار جہالت کے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ خود کو حاکمات کرتی رہتی تھی کہ اس نے غفران جیسے صاحبے کردار کے مالک پر کتنا کٹ اور گھٹا اور انرا کام کیا تھا۔

وہ اسی احساسِ عداوت سے اندر ہی اندر کڑاقتی راضی اور کھٹتی جاری تھی۔ اس نے اب "مشرّد" کی خدمت میں جانا بھی بند کر دیا تھا۔ اب بھی وہ اپنے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔ عزت گواہا کرتے ہوئی اپنی تھی۔ ایک۔ باب کو ہر کو اس نے ایک ذہنی اور دھوکے بازی کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ وہ اس سے انتقام لینے کے کئی طریقوں پر سوچتی، لیکن ہر بار ظر اس کی تان اس بات پر آ کر ٹوٹ جاتی کہ گھر والے اس کا ساتھ بھی بھی نہ دے دیں گے۔ کیونکہ وہ فی الحال اندھے ہو چکے ہیں۔

وہ اپنی ہر بازی پر آنسو بہا رہی تھی کہ شیخ عریجات اور عالیہ بیگم اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ انہیں دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ کیونکہ شیخ صاحب بھی بھی اس کے کمرے میں نہ آئے تھے۔ نہ وہ سنبھل کر بیٹھتی۔ شیخ اس کے بیٹے کے سامنے دیکھی ہوئی کڑی بے جبکہ عالیہ بیگم اس کی پاس بیٹھ کر بیٹھتی۔ وہ اس کے بالوں میں ہاتھ سے لٹکی کر رہی تھی۔

شمیدک ماں کی محبت دیکھ کر دل بھرا آ۔ وہ وہ اپنی آواز میں نہ دے گی۔ عالیہ بیگم نے اس

کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔ دو بیارے اس کی پیٹ پیٹھی چھری تھی۔ شیخ سامنے بیٹھا یہ سحر دیکھ رہا تھا۔ کچھ بھی تھا۔ وہ باپ تھا۔ اس کی شفقت چاندی نے جوش مارا تو وہ بولا۔  
"بڑا ہونا تھا وہ بچہ چاہتا تھا تم نے بتایا نہیں کہ وہ کون تھا؟ تمہاری مرضی، لیکن اب کتنی دیر اس بچہ بھی بڑے سورا آنسو بہا رہی ہو گی؟"

"دیکھو میری جان! عالیہ بیگم نے اس کا چہرہ اور ہاتھاتے ہوئے اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کئے۔" دیکھا اس بچہ کا نام ہے۔ تعجب فرماؤ تو زندگی کا قصہ ہیں۔ اگر کوئی شخص گھر کی کمانی میں گر جائے تو اسے اوپر آنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے چاہئیں۔ وہ اگر ایسا نہیں کرے گا تو گھر کی کمانی اس کی موت بن جائے گی۔ اب سب کچھ سمجھ جاؤ۔ چلو میرے ساتھ۔ بابائی ہمارے ہیں۔"

اس نے چپک کر ماں کی طرف دیکھا۔ جیسے وہ خود اپنی بیٹی کو قتل کی طرف لے جانے کے لیے آئی ہو۔ بابائی نے اس کی ماں کی شکل میں خوبصورت عظام سمجھا لیا تھا۔ اس نے لٹی میں سر ملایا تو شیخ کو بھی اچھٹا ہوا۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"ایسا کہہ کر ان بچہ گریں ہوتے ہیں۔ چلا جاؤ لڑکیاں سے بات کرتے ہیں۔ وہ بڑی کرتی والے ہیں۔" شیخ کا اتنا ہی کہنا تھا کہ وہ پھٹ پڑی جیسے لاوا کا تھا ہے۔ اس کی حورم آنکھوں سے چنگا ہواں نکلے گئیں۔ وہ اپنے آپ پر شدید نشہ کھکی۔

"جہالت اور کھردر کرک اپنی اپنی آنکھوں سے اساترے ڈال دی۔"

بیٹی کے منہ سے یہ الفاظ نکلا کر شیخ اور عالیہ بیگم میں ہو کر رہ گئے۔  
"آپ کو پچھتے ہیں کہ میرے پیٹھ میں گناہ کیسے ۱۲ کاں کا دم مارا کون ہے؟ کون ہے وہ بے غیرت جس نے مجھے کوناری ماں بنا دیا ہے؟ دل کو قوام کر اور کانون کو کھول کر سنبھلو۔ وہ آپ کا بابائی ہے جسے آپ ہر روز دیتے۔"

زنا نے دار تعجب نے اس کی بولی بند کر دی تھی۔ یہ تعجب شیخ عریجات نے اس کے منہ پر مارا تھا۔ وہ لڑکھ کر ایک بار بھر بیٹھ کر گری تھی۔ اس نے بالوں سے پکڑ کر بیٹھ کر اٹھا یا اور اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔

"یہ سدا سے رہی ہو اس عظیم انسان کی خدمت کا۔" ایک اور چیخنے نے اس کے بوتلوں سے خون جاری کر دیا تھا۔ وہ دور چا کر گری۔ عالیہ بیگم کی نفرت اور عداوت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ کانون کو ہاتھ لگاتے لگی۔

"اب اگر تمہاری زبان سے اس مقیم شخص کی برائی کے لیے بھی لفظ نکلا تو یاد رکھنا



میں، کات کرکٹوں کے آگے بچکوا دوں گا۔ عالیہ بیگم اس کمرے کی ہر کھڑکی پر دروازہ بند کرے ایک ایک دروازہ کو بند کر دو؟ وہ دروازوں کی طرح بھاگ کر خود ہی دروازہ بند کرتے ہوئے بولا۔

”اس کی یہ ٹیکاس اگر اس مقدس شخص نے سن لی تو وہ ہم سے ناراض ہو جائیں گے اور یاد رکھو عالیہ بیگم اگر کسی سے اس کا خدا ناراض ہو جائے تو وہ شخص سزاگوں پر بھیک مانگی ہو نظر آتا ہے اور کوئی اس پر توجہ نہ کرے گا کبھی بھیک نہیں دیتا۔“ دروازہ دارانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ مگر اس کے گلے کی گھنٹیں بھول گئی تھیں۔ اس کے ہاتھ پر پیسے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہو گئے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ حریف کو بکھڑا کر دے، علیہ بیگم اس کی طرف آئی اور ایک حوصلے سے اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں خون اور انتقام کی چنگاریاں دیکھ کر حریف کا پانی آنکھیں بھیجی کر پڑ گیا۔

”آپ نے درست کہا ہے ڈیڑی اکہ خدا ناراض ہو جائے تو سحر کو بھیک بھی نہیں ملتی۔ میری بات ابھی طرح یاد کر لیں کہ آپ کا خدا آپ سے ناراض ہو چکا ہے۔“ شیخ نے بیٹی کی طرف دیکھا۔ وہ ہنسے اور نفرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”میری بات کا یقین تب آگے گئے۔ جب بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ اس اوجھگی اور فراہیے نے آپ کی آنکھوں پر اپنے کالے طعم کی پٹی پاندہ دی ہے۔ اندھے ہو گئے ہیں آپ اندھے۔“ چنانچہ ایک اور زلزلہ دار چیلر نے اسے پیڑ پر گرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”عالیہ بیگم اسے سحر میں اس جتنی ہے وہ آپ بھی راستی ہے۔ مجھے طعم نہ تھا۔“ وہ باہر نکل گیا۔ عالیہ بیگم جانے لگی تو شیخ کی آواز نے اس کی پاؤں پکڑ لیے۔

”اچھا ہر جین میٹ پر روت بھی کر دیکھو گا اور پھر میری طرح اظہار نہیں کریں گے۔“ وہ باہر ہٹا۔ اس کے تعجبوں نے عالیہ بیگم کی رسی کھلی طاقت بھی ختم کر دی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے مل نہ سکی۔

وہ پھر کھیل بابائی کی خدمت کے کھیل رہی تھی، اس کا خیال تھا کہ اس کا تیسرے کسی بھی فرد کو طعن نہیں ہے۔ علیہ کے حمل اور اظہار نہیں ہے ثابت کر دیا تھا کہ اس کھیل کا علیہ کو ضرور طعم ہے۔ عالیہ بیگم کا ہاتھ بے اختیار اپنے پیٹ پر چلا گیا تھا۔ وہ علیہ کو قہقہے لگاتا پھرتا کر اس کے کمرے سے نکل آئی۔ اس کے دماغ کی چوہیں مل کر رہ گئی تھیں۔ وہ بابائی کو اٹھارہ کر کے گناہ کی مرتبہ نہ ہونا باقی تھی۔ اس نے تو اپنی طرف سے بابائی کی محبت اور عقیدت کا اظہار کیا تھا۔ مگر علیہ تو اس پر جہت لگا رہی تھی۔

ہے لنگ بابائی ایک مگر ہر مردانہ خصوصیت کے حامل فرد تھے۔ شیخ صاحب تو ایک ایسے نسل کے بعد ان صفات سے محروم ہو گئے تھے۔ وہ اپنی جوانی اور خواہشات کو کہاں لے کر جائے؟ آپ اگر وہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے بابائی کے کمرے سے فیصل بابا پر ہوری تھی تو علیہ کو کیا تکلیف ہے؟

وہ غفلان اور کئی تیسرے کے ساتھ لنگ بابائی کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ عالیہ بیگم نے اپنے آپ کو کھٹک کر کیا تھا۔ وہ ”اوجھ“ کہہ کر وہاں سے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ شام کا کھانا سامنے چڑھا ہوا تھا کہ ملازم کی گنج اور رونے کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ اپنے کمرے سے نکلی تھی جی تو ملازم ان سے نکلیا۔

فرورہ بھگری اس پڑا نے زوردار چیلر سے ملازم کا استقبال کیا۔

”اندھے ہو گئے ہو کیا؟ اچھا چوڑی کچا کر گئی ہے؟“ اس کے چہرے سے نفرت نکل رہی تھی۔

”بی بی آدہ علیہ بی بی۔“ وہ گھبرا ہوا تھا۔ اس نے اپنے سرخ کال پر ایک ہاتھ رکھا ہوا تھا۔

”کیا ہوا علیہ بی بی کو۔ جلدی نہ کر؟“

”وہ بی بی ان کے منہ سے خون نکل رہا ہے اور بے ہوش پڑی ہوئی ہیں۔“ ملازم نے حریف شامت آنے سے پہلے ہی باہر کھڑا کیا۔

عالیہ بیگم پھر انداز میں نکلتی ہوئی اس کے کمرے میں پہنچی تو علیہ بیگم نے آڑی طرح لیٹی ہوئی تھی۔ عالیہ بیگم نے اس جا کر دیکھا تو اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور اس کے اچھون میں ٹینڈی کی گولیوں کی کافی مقدار بھی موجود تھی۔

عالیہ بیگم کو تشویش ہوئی۔ اس نے علیہ کو ہٹا جا کر دیکھا لیکن کوئی حرکت نہ پا کر اس نے ملازموں کو پکارنا شروع کر دیا تھا۔ ”کوئی ایسیو بیلیس کو فون کرو۔ فوراً۔“

اس کی کچھ میں نہ رہا تھا کہ کیا کرے؟ وہ بابائی بھی اس ہنگامے کو نہ کر اپنے آستانے سے باہر آ گئے۔ اس نے بھی عالیہ بیگم سے ٹھکڑ ڈکی وجہ پوچھی۔ وہ بھی سن کر پریشان ہو گئے تھے۔

ابھی دیر میں ایسیو بیلیس آگئی تھی۔ شیخ عریضات ابھی کہیں سے آچکی تھیں کہ بابائی کو بھی گئے باہر ایسیو بیلیس کو دیکھ کر بیٹائی کے عالم میں تیزی سے گاڑی سے اتارا۔ وہ گیت میں داخل رہا تھا کہ دوفرار جو کہ ایسیو بیلیس کے محلہ میں شامل تھے۔ علیہ کو سر پکڑ کر لگا کر مار رہے تھے۔

انہوں نے عید کو ایوبینس میں ڈال دیا اور بے گئے۔

شیخ قاسم باجرا ہونٹوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔ عالیہ بیگم کی آواز پر چلا۔

"جلدی کیجئے شیخ صاحب! سلطون کریں کچھ کھا ہو گا یا ہے؟"

شیخ کو جیسے ہوش آ گیا تھا۔ وہ اپنے قدموں کا گازی کی طرف بھاگا گاڑی ہسپتال کی طرف اڑی چاری قحی اور شیخ سوچن میں مگر ایسا درانیہ کر رہا تھا۔ عالیہ بیگم نے خود کچی کرنی ہے؟ مگر کیوں؟ کس چیز کی کچی تھی اسے میرے مگر میں؟ وہ ہسپتال کے کوریڈور میں داخل ہوا۔

ی تھا کہ ڈاکٹر نے اسے انوسٹاک خبر دیا۔

"آئی ایم ساری شیخ صاحب۔ ہم عید کو کھینچ چکے۔ دراصل فیملی کی تعداد بہت زیادہ تھی اور کھانے سے بے زیادہ دیر لگی ہوئی تھی۔ آپ اس کی ذیلی ڈی لی جاسکتے ہیں۔"

ڈاکٹر اور کیا کہہ رہا تھا، مزید اسے کچھ بھی نہ سنائی دیا۔ وہ وہیں بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر اس کا پرانا

شاسنا تھا۔ اس نے شیخ کو دلاسہ دیا اور عالیہ کی لاش ایوبینس میں رکھوا کر شیخ کو مگر کچھ کھا

کہا۔

عید کی موت نے شیخ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ احمد باؤ بھی بے سوگ چہرے مگر میں اواس

اور پریشان بیٹھا رہتا تھا۔ عالیہ بیگم کا راز عید کی موت کے ساتھ ہی فون ہو گیا تھا۔ بھابی بھی

بہ ظاہر مغموم رہتے تھے۔ ان کا ایک کونواں شگ ہو گیا تھا۔ جس ڈر سے وہ دانہ دھانچتے

تھے۔ وہ ڈر پر ہی خالی ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی تک اس کا سنن پرانہ ہوا تھا۔ اس کا سنن تو ابھی

کسی کو بھی معلوم نہ تھا۔ وہ اپنا کام بخوبی انجام دے رہا تھا۔ احمد باؤ کی دن بدن گرتی ہوئی

صحت نے عالیہ بیگم پریشان کر دیا تھا۔ اس کی بھوک مر گئی تھی۔ شیخ نے اور عالیہ بیگم نے کئی

بار اس کی شادی پر تاح کر دیا تھا۔ مگر وہ مصد کے موافق صورت سے بھی شادی پر رضامند نہ تھا۔

مصدق سے اس کی شادی کسی صورت نہ ہو سکتی تھی۔ یہ عالیہ بیگم بخوبی جانتی تھی۔

بھابی نے اپنی چھری تیز کر لی تھی۔ وہ اب آخری ضرب لگا کر شیخ کو بالکل نکال کر

دینا چاہتا تھا۔ یہ اس کا اکلوتا نہیں بلکہ سنن تھا۔ کیونکہ وہ اسی طرح ادب پتی بن سکتا تھا۔ اس

نے لہا اس اور مغموم شیخ کو اپنے سامنے بٹھا دیا اور بولا۔

"شیخ صاحب! انگلینڈ نزدیک آ رہے ہیں اور میں نے سنا ہے کہ حاجی عبداللہ کی

پوزیشن کافی مضبوط ہے۔ اس کی پوزیشن بہتر ہونے کی وجہ اس کا بیج ہے۔ اس کے نام کے

ساتھ جملہ حاجی کا ہوا ہے۔ وہی شیخ دوا تار ہے۔ یہ کہہ کر بھابی خاموش ہو گئے۔

شیخ نے اشتداد غلبہ نظر میں اس کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ تو وہ لوگوں پر مسکراہٹ سمجھانے سے

اداکاری سے بولا۔

"میں کہہ رہا تھا کہ تم بھی اس بیٹے عمرو کی سعادت کے لیے سعودی عرب چلے جاؤ۔

وہاں سے سمجھو۔ میں اور آپ ذمہ لے کر آؤ۔ اپنے ملکہ کے تمام کمروں میں اپنی تصویر اور

اپنا مشنور ان چیزوں کے ساتھ لپیٹو۔ عوام تہذیب سے دلچسپی دیکھ کر نہیں حاجی کی

نسبت زیادہ دھڑکتے دیں گے۔" بھابی نے کہا تو شیخ کی آنکھوں میں جیت اور رخ کی چمک

پیدا ہوئی۔ وہ اپنے آپ کو اس ملک کی ایک بڑی کرسی پر جلوہ افروز دیکھنے لگا۔ بھابی کی

آواز بھرائی۔

"اس طرح عید کا فہم بھی بھول سکتے۔ راج پر چھو شیخ صاحب تو مجھے ذاتی طور پر بہت

دیکھ ہوا ہے عید کی موت کا۔ ابھی اس کی عمر ہی تھی۔" یہ کہتے ہوئے بھابی کی آنکھوں میں

آنسو آ گئے۔ وہ بھینٹا بہت بڑا ۱۱ راکار تھا۔

شیخ اس کے اس جذبہ بعد روی سے متاثر ہوئے نظیر زور کا اور عقیدت سے اس کے

قدموں میں پائس رکھ دیا۔

"ابھی جاتے شیخ صاحب اور دین کا بندہ راست کیجئے۔ ہم نے حاجی عبداللہ کو واضح

بارجن سے نکلت دینی ہے۔ آپ گھر آئے کھانا۔ جیت اور شیخ ہماری ہوگی۔" وہ شیخ کو کہہ

رہا تھا۔ بھابی اپنے دل کو کھلی دے رہا تھا کہ اس کی ہوگی۔

شیخ اٹھ کر چلا گیا اور عالیہ بیگم آستانے میں داخل ہو گئی۔ وہ بھابی کی "خدمت"

کر کے عید کا فہم لٹھ کر چاٹا تھا۔ بھابی کا اس پر کرم ہوتا شروع ہو گیا تھا۔ بلکہ عالیہ بیگم

مستی و سرور کی کیفیت میں شیخ کی موت کا فہم بھول رہی تھی۔

شیخ کے تعلقات کی بنا پر اس کے وید کا بندہ بہت ہو کر دس دنوں میں ہوتا تھا۔ وہ

دنوں بعد ہی ہو گیا۔ قاسم ربین بھابی کا اکلوتا کڑی قحی کی شیخ صاحب عمرو کی سعادت

کے لیے جا رہے ہیں۔ مگر ایک بار پھر ہانوں سے بھر گیا تھا۔ شیخ کو بھولوں کے باروں سے

لا دیا گیا تھا۔ وہ مشنیل کا وزیر یا مضم بننے کے لیے سعودی عرب کا پتھر لگا چاہتا تھا۔ اللہ

تعالیٰ تینوں اور اراکوں کو جانتا ہے۔ شیخ کو خدمت کرنے کے بعد مہمان اپنے اپنے گھر لو

کو چلے گئے۔ بھابی اور احمد باؤ شیخ کو اخیر روت پر ہی آف کرنے کے لیے گئے تھے۔

"بھابی صاحب! میرے بچے کا خیال رکھیے گا۔ مجھے اس کی طرف سے فکر لاحق ہو

رہی ہے۔" شیخ نے اٹواری ملاقات میں جانی سے گئے ہوتے کہا تو بھابی مسکرا کر خوش

دلی سے بولا۔

”آپ فگرت کریں شیخ صاحب۔ بھلا گھر ان کی کیا بات ہے؟ میں ہوں نا اور بھر جا  
 گی سرکار بھی تو ہیں۔“ جانی نے جان بوجھ کر ہلانی کا تکرہ پکڑ دیا تھا۔  
 احمد باڈا باپ سے سرسری طور پر ملتا تھا۔ جیسے اسے معلوم ہو کر اس کا باپ عمرہ کرنے  
 نہیں بلکہ اپنے اوپر صرف حاجی کی عمر لگوانے جا رہا ہو۔ وہ بدلے دی سے واپس جڑا تھا۔  
 جانی نے اسے اس کے گھر پر اتارا تھا اور اپنی گاڑی جو کہ اس نے کرایہ پر لی تھی۔  
 آگے بڑھانے لیا تھا۔ اس نے فوراً اسے فگرت کے لیے پہنچا تھا۔ اب جو بھی کرنا تھا۔ جلدی  
 کرنا تھا کیونکہ ہلانی نے شیخ کے گھر اور گھر والوں پر پورا قبضہ کر لیا تھا۔ عید کی سوت کی خبر  
 اس نے فخران کو پہنچا دی تھی۔ وہ اس کا چانچہ نہ جیتے بھی نہ ڈالتا تھا۔  
 اب وہ فوراً سے پہلے دو اکڑ شارق کو چپک کر لے وائے تھے۔ اس نے جانی کو بتا  
 دیا تھا کہ اسے شادی سے تمام معاملہ تمہارے ساتھ فتم کرنے کے لیے کہا ہے۔ مگر یہ بھی کہا  
 ہے کہ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں تو کر سکتا ہوں۔ لیکن جانی نے اسے اپنی زندگی بھرت جانے پر  
 توجہ دینے کو کہا تھا۔ وہ بہت خوش ہوا تھا کہ فخران شادی کا سرچہ ہو گیا تھا۔ وہ اللہ کی طرف  
 لو لگا کر نمازوں اور امارکان اسلام کی پابندی کر رہا تھا۔  
 اس نے اپنا تمام معاملہ اللہ کے حکم پر اللہ کی رضا سے اس کی پاک ذات پر چھوڑ  
 دیا تھا۔ کیونکہ خواب میں بھی اسے حکم تھا کہ تمام معاملات اللہ پر چھوڑ دے اور بھر شادی  
 نہ بھی کیا تھا کہ وہ تمام معاملات کو اللہ پر چھوڑ دے۔ کیونکہ اللہ بہتر عدل کرنے والا ہے۔  
 اس نے نماز کی بات قاعدہ پابندی کرنا شروع کر دی تھی۔  
 ”مصر۔ اسے قرآن کریم کا ترجمہ بھی ملتا اور معنی بھی لکھائی تھی۔ وہ ہر بات کو زبان  
 فقہین کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ وقت پر مگر آنا اور صبح نماز کے بعد گھر سے نکل جاتا تھا۔  
 اب جانی نے اسے بتایا تھا کہ شیخ عمرہ کے لیے جا رہا ہے۔ تم اپنے فگرت کے لیے پہنچ جانا۔ وہ اپنی  
 جگہ پر پہنچ گیا تھا۔ تہہ نہ دیکھتا اس کے سامنے ایک کرسی پر دو اکڑ شارق بندھا ہوا تھا۔ دوسری  
 کرسی پر اس کے ساتھ جانی بیٹھا ہوا تھا۔ جانی کے ہاتھ میں وہی تاج تھی جس سے ایمان کو نکل  
 کیا گیا تھا۔ اس کے پاس نیز پر کافی کاغذات اور سامان بھی بچ رہا ہوا تھا۔  
 ”تم اسے کہاں سے پکڑ کر لائے ہو؟“ فخران نے جانی سے سوال کیا۔  
 ”آپ کو یہ سن کر جراتی ہو گی کہ اس کو کوئی سے نہیں بھمانا تھا۔ وہاں ہے اور حریار  
 بات یہ ہے کہ میں نے اس سے کوئی بھی سوال نہیں کیا ہے۔“ جانی نے وضاحت کی تو فخران  
 واقعی حیران ہو گیا۔

و ”اسے کچھ کھانا دیا جائے بھی ہے یا نہیں ہوئی۔“ نام کا ہی مہمان ہے۔“  
 ”میں تو اس کے لیے بہت احترام کر چکا تھا۔ لیکن میرا وہ جان کہتا ہے کہ کھانے پینے  
 کے بغیر ہی یہ بتائے گا۔ ہم اس پر عقلم نہیں کریں گے۔“ جانی نے کہا تو فخران نے استغناء سے  
 نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ جانی کی بات یا شاید دیکھ کر بولا۔  
 ”اس پر عقلم صرف یہ ہو گا کہ تمہارے ہونکا پیار سارے گھر کے جیتنے والں اس کی مرضی ہو۔  
 جب بھی اس کا دل چاہے۔ میں اتار دے کہ یہ ہمارے سوالوں کے جواب دینے کے لیے  
 تیار ہے۔“ دو اکڑ جانی کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔ اس نے کبلی پار زبان کھولی۔  
 ”دیکھو جانی! میں اور تم پر بھائی ہیں۔ تمہیں میرے ساتھ اپنا نہیں کرنا چاہیے۔“ وہ  
 ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ مکمل سے جانی نے اسے کھانا تو درکار پینے کے لیے  
 پانی کی ایک بوتل بھی نہ دی تھی۔ و آخر وہ بھی انسان تھا۔ کب تک یہ رداشت کر سکتا تھا اور پھر  
 ابھی تک جانی نے یہ بھی واضح نہ کیا تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ وہ اس وقت کوکوس رہا تھا۔  
 جب وہ جانی کے کنبے پر اس کے ساتھ چلا آیا۔ اس جگہ پر لاکر جانی نے اسے کوئی چیز سونگھنے  
 کو دی۔ وہ دو اکڑ تھا۔ شخص سے سو گھر کر بولا کہ یہ تو ہے ہونٹی کی دوائی ہے۔ مگر جیسے کیوں۔۔۔  
 بس اس کے بعد اس کی آنکھ کھلی تو وہ کرسی پر مستحضر رہا۔ وہاں سے بندھا ہوا تھا اور تہہ نہ جانے کا  
 دروازہ بند تھا۔ وہ کمرے میں آیا کھانا تھا۔ اس نے جانی کو کوئی آواز نہیں دی۔ مگر جواب نہ دیا۔  
 وہ ساری رات کرسی پر بندھا بیٹھا رہا تھا۔ اس کی کرسی چھوڑنے کی طرح درد کر رہی تھی۔  
 مذاق تو یہ تھا کہ وہ کچھ بھی نہ بچ رہا تھا اور پھر فخران کو جانی کے ساتھ دیکھ کر اس کی مٹی مٹ  
 ہو گئی تھی۔  
 وہ کچھ تو کچھ کیا تھا۔ مگر بہت جلد ہی جانی کو کچھ سے کیا تکلیف ہو گئی کہ اس  
 نے مجھے اس طرح ظلموں کی طرح پاندھا کر رکھا ہے۔  
 ”کھانا تو یہ دین سے نکال دو کہ میں تمہارا ہی بھائی ہوں۔“ کیونکہ ہلانی کے  
 ہاتھ وہ تمہارے ہو۔ میں نہیں۔ دوسری بات یہ کہ جب میں سوالات کا سلسلہ شروع کروں گا  
 تو وہ ناں ستاپ ہو گا اور میں بھی چاہوں گا کہ تمہاری زبان ناں ستاپ ہی جیتی رہے بھلا  
 کیسے؟ لیکن جیسے رات کو ہمارے ملک کی سڑکوں پر مظاہرین کھڑے ہیں۔ کچھ کچھ میں آیا  
 پھر اگلی کچھ بھی کی؟“  
 جانی نے اس کی آنکھیں حری کھول دی تھیں۔ اس دوران فخران خاموش بیٹھا نہ ہی  
 منہ میں کچھ چہرہ ہاتھ کیونکہ اس کے متحرک ہونٹ اس کی گواہی دے رہے تھے۔

”بہان کھل حدود اربع بیان کرو۔“

”میرا نام ڈاکٹر شارق ہے۔ میری بیوی اور میں یہاں ایک مکان میں رہتے ہیں۔ میرے والدین کراچی میں ہیں۔ میرا بھائی بھی کراچی سے ہے۔“ ڈاکٹر نے جاناٹل کئے بتا شروع کر دیا تھا۔ ”میں وہاں بھی پرائیویٹ کھینک چلا تھا۔“

”کراچی کے کس علاقے میں تمہارا کھینک تھا۔“ دوسرا سوال ہوا۔ تو اس سوال پر ڈاکٹر نے ذہن میں دیکھا۔ غفران نے اس کی کیفیت دیکھ کر ہنسی سے کہا۔

”تمہارے پاس تمام معلومات ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ اس کے گھر سے ملنے والے کاغذات۔ اگر یہ کوئی کاغذ جواب دے تو فوراً اٹھ جاتا۔“

”نہیں، نہیں، میں قلم جواب نہیں دوں گا۔“ ڈاکٹر غفران کے نفسیاتی داد میں آگیا تھا۔ ویسے بھی وہ ڈاکٹر تھا۔ جرائم پیشہ افراد سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا اور وہ ان پارکیوں کو بھی نہ سمجھتا تھا۔ اس لیے فوراً بول پڑا۔

”میں کچھ بولوں گا۔ میرا کھینک ریٹ لائن ایریا میں تھا۔“

”ہاں بلی ڈارڈ بول۔ اگر یہی جیسے کچھ نہیں آتی۔“ غفران بولا۔

”میرا منڈی۔“

غفران نے مختصر جواب سن کر سر ہلا دیا۔

”ایمان سے تمہارا کیا تعلق تھا؟ اسے کس نے اور کیوں قتل کیا؟“ غفران بھلاہوا اس تمام کیس سے لائق لگتا تھا مگر جانی نے محسوس کیا کہ اس کے ذہن میں ایک ایک بات محفوظ ہے۔

”اس سوال کا جواب دینے کے بعد میں پہلے کھانا کھاؤں گا۔ ورنہ میں سر جاؤں گا۔“ ڈاکٹر نے شرط پیش کر دی۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ وہ غفران اور جانی کے رحم و کرم پر ہے۔ ایک زوردار چیخنے اس کا ہونٹ چٹاڑا اٹھا۔

”سننے کے بچے۔ غفران سے سووے ہزاری کر تا ہے۔ میں تجھے ضرور ماروں گا، لیکن بھوک سے نہیں۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنی ذہن سے ریمائنڈر نکال کر جانی کے دو کتے روکتے ہی ڈاکٹر کے پاؤں کے درمیان ایک فائدہ مند ڈیا۔ ڈاکٹر اس کا نگاہی آفت سے حواس باختہ ہو گیا تھا۔

اس کاٹیں چلتی تو وہ کمری پر اٹھ کر بھاگ جاتا، لیکن وہ دو بھیلوں کے نرے میں نہی طرح پھنس چکا تھا۔ جبکہ اس کی دشمنی جڑ بھوک نے بھی اس پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ نہی

”کیا پتہ چمٹا چاہے ہو؟“ ڈاکٹر کی آنکھوں نے چٹا شروع کر دیا تھا۔ وہ زیادہ دم بھوک برداشت کرنے کا عادی نہ تھا۔ جانی نے اس کی کڑوری کا غوطہ فائدہ اٹھایا تھا۔ جانی کا سر یہ بن کر ان سب کی کڑوریاں جان گیا تھا۔ جو ہانپنی کے ساتھ عقیدت میں منہج تھے۔ ڈاکٹر کی کڑوری اچھا کھانا اور بھوک برداشت نہ کرنا تھا۔

”سب سے پہلے سوال، جواب کی شرائط لگے ہوں گی۔“ غفران نے بھی زبان کھولی تو جانی بھی حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر تو پہلے ہی حیران تھا۔ وہ غفران کا چلا ہوا روپ دیکھ رہا تھا۔

”کیسی شرائط؟“ ڈاکٹر نے پوچھا تو جانی نے بھی استعجاب سے غفروں سے دیکھا۔

”انتہائی آسان، جو کہ تم آسانی سے سمجھ سکو گے۔“ غفران نے اپنے ہاتھوں پر بھوک مار کر انھیں اپنے چہرے پر مل لیا۔ وہ اندر ڈاکٹر کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔

”سوالوں کی تعداد بتائی جائے گی۔ جتنے نمبر سوال پر تمہارا جواب اٹھے گا۔ اسے ہی دن جیسے بھوک اور جیسا برداشت کرنا پڑے گی۔ سوالات کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے اچھی طرح سوچ لو۔“ غفران نے کہا تو جانی نے بھی انتہات میں سر ہلا دیا۔

”اگر چاہو تو جیسے چاہیں کھینے کھڑے بھوکے دکھ کر میں یہ آفر تمہیں پیش کر سکتا ہوں۔“ غفران نے کہا۔ ”تو میں شروع کروں یا پھر انتظار کروں۔“ جانی کی سی باتیں سن کر سوچ رہا تھا کہ ابھی غفران کے اندر سے پہلے وہ غفران نہ نکلتا تھا، لیکن اس کے ذہن کی داد دینی پڑتی تھی۔ وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ تمام جوابات ایک ہی بار مل جائیں۔ تاکہ ایک ہی بار کارروائی کی جا سکے۔

”تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟“ ڈاکٹر کے لہجے میں شکست نمایاں تھی۔ بلیغ جانی نے اس کی کڑوری سے فائدہ اٹھا لیا تھا۔

”سوال ہم کر رہے۔ تم صرف جواب دو گے، تفصیلی جواب۔“ جانی نے کہا تو ڈاکٹر شارق نے سر ہلا دیا۔ اس نے غفران کو کہا کہ وہ سوال کرے۔ غفران نے جانی سے کہا کہ وہ کاغذ اور پینسل کے رسواں نمبروں اس کے جوابات لکھتا جائے۔ جس نمبر پر اس کی سوئی اٹھے پھر بغیر کچھ کے باہر چلے جائیں گے اور اس سوال کا نمبر بتا دیں گے تاکہ ڈاکٹر اسے ہی دن تک کھانا پیتے سے دور رکھ سکے۔ ”تو شروع کریں ڈاکٹر صاحب؟“

غفران نے اس کے انتہات میں سر ہلانے پر یہ پہلا سوال کیا۔ جبکہ جانی نے نمبر نوٹ کر لیا۔

طرح کا پرباقا۔ جانی نے اس کی طرف دیکھا اور پھر غفران کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ وہ گری پر بیٹھ کر خود کو نہ سکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"پیتا اور آخری موقع دے رہا ہوں۔ طے کی طرح سب بچی فرج ربہ دو۔" جانی نے ڈاکٹر سے کہا۔ وہ کہتے ہوئے اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔

"پلو شروع ہو جاؤ۔" غفران کی بڑھک نے اس کی دلی کسی سر نکال دی تھی۔

"ایمان میری سوتیلی بہن تھی۔ ڈیڈی کی کافی پراپیٹی تھی۔ میں ان کا انکوائز جانا اور ایمان دوسری بیوی سے لگھوٹی بنی تھی۔ ڈیڈی کی موت کے بعد اس نے اپنی ماں سے مل کر مجھے اور ماں کو ایک میل کرنا شروع کر دیا تھا۔" ڈاکٹر کے چہرے پر کرب کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔

"اس کی ماں ریلے لائٹ ایم پی کی نقلی۔ اس نے اپنی بیٹی کو بھی تعلیم دی۔ میرا کھینک ان کے گھر کے پاس تھا۔ مگر اس کی بیٹی اور باقی اچھا اور اقام کے تمام ریلے لائٹ ایم پی سے تعلق رکھتے تھے۔ ڈیڈی کی موت کے بعد میں لاہور آ گیا، لیکن ایمان نے میرا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ بھی لاہور آ گئی۔ میری شادی میری پہنچ سے ہوئی تھی۔ ایمان نے میری بیوی کو مجھ سے تعلق کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن میری نومبر جی قومی اور پھر تاپہ جو کہ میری بیوی کا نام ہے وہ مجھ اور اور پر بھی لکھی ہے۔ اس نے ایمان کی باتوں پر کان نہ دھرے۔ وہ ناکام ہو گئی۔"

"اس نے انتقام لینے کی خاطر مجھے قتل کروانا چاہا، لیکن میرے بچ جانے پر وہ مزے چرے استعمال کرنے لگی۔ ایک دن اس کی موت کی خبر اخبارات میں بڑھ کر میں بڑا حیران ہوا، لیکن قاتل کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔" وہ خاموش ہوا تو جانی نے آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ کر اسے جھکا دیا تو وہ کمری سمیت پیچھے گر گیا اور چلتے چلتے چلا لگا۔

"میں آج کہہ رہا ہوں۔ میرا یقین کرو۔ میں نے زندگی میں بھی کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ مجھے کھادے دو۔ میں مر جاؤں گا۔" وہ کہتیں کر رہا تھا۔ مگر غفران نے ان کا سوال کر دیا۔

"پاپائی تیں کون ہے؟" جانی نے ڈاکٹر کی کمری زور لگا کر سیرگی کی تو وہ اس سوال پر گلا بڑا گیا۔ "اپنی لکھی ذات اور ایمان کے قتل کی روداد ایک فرسٹی اور جھوٹی کہانی بنا کر تو مجھے سنا دی ہے تم نے۔" غفران کے توجہ ایک بار پھر خواب ہو گئے تھے۔ "مجھے مطمئن کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ کبھی کوئی اسکیل کر میں نکلا ڈی نہیں جاتا ہوں۔ میرا نام غفران ہے۔ اب کوئی سوال نہیں پچھوں گا۔ تمام ماجرا من و عن جان کر دو۔ جس میں میرے صدیاں

"پاس" کا بھی کردار ہو۔" پھر وہ جانی کی طرف مڑا۔ "جانی ہارٹاوا اب تمہاری کوئی بھی سفارش اس کی زندگی کی کارکنی خدے سے کیے گی کیونکہ میری لڑائی ابھی وقت ہونے والا ہے۔ اب کوئی اس کی کوئی چیز میں روشن دان نہ کر دوسری طرف ہی لٹکے گی۔" یہ کہہ کر اس نے ایک بار پھر زنجیر اوردنگال کیا۔ راج اوردو کچر ڈاکٹر کے رہے سبے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے۔ وہ ایک بار پھر چلنے لگا۔

"اس بار میرا یقین کرو۔ میں جک جک کاٹاؤں گا۔ مجھے میری بیوی کی قسم۔ میرا اعتبار کرو میرے ہاتھ کھول دو۔ میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ کر اپنی کرتا ہوں۔ مجھے کھول دو۔ میں لانا ہوں۔ جک جک کاٹاؤں۔" پلیر، میرا اعتبار کرو۔"

غفران نے جانی کی طرف دیکھا۔ تو جانی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر ڈاکٹر کے ہاتھوں کی رسیاں کاٹ دیں۔ کیونکہ اب وہ رسیاں کل نہ سکتی تھیں۔ اندیشہ تھا کہ اگر حرحرہ ایک دو گھنٹے بعد بھی رچیں تو کبھی کا ڈاکٹر کے خون کا دورانیہ نہ رک جائے اور رسیاں اس کی گھائیوں کے گوشے میں بچ سکتی ہیں۔

ڈاکٹر نے اپنی گھائیوں کو ہاتھوں سے مسلتنا شروع کر دیا۔ اس کی ورد بڑھ گئی تھی۔ مگر وہ خود ڈاکٹر تھا۔ ہاتھ تھا کہ آہستہ آہستہ خون کی رگتا نہ مل ہو جائے گی۔ وہ غفران کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔

"غفران بھائی! میں آپ کو تمام حالات و واقعات بتا دیتا ہوں۔ مگر یہ قتل بڑا ہی خطرناک آدمی ہے۔ میری بیوی کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ پلیز اس کی ذمہ داری لو۔" غفران کے سامنے محبت کا ایک اور باب کھل گیا تھا۔ وہ خود ڈاکٹر مجھ رہے ہیں اور لاچار تھا۔ مگر اپنی بیوی سے اتنی محبت کرتا تھا کہ اس کی زندگی کی گارنٹی مانگ رہا تھا۔

"تمہاری بیوی بالکل محفوظ ہے۔ میری زبان کا اعتبار کرو۔" جانی نے کہا تو غفران نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں صرف نام کا ہی جانی نہیں ہو۔ کامی جانا لگا کر ہی کرتا ہوں۔ اس کی بیوی کو آج ہی ماں بنی اور مصرعہ بچن کے پاس چھوڑ کر آ رہا ہوں۔" جانی نے آگے بڑھ کر کہا تو غفران ہلکی مسکرا۔ وہ اب ڈاکٹر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جس کے چہرے پر سکون نظر آ رہا تھا۔ وہ ان پر اعتبار کرنے کے سوا کچھ بھی کر نہ سکتا تھا۔ اسے نہ جانے کیوں یقین تھا کہ جانی جک کہہ رہا ہے۔ اس نے بڑے اطمینان سانس خارج کی اور یوں شروع ہوا۔

"میرا کھینک ریلے لائٹ ایم پی میں تھا۔ ایمان کی ماں ایک خواہنگ تھی۔ جس ایک لکھی

پہلیس والوں کو بھی ہلندہ بنانا پڑا تھا۔ نگران کو ہلندہ بننے کا مطلب تھا کہ ہمیں ہلندہ کی آزادی مل جاتی تھی۔ کھل کر کام کرنے کے لیے ہلندہ ضروری تھا۔

ایک دن ہمارے حادثے نے آخر شہرستانی کو کیا ایسٹریا آیا ہے جو بہت ایماندار اور نیک ہے۔ رشتہ لینا تو درکنار رشتہ کا کام بھی اپنے علاقہ میں لینے والوں کو بکا کر اندر کر دیتا ہے، لیکن چل کے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دلی اور اپنا دھندہ عروج پر رکھا۔ ایک دن ایسٹریا نے پی کا میاب چھاپ کر مارشل اور کی لڑکیوں کو گرفتار کر لیا۔

چل کی ملاقات چل میں ایک خبیث سے ہوئی جو کہ علم کا مہر تھا۔ چل کی خواہش اور اس کے ہاشی کو دیکھتے ہوئے اس نے چل کو چادو کے چند الفاظ سکھا دیے۔ جو کہ انسان کو ذہن کرنے کے لیے کافی تھے۔ ہر اہل اس کا علم والے کو مطلع تھا لیکن ایسٹریا صاحب اللہ کے نیک بندہ تھے۔ ان پر اس کے چادو کوئی اثر نہ ہوا۔

چل چھ ماہ کی جدت بعد کرتا تو اس نے مجھے تمام داستان سنادی۔ ہم سب کا ہوا کر کام کرنے لگے۔ بلکہ اب تو ہر چادو اپنے چادو کے جوہر بھی دکھانے لگ گیا تھا۔ وہ امیر لوگوں کو اپنے چادو کے درجہ و توق بنانا اور ان کی جوان خدیو کی عزت سے کھینچتا تھا۔ اس نے اپنے چلے مشق کو چکا اور ایمان کو اپنے کاہ میں کر لیا، جسے ایمان اس کی ساتھی ضرور بن گئی تھی۔ مگر وہ شہر کرانچ کی اپنی بی بی کوئی کی سٹوڈنٹ تھی۔ ایک خواہف زادی ہونے کے واسطے روپیہ بیس اس کی کمزوری تھی۔ چل نے اسے بہت سے روپے پر ملتے دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔ ایمان اپنی کاس ٹیلوڈ کو چل کے سامنے پیش کرتی تھی۔ جن کے اکثر مسائل عام سے ہوتے تھے کہ اس کی شادی ملاں سے ہو جائے۔ یا پھر اس کا چکر ملاں لڑکے کے ساتھ چل جائے وغیرہ وغیرہ۔ چل ان امیر زادیوں سے بہت زیادہ نفرت کرتا تھا اور بھی کھاروا ان کی عزت پر بھی ہاتھ صاف کر جاتا تھا۔ ایک دن ایک امیر زادی کا ہارن کرتے وقت جھ سے بڑی ٹھٹھی ہو گئی۔ میرا دھیان اس کے بعد آنے والے یکس پر تھا۔ جس سے مجھے کافی روپیہ ملے والا تھا۔ بس اڑکی کے اندر ہر پڑا باورہ جانے سے دو دن بعد اس کی موت ہو گئی۔ وہ لڑکی ایمان کے حوالے سے آئی تھی۔ چل اس کا گناہ بگاڑتا تھا۔ میں اسے موت کی وادی میں پہنچانے والا موت کا فرشتہ بن گیا تھا۔

اس کا پ بڑی ٹھٹھی والا آئی تھا۔ اس نے پیہر سے ہم پر چھاپا اس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جھ پر یکس میں سے چل کے حوالی اسے بتا دیتے تھے کہ آج چھاپ چڑتا ہے۔ پتا چھپا ہم ادھر ادھر ہو جاتے، لیکن ہمارا کام سہاڑا ہوتا ہے۔ ایک دن ہم خفیہ طور پر چام کے

ڈرامہ کر رہا تھا۔ وہ اپنی ٹیسی اکثر میرے ٹینک کے سامنے کھڑی کرتا تھا۔ سواری کے انتظار میں وہ کافی کافی دیر میرے ٹینک میں آکر بیٹھا رہتا۔ اس سے وقتی ہو گئی۔ وہ درانجیک کے ساتھ ساتھ دلی بھی کرتا تھا۔ ایمان کی ماں جس کا نام چام تھا۔ وہ چل کے ذریعے کافی بڑے بڑے گاؤں میں جاتی تھی۔ چل کی نظر اس کی بیٹی ایمان پر جمی جو کہ ابھی کا بیٹو سٹوڈنٹ تھی۔ چام نے اپنی بیٹی کو ہارڈ ٹیکس کے طور پر چھاپنا ہوا تھا۔ وہ ہاسٹل میں ہی رہتی تھی۔ بس کبھی کھاروا دلی طوائف ماں سے ملنے آچکا کرتی تھی۔ وہ چچا چھاپتی تھی۔ جیسی تو وہ اسے نہ لگتی تھی۔ اس بات کی چل کو بہت غارتھی۔ وہ کہیں اس بات کا شکوہ جھ سے کر چکا تھا۔ وہ اس موقع کی تلاش میں تھا کہ جیسے ہی اس کی بھرتی کر اپنے چال میں چھانسنے میں کامیاب ہوگا۔ وہ اس کے پرکاش دے گا، لیکن چام اس کی چٹانک بھگتی تھی۔ وہ ایمان کو اس سے چھاننے کے لیے دوسرے ہاسٹل میں داخل کر آئی اور پھر ایمان کو بھی منع کر دیا کہ وہ اس سے ملنے بھی نہ آئے۔ بلکہ چام خود ہی اس سے ملنے کے لیے اس کے ہاسٹل آیا کرے گی۔

وقت گزرتا گیا۔ چل ایک کامیاب دلال بن گیا تھا۔ اس نے بہت سے گاؤں کے ذریعے چام کی چاندی کروائی تھی۔ تمام بازار میں چل بہت مشہور اور امیر دلال تھا۔ اس کا مشق ڈرامہ کرنا تھا۔ وہ مجھے بھی میرا حصہ دیتا تھا۔ چل کے ذریعے آنے والی خصوصیت لڑکیوں کا بازار بن کر رہا۔ ہم سب انھیں بلک میل کرنے کے لیے ان کی تصاویر بنا لیتے تھے۔ ہمارا کاروبار خوب چل نکلتا تھا۔ اس بازار میں کافی عرصہ سے گھومنے والے ایک فقیر کی طرف سے کسی کی بھی توجہ نہ تھی۔ وہ دیکھیں اور بازاروں میں ایک ہاتھ اٹھتا اور رات کو بھی چام کے کوشے کی بیڑیوں پر اور بھی میرے ٹینک کے کھڑے پر سہوتا۔ اس کا خوب عرصہ سے یہی معمول تھا، لیکن کسی کو بھی علم نہ تھا کہ وہ کون ہے۔ ایک دن ایمان اپنی ماں سے ملنے آئی تو چل کو بھی خبر ہو گئی۔ وہ اسے زبردستی اس کے کوشے سے اٹھا لایا۔ اپنی ٹیسی میں ڈال کر تیز رفتاری سے مڑتا چاہتا تھا کہ اس فقیر کی چانگوں پر گاڑی چڑھ گئی۔ وہ تپ تپ کر دھیں مر گیا۔ چل کو ہانی پڑ گئی۔ وہ وہاں سے فرار ہو گیا۔ چونکہ کوئی مدد نہ تھا۔ اس لیے زیادہ تک وہ دوڑ کر نہ پڑی۔ معاملہ کھو سے دلا کر رفع دفع ہو گیا۔

چل نے اچھے گھرانوں کی لڑکیاں بھی اس دھندہ پر لگا دی تھیں، لیکن اب وہ کام کھوں پر کم اور کوٹیوں میں زیادہ کرنے لگا تھا۔ میری بھی خوب چاندی ہو رہی تھی۔ چل نے ایمان کا پچھتا چھڑا دیا تھا۔ مگر سلسلہ کم ضرور ہو گیا تھا۔

کوٹھے پر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ اب جانم کو بھی چلنی اچھا لگتا تھا۔ ایک تو وہ بڑا بڑا زلس میں بن گیا تھا اور دوسرا اس کے ذریعے اس کے کوٹھے پر دولت کی ریل چلی تھی اور تیسرا وہ اس کی بیٹی کا پڑا ہو چکی تھا۔

جانم کا مشورہ تھا کہ وہ قریبی طور پر کراچی شہر کو چھوڑ دیا جائے، لیکن چلنی اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔ وہ اپنا بڑا زلس پیسنے کے پتھر میں دھنسا رہا تھا۔ کیونکہ اس کی ابھی خاصی روزی روٹی تھی ہوتی تھی، لیکن جانم کی بڑ زور دہل نے اس دلال کو قائل کر لیا کہ اگر جانم بچے کی تو ساری عمر میںیں "ککے" کھاتی ہے۔ تم بچہ کو کراچی چھوڑ جاؤ۔ میں اس ایس بی اے کبھی بیکہ کر لوں گی۔

ہم اپنے کاروبار سمیت کراچیاور آ گئے۔ اپنے طریقہ کار کے مطابق ایمان نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور امیر کو گوں کی ٹریڈنگ کو سبب شروع کر دیا۔ ہمارے پاس دولت کی کمی نہ تھی۔ ایشیے خاصے مکان مل گئے تھے۔ محلے میں وہ مکان لے لیا تھا۔ میں نے ملینڈہ مکان خرید لیا تھا۔ اپنے کاروبار کو ایک بار بھر نظر فروغ پر پہنچانے کے لیے میں نے اپنا ٹیکسک شہر کے معروف بازار میں بنایا۔ ایمان کی بدولت ہمارا کام بھر پور چلا تھا۔ ایمان جو بھی پارٹی پھنسا کر لاتی۔ ہم اس کے شین حصہ دار ہوتے تھے۔

محل جب ٹریڈنگ کو کالے عزم کے چند سیکھے ہوئے الفاظ کی بدولت مشین کرتا تو لڑکیاں اسے بھابی کے نام سے پکارنے لگتیں۔ اس وقت میں بہت آمدنی تھی۔ محل نے اپنا دوسرا بدل لیا۔ چہرے پر اب بھی ایسی ڈاڑھی سمائی۔ وہ چند امیر گھرانوں کو قابو کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ایمان نے اپنی کاس فیوژ سے میرا تعارف ایک اچھا ڈاکٹر اور محل کا مخالف بھابی کے نام سے کروانا شروع کر دیا تھا۔

ملینڈہ بھی ایمان کی کاس فیوژ میں سے تھی۔ ڈاکٹر شارق کا نام اور پھر ایمان نے بتایا تھا کہ میں اس کا بھائی ہوں۔ ملینڈہ اور عالیہ ٹیکس میرے ٹیکس پر بھی کھمار آئے تھیں۔ اسی دوران شیخ عمر حیات جو کہ دولت اور امارت کے ٹیکس میرے بندے کو بندہ نہ بھگتا تھا۔ میرے کہنے پر عالیہ ٹیکس نے شیخ عمر حیات کو قائل کیا کہ وہ ایک بار بھابی سے مل لیں تاکہ کاروبار میں مزید ترقی ہو سکے۔ ایمان بھی ملینڈہ کو قائل کر چکی تھی۔ شیخ عمر حیات نے ایک ہی طاقت محل سے کی تھی کہ اس نے شیخ پر اپنا پھر بھوکھ دیا تھا۔ شیخ تو اس کا بیٹی جان سے تعلق ہو گیا تھا۔ پھر اس نے اپنی بیوی اور بیٹی بٹے کو بھی بھابی کا تابع بنا دیا۔

محل کے بکھرے اور دو محاشوں نے راتوں کی بنا پر شیخ عمر حیات کا کاروبار مزید ترقی کر لیا۔ شیخ بھی کھستہ ہوا کہ بھابی کو اس کا نظم نہیں ہے۔ محل کے رابطہ کرنے پر سنا پھر

کی ایک پارٹی نے میرے ذریعے سودا کیا۔ چلنی ایک طرف ہو کر رہ گیا تھا۔ ہم اپنے پروگرام کے مطابق یک دم تینوں کی نگاہ نہ ہونا چاہتے تھے۔ شیخ ہم پر اندھا اعتماد کرنے لگا تھا۔ لیکن وہ محل کا بھی اندھا ہو گیا تھا۔ اس نے محل کو کھدے کرنے شروع کر دیے۔

اس دوران غفران اور شیخ کی طبیعت بھی ہو گئی۔ اگر نہ بھی ہوتی تو محل غفران کو شیخ کی مرضی کے بغیر اپنے فطروں اور دو محاشوں سے کہہ کر مر داتا۔

لیکن اس بات کی نوبت نہ آئی تھی۔ غفران نے شیخ کو اور شیخ نے غفران کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا تھا۔ بھابی اب شیخ کو کھمار ہے تھے کہ وہ غفران سے راضی نہ کر لے۔ کیونکہ وہ شیخ کا گھر کا بھیدھی ہے۔ شیخ نے بھابی کا حکم مانا اور غاشوں کو کھینچ لیا۔

ابھارڈ جو کہ اپنے کاروبار کو فروغ پر پہنچا چکا تھا۔ دوسرا بایہ کہاں سے آ رہا تھا۔ وہ سب کچھ شیخ پر دس اور نئے کی لعنت سے کما رہا تھا۔ ایمان منظر سے ایک ایک جگہ غائب رہنے کے بعد نظر آئی تو وہ بچھا کھڑی یا کھڑی ہی تھی۔

اس نے دس لاکھ لاکھ مطالعہ کر دیا تھا جو کہ ہمارے لیے معمولی رقم تھی، لیکن کس بات کا دس لاکھ ادا کرتے۔ ایمان ہمیں مطمئن نہ کر سکی۔ میں نے اور محل نے اسے ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنالیا۔ وہ ہمیں بیک میل کرنے لگی تھی۔

میں نے اس کے گھر میں کافی پیسے کا پروگرام بنایا اور معاملہ طے کرنے کا بھی پلان بنایا وہ مطمئن ہو گئی۔ میں نے محل کو تمام اخراجات کھمار دیا تھا۔ وہ اپنے شہر پر وگرام کے مطابق دس لاکھ روپے کے کر ایمان کے گھر پہنچ گیا تھا۔ میں تھوڑی دیر بعد پہنچا تھا۔ پلان کے مطابق میں نے کوئی کے تین گ بنائے۔ ایک میں زہریلی دوائی ملا دی۔ ایمان بہت ہوشیار اور چالاک تھی، لیکن وہ کوئی کی بہت شوقین تھی۔ میرے پلان کے مطابق اس نے تینوں میں سے دو گھپ اٹھا لیا جو کافی سے بھر دیا تھا۔ اس میں سبب وہ بھگتا۔ جب وہ اپنی چالاک سے باوجود بھی مار گئی تھی۔ دس لاکھ روپے اس نے اپنی سرت کی تلک جھولی میں رکھے ہوئے تھے۔ محل اور میں اس کے سامنے بیٹھے کافی دیر رہے تھے اور معاملہ طے ہو گیا تھا کہ آئندہ جو بھی پارٹی ایمان کے ریفرل سے اسے ہمارے چال میں پھنسے گی۔ ایمان کو وہ گناہ دیا جائے گا۔

لیکن یہ محض ڈراما تھا اور وقت گزاری کا ایک بھانڈا بھی تھا۔ ایمان نے کپ شمش کیا تو اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ بھگتی کہ ہم نے اس کے ساتھ کوئی ٹیکس نہیں ہے۔ وہ بیٹھنے چلائے گی کہ حرام دود۔ تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ میں سب کو اٹھا دوں گی کہ تم کو

ایک سبیل کرنے کی کوشش کرے تو میں انہیں ان تصاویر کے ذریعے خاموش کر دیاں۔  
اسی دوران میں وہاں بیٹے والی ہو گئی۔ میرے ٹیکٹ میں اس کا اہرام نہ نہ کر دیا گیا۔  
کیونکہ میں ان کی نظروں میں ان کا بڑھاپا تھا اور وہ اس بات کو سمجھ سے تو کیا بھیجی سے  
چھپا چاہتے تھے۔ اس نے قہر میں ان کے کوشش کی۔ مگر اس کے پیچھے اس کے سر  
پر ایک ڈاڑھ سے مرشد کا ہاتھ آچکا تھا۔ وہ اپنی غلط فہمی میں ناکام ہوئی تو اس نے مگر  
میں عالیہ بیگم اور شیخ کو بتا دیا کہ اس نے کیا کیا ہے۔

مگر عالیہ بیگم اور شیخ کے سامنے بیان کیے تھے۔ کیونکہ عالیہ بیگم کو معلوم تھا کہ جیل سارے کا  
سارا ہی کا ہے۔ وہ اس کی بیٹی کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا اور پھر وہ ان کا بڑھاپا تھا۔ عالیہ بیگم  
نے اپنا راز کھل جانے کے ڈر سے علیحدہ خاموش رہنے کا کہا۔ مگر اس کی یہ خاموشی اس  
خانہ میں کو بھیجی جی اس نے خود بھیجی کر کے شیخ کے سامنے یہ خاموشی کی میر لگا دی۔ وہ اپنے بٹے  
بچے والوں کو کوئی بھی تہی نہیں جواب دے سکا اور علیحدہ کی تین خاموشی اور چل دی میں کر  
دلی تھی۔ شیخ عجل پر شک نہ کر سکتا تھا۔ مگر میر بھیجی جیل کو اپنا شک محسوس ہونے لگا تھا۔  
کیونکہ وہ اپنا تو خاموش بیچارہ تھا۔ جیل نے سوچا کہ اگر وہ خود کہیں غائب ہوا تو شیخ  
کا شک اور علیحدہ کیا ہوا ہے جو اسے گا۔ اس نے شیخ کو حامی علیحدہ سے منع دلوانے کے لیے  
میں کی سب سے بڑی کسی کے خواب دکھائے اور کہا کہ وہ بھی اپنے نام کے ساتھ حامی  
کا اضافہ کرے۔ تاکہ وہ سب سے اس کی دانہ بھی دیکھ کر لوگ اسے زیادہ سے زیادہ دھت  
ہیں۔ شیخ نے اپنے مرشد کا حکم مانا اور اب شیخ عجل عجل کر کے چلا گیا ہے۔ تاکہ حامی شیخ عجل  
بات میں نہ کرے اور لوگوں کو بے وقوف بنا کر دھت حاصل کر سکے۔

جبکہ جیل اور عالیہ بیگم کو کھل کر ایک دوسرے کی بڑی مرید کی کرنے کا موقع مل گیا  
ہے۔ شیخ چھٹا یکے ڈھٹ ہونے کے بعد باپ بیٹے کی مصافحہ نہیں رکھتا ہے۔ لہذا عالیہ بیگم  
پنے دل کی تسکین اور جسم کی پیاس بجھانے کے لیے باپ کی خدمت کر کے اس کے بیٹے کی  
سامنے والی ہو گئی ہے۔

”اب تم کھانا کھا دو۔ درنہ میں مرچاؤں گا۔“ ڈاکٹر نے ان کے سامنے ہاتھ  
ڈٹے ہوئے کہا۔ تو قہر میں نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر زور دیا اور انہیں کی بارش کر  
یا۔ اس بار چالی نے اسے دھوکا دیا۔

”اسے ہاتھ دو جانی بادشاہ! قہر میں نے اپنا نام نہ درست کرتے ہوئے کیا۔

”آپ غلط کر رہے قہر میں نے۔ یہ اب چلیں کی حراست میں رہے گا۔“ جانی نے

ہو گیا ہو؟ میں علیحدہ کو بھی بتا دیں گی۔ وہ میر وہ میر وہ طرف چلی گئی اور وہاں نے اپنا ہاتھ  
دکھا دیا۔ ڈاکٹر اگر گرتی۔ جیل نے اسے اٹھا کر بستر پر چلا۔ میں نے اس کی چٹکیں گس کر پکڑ  
لیں اور جیل نے اسے کہہ دیا کہ میں نے ڈاکٹر کو اس کا کام تمام کر ڈالا۔“ ڈاکٹر نے  
نے آخری الفاظ بھاری ہوئی آواز میں ادا کیے تھے۔ جبکہ قہر میں اور جانی اس کی دلچسپ  
سنوری سن کر اپنے آپ کو چند عرصے میں گھر رہے تھے۔

”اب تو قہر میں نے اپنا نام تمام قہر میں نے۔ قہر میں نے اپنا نام تمام قہر میں نے۔“ ڈاکٹر نے  
رحم طلب نظروں سے قہر میں کی طرف دیکھا تو اس نے جانی کو اشارہ کیا کہ وہ اسے پانی  
چاے۔ ڈاکٹر نے پانی کا جگ پکڑ کر منہ سے اٹھایا اور قہر میں نے پانی پینے لگا۔

جب وہ بیٹھ کر پانی پی چکا تو قہر میں نے اشارے پر پھر شروع ہو گیا۔ اب اس کی  
طلب اچھا لگتی تھی۔ وہ جان گیا تھا کہ تمام داستان سنا لے بغیر نہ کھانے کو لے گا اور تہی  
رہی اس لیے وہ دوبارہ کہنے لگا۔

”ایمان کی لاش وصول کرنے والے پولیس والوں کا بیان تھا کہ یہ معلوم قہر میں کے  
خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا ہے اور کس وارث جان کر اس کی لاش لے لیا دیا تو جی۔ اس لاکھ  
نچ گئے تھے۔ دیکھیں مجھے اپنی جان کی فکر نہ تھی۔ اس دوران میں نے اپنی پندہ سے شادی  
بھی کر ڈالی تھی۔ میری بیوی مجھ سے بہت محبت کرتی ہے اور میں بھی۔“

جیل عالیہ بیگم کے دل کی مراد میں پوری کرنے لگا تھا اور ایک طرف علیحدہ کو بھی ”خوش“  
کر رہا تھا۔ اب جانی ایک دوسرے سے چوری چھپ کر ”خدمت“ کرنے میں لگے تھے۔ جبکہ  
شیخ پر جہالت اور شرک کا بھوت سوار ہو چکا تھا۔ جیل نے اس کی تمام جائیداد چھپانے کے  
لیے وہ سارے ایسے ہی کرانے تھے جن میں شیخ کو بہت کاغذ ہوا تھا۔

اور پھر اس پر انکسٹن جیت کر اس میں کھینچے کا بھوت بھی سوار ہو گیا تھا۔ وہ حامی  
عہد اللہ سے اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ ہم اس کی بھی کوئی ترکیب نکالنے لگے۔ میں جیل  
سے نوئی طرح خاکبہ ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ یہ ایمان کو لٹکانے کا سکا ہے تو میری  
کیا اوقات ہے لہذا میں اس کا ساتھ دینے کے ساتھ ساتھ اس سے جان چھڑانے کی  
ترکیب بھی سوچا۔ میں ہمیشہ کی طرح ہر جگہ کے ساتھ اس کی تصاویر لے جاتا تھا کہ اس کو  
بلک سبیل کر کے حریہ وہاں لایا جائے۔ بالکل اسی طرح میں نے اس کی اور علیحدہ کی بھی  
تصاویر لے لیں اور پھر ایک دوست کی مدد سے شیخ اور احمد کے ساتھ ساتھ میرا ایک  
کے ذریعے ان کی تصاویر لے لیا کہ اپنے پاس رکھ لیں۔ تاکہ ان میں سے کوئی بھی ”گھر“ نہ



کی ہمارے شاہی کے پاس چلے جائیں۔ اگر ان کے پاس نہیں جانا چاہتے تو پھر مگر میں  
 اعصم۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ میں جی کے پاس چلے جائیں۔ اپنے زمین کو کھلا چھوڑ دیں۔  
 جانی تمام معاملات اللہ پر چھوڑ دیں۔ وہ بڑا سبب الاسباب ہے۔" جانی نے کہا تو غفران  
 اعصم کے نام پر مسکرا کر نکلا۔

غفران مسکرا کر مگر کی طرف چل دیا جبکہ جانی اس بے وقوف ڈاکٹر کے لیے کچھ  
 کھانے پینے کا بندوبست کرنے لگا۔ بیچے عمر وادار کر لیا تھا۔ وہ تو بس اپنی ذات پر مادی کا  
 لیبل لگوانے کے لیے آیا تھا۔ وہ اب غار حرا میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے وہیں کوئی لعل نہ  
 لیا۔ بلکہ اوپر سے بیٹھا تارو کر رہا تھا۔

اس مادی کو نور اللہ نے دیکھا اور حیرت زدہ رہ گئے۔ وہ حیران تھے کہ یہ کیا امتی  
 ہے۔ جس نے محبوب خدا کی صفت کی بیرونی نہ کی۔ کوئی بھی تو خلی ادا نہ کیے تھے۔ نور اللہ  
 نے شیخ کے چہرے پر کوئی بھی بھڑکھڑا نہ دیکھا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو کچھ ہے تھے اور دعا  
 کر رہے تھے کہ جی بھی جلد ہو سکے یہ امتی یہاں سے چلا جائے جبکہ ان کی خرافات جی کر  
 محبوب خدا کے امتی ان کے ہرمان نہیں، لیکن شیخ کو کچھ کروا دینا ہو گئے تھے۔

شیخ نے سوچا کہ وہ اس مقدس سرزمین پر آیا تو ہے۔ کیوں نہ اس سرزمین سے کوئی  
 بابرکت چیز ملے جائے۔ جو اس کے لیے برکت کا باعث بن سکے۔ بس اس نے یہ سوچ کر  
 ایک چھوٹے نورانی کواٹھا کر اپنی سائیل وائیپ میں ڈال لیا۔ جبکہ وہ روتا اور چلاتا رہا۔  
 بڑے چھوٹے نورانی بیجے چلنے لگے۔ ان کے خاندان کا ایک فرد ان سے جدا ہونے والا  
 تھا۔ ان کی بیچ و پکار سننے والا کوئی نہ تھا۔ کوئی نہ تھا۔ جو ان کی فریاد نہ مانے اور ان میں سن سکا  
 اور کچھ سکنا آسمان بھی خاموش نکلتا بیٹھا ہوا تھا۔ ہوا اپنی سستی میں جھوم اور گاری جی و سورج  
 اپنی تپش دکھا رہا تھا۔ چاند کے طلوع کا ابھی وقت نہ ہوا تھا۔ بس چھروں کی بے بسی اور  
 صرست سے سختی ہوئی لگا ہیں قافلہ دیکھیں۔ نورانی آگے بڑھ کر اس کا دامن نہ چڑھ سکتے  
 تھے۔ اس کے آگے ہاتھ نہ جوڑ سکتے تھے۔ اس کے پاؤں نہ چمک سکتے تھے۔ اس کی صحت  
 نجات کرنے کے قائل نہ تھے۔ اس کو داسے نہ دے سکتے تھے۔ اس کی خوشامد نہ کر سکتے  
 تھے۔ کوئی بھی لالچ یا پھر کوئی بھی انعام نہ دے سکتے تھے۔ اپنی بے بسی اور بے زبانی پر بہت  
 دانا آرہا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے۔ رورہ رہے تھے۔ تڑپ رہے تھے۔ پچھاڑیں کھا رہے تھے۔  
 روکھو کھا رہے تھے۔ مگر ان کی آواز ان کے ساتھیوں تک ہی نہ پہنچ سکتی تھی۔ وہ ایک دوسرے کو  
 نرسرت دیاس کی صورتیں بنے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

کہا تو غفران نے انہیں میں سر ملادیا۔ "چھاپا ہے اسے حق نبوت کے اندر کرادو۔"  
 "آپ فکر نہ کریں غفران بھائی! جانی نے آگے بڑھ کر حرا میں گرتے ہوئے  
 ڈاکٹر کو ایک بار پھر یاد دہرایا۔ "یہ ایمان کا قائل ہے اور فرات کے کنارے کادگار بھی ہے۔ اس  
 پر تو بہت سے کیس بنتے ہیں۔ بہت ہی مصوم جانوں کا بھی یہ قائل ہے۔" جانی ہار آئے لگا  
 تو اس کو رک جانے پر ڈاکٹر کی جھپٹیں بلند ہو گئی تھیں۔

"جانی یاد رکھا! اسے اس کے سرخند کے ساتھ ہی ڈال دینا ہے۔ اس لیے تب تک  
 اسے کھانا کھلا دو۔" غفران نے کہا اور بڑھیں چل کر ہار لگ گیا۔  
 جانی بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا۔ اس نے تہہ خاندان کے دروازے کو چمکا لگا  
 دیا تھا۔ جانی نے دیکھا کہ غفران کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ آگے بڑھ کر بولا۔

"کیا بات ہے غفران بھائی! آج پھر آنکھوں میں آنسو کیوں؟"  
 "جانی یاد رکھا! وہ آسمان کی طرف دیکھتا ہوا کہ لگا۔" شاہ جی کہتے ہیں۔ اللہ بڑا  
 سہیہ نیاز ہے۔ مصممہ کتنی ہے کہ لگا بڑا ہے پر وہاں۔ ماں کی کتنی ہے کہ وہ بڑا میران اور  
 نہایت رحم والا ہے اور تم کیا کہتے ہو جانی یاد رکھا؟"

"اس زمین اور جہم کی ذات واحد کے بارے میں نہیں کیا کہہ سکتا ہوں؟" جانی بھی  
 سرور کی کیفیت میں ڈوب گیا تھا۔ وہ غفران کے بخت ہونے کے بعد کی دلی کیفیت کا  
 اندازہ کر سکتا تھا۔ اس وقت یہ سوال اس نے کیوں کیا تھا؟

"آپ کیا کہتے ہیں۔ اس زمین اور جہم کی ذات بابرکت کے بارے میں؟" جانی  
 نے بھی اس سے سوال کر دیا تھا۔ غفران ایک بار پھر غلاؤں میں گھومنے لگا تھا۔

"او۔ بھائی! میں تو بڑا کھلم کھلم ہوں۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک گورکھ دندہ  
 ہے۔ اب تم خود ہی سوچ کر شیخ کھانا کھا چکا ہے۔ مشرک اور مرتد ہے۔ مگر اس کی دولت اس  
 کو اللہ کے گھر لے گئی ہے۔ نیک اور ایمانہ اعمال والے ویسے بیٹھے رہتے ہیں اور دولت کا جج  
 ہو جاتا ہے۔" اس کے لیے میں بے پایتھی تھی۔

"غفران بھائی! اس کے گھر میں درجہ ہے اندر نہیں۔ اگر اس نے شیخ کو اپنے گھر میں  
 بلایا ہے تو یہ اس کی دولت کا کمال نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل ہے اور ضرور کچھ نہ  
 کچھ ایسا ہونے والا ہے کہ شیخ وہاں بھی کوئی قسطی کرے گا۔" جانی نے اس کے کندھے  
 پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "وہاں اگر ایک نیکی لاکھوں کروڑوں نیکیوں میں نامہ اعمال میں  
 گئی جاتی ہے تو وہاں پر کیا کیا تھا اور کتنی بھی اسی تعداد سے بڑھتے ہیں۔ آپ فکر کرنے



بیچے ہاتھ باندھے چل رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ چل کر چلے گا۔ ایک دربار پر پہنچے کے بعد لوگ قنارہ فقار چاند گئے۔ وہ فقیر وہی ان کے درمیان زمین پر بیٹھ گیا۔ میں وہی بار دیکھ رہا تھا کہ لوگ جس شخص کی تعظیم کر رہے تھے۔ وہ خود کو ان سے مغرور اور اعلیٰ رکھنے کے لیے تکبر و غرور نام کی چیز کو اپنے پاس بھی نہ دیکھنے سے روک رہا تھا۔

مجھے وہاں کا بڑا سکون ماحول بہت پسند آیا۔ میں اس مرد فقیر کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا۔ غم شریف کے بعد وہاں کا ماحول۔ میں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی ہاتھ اٹھائے۔ اس اللہ تعالیٰ نے اسی کو میرے دل میں اسلام نام کی ایک نئی ہی کرن روشن کر دی۔ میں اس مذہب سے بہت متاثر ہوا۔ غم شریف غم ہونے کے بعد عام لوگ۔ واپس اسی حویلی کی طرف چلے گئے۔ جبکہ میں واپس اپنے قہقہے میں جا رہا۔ اس دن سے میرا دل ایسا رہنے لگا۔ میں اچھے چیلنے سوتے جاتے ان الفاظ کو دہرانے کی کوشش کرنے لگا جو لوگ قرآن کریم میں سے پڑھ رہے تھے لیکن نہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔

میرا جب بھی دل چاہتا تھا میں حویلی کی منڈ پر بیٹھ جاتا۔ کبھی کسی روپ میں اور کبھی کسی روپ میں۔ مگر آخر میں بعد آخر میں کہ ہر بار وہ شخص مجھے میرے اصلی نام سے پکار کر کہتا کہ چلے جاؤ۔ وہاں دست آنا۔ میں وقتی طور پر وہاں سے ہٹ جاتا۔

مگر یہ کچھ میں نے اس شخص میں دیکھا وہ مجھے متاثر کر کے بغیر نہ رہا۔ اس کی آنکھوں کا آپ بظاہر میں ہوا تو شوکر کرنے سے ڈاکڑ نے منع کر دیا۔ مگر اس عظیم شخص کی عظمت کے بعد میں نے اپنے روپ کی کھوج نہ ترک کی، بلکہ سب سے گہم کر کے لڑا یا قاعدگی سے ادا کی۔

چار ایک دن میں نے ایک شخص کو ان کے ہاتھوں پر بیٹھ ہوتے ہوئے دیکھا۔ میں حیران تھا کہ یہ ہاتھوں میں ہاتھ لیے کیا کر رہے ہیں۔ کیا یہ حذر ہے ہیں۔ میرا دل بھی اچھا نہ کر میرے ہاتھ بھی اس مرد فقیر کے ہاتھوں میں جا گئے۔ میں بھی بیست ہوا ہاں میں نے اسے ارادہ کر لیا لیکن میرے فیصلے اور ارادوں کو عملی جامہ نہ پہنایا جا سکا۔ میرا مذہب میری بیست کی راہ میں رکاوٹ تھا۔

میرے قہقہے کو پتہ چلا کہ میں مسلمان ہونے والا ہوں تو انہوں نے اس مرد عظیم کے گھر پہنچا ہوا دیا۔ میرے روئے کو شروع کرنے کے باوجود وہی دو یا نہ آئے۔ تو مرد فقیر نے انہیں پہلے پہلے کو پیار سے سمجھایا۔ مگر ان کی کچھ میں نہ آنے سے اس عظیم مرد نے ان کے گرجوری ظلم کا سدھار جان دیا۔ وہ دو طاقتور نہ کر سکے۔ میں چیلنے ہوئے بھاگ گئے۔

تمام قہقہے نے میرا لاپرواہی کر دیا تھا۔ میں دربار شریف پر اس مرد فقیر کا انتظار کرنے

جاتا ہوں۔ یا پھر نہ ہوں اور میری جانتے ہیں۔ امیر علی تو اشد کو یہ بار ہو چکا ہے۔ مگر نہ ہوں تمہاری محبت سے واقف ہے۔ ان چوں کہ انتظار اطمینان تم کیا ہے۔ اب کیا اور پھر آگے میں جنہیں گاؤں کا گم بھرا جاؤ گے؟ شاہی نے اس سے کہا تو وہ چلے گئے بغیر نہ رہا تھا۔ جبکہ نگران اور مصمم کے لیے شادی کی باتیں نہ کچھ میں آنے والی باتیں تھیں۔

وہ حیرانگی سے بھی شادی اور بھی اطمینان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ "میں ایک جن زارہ ہوں۔" اطمینان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے کہ نگران اور مصمم ٹھک کر رہ گئے تھے۔ بلکہ مصمم کو خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ نگران کی بھی ایسی ہی حالت تھی لیکن وہ اپنی جگہ پر جم کر بیٹھے رہے۔ کیونکہ شادی کا ساتھ تھا اور پھر اطمینان بھی ان کا مرہم تھا۔ کسی بھی طرف سے کوئی نقصان کا اندیشہ نہ تھا۔ وہ اطمینان کی طرف متوجہ ہونے لگا۔

"میں ایک جن زارہ ہوں۔" اٹھو مذہب مسلمان ہوں پہلے میں غیر مسلم تھا۔ میں اپنے خاندان کے ساتھ پر واز کرتا ہوا چار ہاتھ کی میری لگاؤ ایک ایسے گھرانے پر پڑی۔ جس کے گھن میں بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ میں کچھ وہاں خبر کیا۔ میرا قبیلہ مجھ سے بہت آگے چلا گیا تھا۔

قاصدے تیار سے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ہم چلے چکے تھے میں بھی نکلی جاتے ہیں۔ میں اس حویلی کی بھی ادھر پر بیٹھ کر انداز کا نگاہ کرنے لگا۔ مجھے وہاں دوسرے بہت بڑا لگا تھا۔ میرے اندر سے کسی نے میرا اپنا آواز نہیں لیا تھا۔ لوگ قرآنی آیات کا پڑھ کر رہے تھے۔ ہاتھوں میں

قرآن کریم پکڑے ہوئے لوگ اس مقدس کتاب کی تلاوت کر رہے تھے۔ میرا دل کھٹک گیا۔ میں بھی ان میں شامل ہونے کے لیے بے گن ہو گیا۔ میں نے اپنے پر واز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انسان کا روپ دھارا اور نگلی کے راستے حویلی کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہو کر

ان لوگوں میں بیٹھ گیا۔ اچانک حویلی کے اندر وہی دروازے سے ایک وجہ پر عمل قابل رشک صحت کا مالک شخص برآمد ہوا۔ لوگ ہاتھوں میں قرآن کریم کو پکڑ کر اس شخص کی تعظیم کو کھڑے ہو گئے۔ لوگ فرماؤ اور اس سے ہاتھ ملانے لگے۔ میں بھی باری آنے پر ہاتھ ملانے کے لیے آگے

بڑھا تو اس عظیم شخص نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنا منہ میرے کان کے قریب کر کے ہونے لگا۔ "اب آگے ہو کر دروازہ پار نظر آئے تو پکار کر بھیج میں بند کروں گا۔ خاموشی سے چلے جاؤ۔" اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں حیران و پریشان حویلی سے باہر آ گیا۔ اپنے روپ میں واپس آ کر میں پھر حویلی کی دھار پر جا بیٹھا اور وہاں سے اس مرد فقیر کی شان کا نگاہ کرنے لگا۔

میں حیران تھا کہ اسے بے شکم میں سے میری شناخت کرنے والا یہی وہی معمولی بندہ نہ ہو گا۔ ان لوگوں نے وہاں سے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ لوگ اس مرد فقیر کے پیچھے

لگا۔ اس معاملہ میں جو تشریف لے گئی۔ دوسرے شخص کے والد صاحب کی سختی۔ میں اس قبر کے پائوں کی طرف گھڑا ہوا اور روتا رہتا۔

ایک دن گاڑی آ کر رہی۔ اس میں سے ایک مرد جس نے اچھا لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ اندر اور گھل بیٹھ سے ایک عورت جس کا لباس سادہ تھا کہ وہ ٹوکر لے رہی ہے۔ دونوں چلے ہوئے اور ہار کے معاملہ میں داخل ہوئے۔

عورت کی آنکھوں نے حیا اور شرم کے شے چھپے بیٹھ رہے تھے۔ جبکہ مرد بھی سادہ لوح تھا۔ انہوں نے مجھے روکنا کچھ کرنا نہ سہرا حیا چھپاؤ میں جو کہ انسانی روپ میں تھا۔ ان سے شادی ہو کر مر جاتا تھے کہ انہیں پریت ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ مجھ سے وعدہ کر کے چلے گئے۔ ان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ عورت کا نام نہ رہا اور مرد کا نام امیر علی ہے۔ امیر علی کے گھر نہ رہا اس کا نام نہ رہا تھا۔ جبکہ دونوں ہی شادی کے مرے ہیں تھے۔ شادی سے بات کرنے پر انہوں نے بتایا کہ میں انسان نہیں ہوں۔ جن زادہ ہوں۔ وہ بہت حیران ہوئے لیکن میرا زادہ کچھ کرنا نہیں بہت ترس آ رہا تھا۔ وہ بار بار شادی سے مجھے بیٹ کر کہنے کا کہتے تھے۔ میں بھی امیر علی اور نہ رہا ان کے گھروں میں جا کر اپنا زادہ روتا۔ میں نے انہیں بتایا کہ قہقہے ہانوں نے مجھے نکال دیا ہے۔ اب میرا ہی اور کئی شخصیت پر مرنا پڑا ہوا ہے۔

پھر ایک دن میرا زادہ کا نام آ گیا۔ صاحب قبر جو کہ شادی کے والد صاحب تھے۔ انہوں نے شادی کو خواب میں نہ پارت کروائی اور مجھے بیٹ کر کہنا۔

شادی امیر علی اور نہ رہا ان کی موجودگی میں نہیں نے شادی کے ہاتھوں پر اسام قبول کیا۔ ان کی بیعت حاصل کی اور مسلمان ہو گیا۔ میرا پانا نام "رمشا" تھا لیکن شادی نے میرا نام مسلمان ہونے کی حیثیت سے ٹھکرا سٹیل رکھا۔

میں دن رات شادی کی خدمت میں مصروف ہو گیا۔ ان کی محبت اور خدا کے بلا سے میں نے سچ بچ کر لیا۔ مگر مجھے آج تک وہ منظر بھی بھول نہا جو میرے شریف کے گنبد غفرانی کا چلی سے پھر پر منظر ہے۔ میں آج بھی وہ دھڑا دھڑا کرتی ہوئی میری آنکھیں پھر آتی ہیں اور میں اتفاق میں وہ منظر بھی نہیں کر سکتا جب سے کہ اب تک میں اسی روپ میں ہوں۔ مگر آج شادی کی باتیں میرا دل زلزلہ دے رہی ہیں۔ میں کہاں جاؤں گا۔ میرا کون ہے؟ یہ کہہ انٹیل روئے لگا۔ غفران اور میں ہی مصرعہ کہ بہت حیران تھیں۔ مصرعہ کو یاد آ گیا کہ بازار میں باب لڑکوں نے اس سے چپڑ خانی کی سختی تو انٹیل نے اس کی عزت پہنچی تھی اور ایک خواہی وجود والے کا زادہ کی کندھے سے اٹھیزا تھا۔ جو پتھر کسی انسان کا کارنامہ تھا۔

"ان سے اچھی طرح مل لو انٹیل اب تمہارے جانے کا وقت آ گیا ہے۔" شادی نے کہا تو وہ حسرت و داس سے ماں بی کی طرف دیکھنے لگا۔ جیسے وہ ایک بار پھر اس کی سفاک کر رہی کی۔ مگر انہوں نے غصہ میں جھکا لی تھیں۔

"تمہیں اس سے بھی بھڑا اور اچھی جگہ پر بھیج رہا ہوں۔ میں سمجھ لو کہ رب تعالیٰ نے تمہیں چاہا اس نیک کام کے لیے۔" شادی کی آواز نے انٹیل کے صبا کے تمام بندھن توڑ دیے تھے۔ وہ بچوں کی طرح پھٹنے لگا۔

"کیا میں اس کا قتل ہو گیا ہوں کہ رب کریم مجھے کسی کام کے لیے جان لے؟"

"غفران! مہاں! شادی کی تیاری کرو۔ مغرب تمہاری شادی و عصر یعنی سے ہوگی۔"

شادی نے کہا تو دونوں کے دلوں کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ عصر اور غفران کے دل کی آواز اللہ تعالیٰ نے ہی تھی۔

شادی اٹھ کھڑے ہوئے تو باقی افراد بھی کھڑے ہو گئے۔ ان کے اشارے پر انٹیل نے ماں کی اور عصر کے سر پر ہارے ہاتھ بکھیرا اور روتے ہوئے اس نے غفران کو گلے لگایا۔ غفران کو یہ احساس بھی نہ ہوا کہ وہ ایک انسان سے نہیں بلکہ ایک جن سے گلے مل رہا ہے۔ وہ انٹیل کی راستی ان کر بہت غصہ ہو گیا تھا۔

شادی کے پیچھے پیچھے وہ بھی ہاتھ باندھے باہر نکل گیا۔ ان تینوں کو اس اور غصہ چھوڑ کر۔ اب شادی میں اس سے ملاقات ممکن نہ تھی۔ کیونکہ شادی نے اسے معلوم منزل کی طرف بھیج رہے تھے۔

عصر نے غفران کو دیکھنے کی آنکھیں جھکا لی تھیں۔ جبکہ غفران اسے اٹھنگی باندھے دیکھے جا رہا تھا۔ ماں بی نے دونوں کی طرف دیکھا اور کھار کر غفران کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ "اس

مصرعہ کو غفران ہی غفروں میں کھانے کا ارادہ ہے کیا؟"

عصر ماں بی کی بات سن کر اندر چلی گئی۔ جبکہ غفران شرمندہ سا ہو کر باہر نکل گیا اور ماں بی کی لاپٹن اٹھا رکھ کر بھرا آئیں۔ وہ آسمان کی طرف دیکھنے لگیں۔ جیسے ہر روز کا کارنامہ کر رہی ہوں۔

آنکھوں میں آنسو تھے جو حتم نہ رہے تھے۔ شادی نے اپنی آنکھیں بھٹکن کھولیں اور وہ  
حقانی کا شہر ادا کیا کہ اس کے صدم کی خلیل بر وقت کر سکے تھے۔

☆=====☆

شٹل نے بی بی خوش خوشی اپنے ملک کی سر زمین پر قدم رکھا تھا، لیکن یہ دیکھ کر حیران رہ  
گیا تھا کہ انیسویں ہجرت پر کوئی بھی اسے لینے نہ آیا تھا۔ وہ انتظار کر کر کے خود ہی جیسی سے  
گھر چلا گیا۔ گھر کچھ پر چڑھ کر دیکھا کہ اسے گیت کھول کر اسے سلام کیا۔ اس کے ساتھ آنے والا  
سامان ملازم نے لٹکی سی سے اتارا۔

شیخ کو عجیب سا سکوت طاری ملا۔ وہ حیران تھا کہ نہ عالیہ بیگم نے آگے بڑھ کر اس کا  
کوئی استقبال کیا ہے اور نہ ہی احمد باؤ اسے انیسویں ہجرت پر لینے آیا ہے۔ گاڑیاں بھی کھڑی  
تھیں۔ مگر گھر پر سکوت اور بھونک اداسی چھائی ہوئی تھی۔

وہ ایک ایک کمرہ دیکھ رہا تھا۔ اسے کوئی بھی ٹکڑا نہ تھا۔ وہ اوپر والی منزل پر چلے  
کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جس دن سے ٹھیکہ موت ہوئی تھی وہ اس کمرے میں بھی لٹکی  
نہ آیا تھا، لیکن آج اس کا جنس اسے سمجھ لایا تھا۔

اس نے دروازہ کھولا چاہا تو وہ خلاف توقع اسے کھوکھلا ہوا ملا۔ اس نے اندر چھانکے  
کی تو جرات نہ کی۔ مگر آنکھیں اور دماغ وہیں رہ گیا تھا تو وہ خود ہیچے ہٹ گیا تھا۔ عروہ کی  
ادائیگی سے وہ اب اس آتے ہی اسے جو خوبصورت چھٹا تھا۔ وہ بیٹھنا اس کی غیرت کے منہ پر  
زور دار ملنا چاہتا تھا۔

عالیہ بیگم پوری جان سے اپنے مرشد کی "خدمت" میں مصروف تھی۔ یہ منظر شیخ کی  
غیرت ہانکے کے لیے کافی تھا، لیکن اس کے دل کی تیز ہوتی ہوئی دھڑکن نے خود پر قابو نہ  
پایا۔ وہ اپنے مالک ہوتے ہوئے ذہن کو قابو نہ کر سکا۔ اس کے کانوں میں گونجنے والی  
عالیہ بیگم کی سسکاریاں اور بابائی سے نکلا ہوا آغیز اٹھانے کو چاہتے گئے تھے۔ وہ مردودنی سے  
بیزاریاں اترتا۔ ملازم اس کے لیے پانی کا گلاس لیے کھڑا تھا۔ گرج شیخ خود پر قابو نہ پاسکا اور  
دھڑام سے صوفے پر گر گیا۔ اس کا رنگ لٹا ہوا شروع ہو گیا تھا۔ ملازم کی چیخ و پکار سن  
کر عالیہ بیگم اپنی دختر حالت کے ساتھ ہی بھاگی ہوئی آئی تو ملازم سے شرم سے لگاڑیں جھکا لی  
تھیں۔ بابائی بھی اپنے لباس کی سلوٹھی اور دست کرتے ہوئے بیزاریاں اترتے ہوئے  
آ رہے تھے۔ اس کے چہرے پر شہادت کی جھلک لڑیاں تھیں۔

ملازم نے جلدی جلدی ایسی بیس کے لیے فون کیا۔ جب تک عالیہ بیگم نے اپنی

شادی نے اسٹیشن کو سمجھا دیا تھا کہ وہ یہاں سے کہاں جائے گا۔ وہ سر جھکا کر  
ان کی باتیں سنتا رہا۔ وقت رخصت اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ کتنی ہی دم عقیدت  
سے اپنا سر شاہی کی گود میں رکھے رہتا رہا تھا اور آج اس نے میں نہیں سالوں کی وجہ  
چھٹاؤں کا حساب لگا لیا تو اس حویلی کی ایک ایک اینٹ سے اس کو عقیدت ہو گئی تھی۔ وہ دربار  
جس سے شادی تک لگا کر بیٹھا کرتے تھے۔ اسٹیشن کو اپنی طرف بلادی تھی۔

حویلی کے صحن میں لگا ہوا آنسو کھین کا پودا بھی اسٹیشن کو ادوار ام کہہ رہا تھا۔ اس نے  
حسرت بھری آنکھوں سے ہر اک چہرہ کو دیکھا اور شادی کے ہاتھوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیے  
گرم گرم آنسوؤں کی حدت سے شادی کو لٹکی را دیا تھا۔

"اسٹیشن جلد از جلد رخصت ہو جاؤ۔ وقت بہت کم ہے۔ جذباتی مت بنو۔" یہ کہہ کر  
انہوں نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اسٹیشن نے متوہم آنکھوں سے مرشد سرکار کی طرف  
دیکھا جن کا چہرہ ہلے کانپ رہا تھا۔ وہ بلیغ اور بے تھے۔

اسٹیشن نے حویلی کے بیرونی دروازے کی پورٹ کو عقیدت و احترام سے بوسہ دیا  
اور ایک انورائی نظریات سے مرشد خانہ پر ڈال کر مرشد سرکار کو سلام کر کے اوجھل ہو گیا۔ شادی  
نے مڑ کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھٹکی ہوئی تھیں۔

انہوں نے غصوں کیا کہ انہیں بخار ہو رہا ہے۔ وہ اندر کی طرف چلے گئے اور کھیل بوڑھہ کر  
لیٹ گئے۔ انہیں اسٹیشن کے ساتھ گرازا ہوا ایک ایک دن اور ہر لمحہ یاد آنے لگا تھا۔ بخار نے  
بھاری باپ ترقیان ہوا شروع کر دیا تھا۔ شادی کی آنکھیں تیز بخار سے بند ہو گئیں۔ حیران  
کا ہاتھ اس جگہ پر ہو گیا جہاں اسٹیشن نے چاہا تھا۔ اسٹیشن پتھر سے اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا۔

انہوں نے کہا۔ "کیا یہ جگہ میری جلی حویلی سے بڑھ نہیں ہے؟"

شادی نے اسٹیشن کو چہرے ہوئے دیکھا۔ اس نے مرشد کی آواز ہزاروں میل دور  
بھی سن لی تھی۔ بلکہ بچکانہ بھی لی تھی۔ وہ حیرت زدہ تھا۔ مگر شادی نے دیکھا کہ اس کی

حالت پر چکا ہوا لیا تھا۔

کل کورنگر ہیپتال لے جایا گیا تھا۔ ایمرنسی میں اس کی نگہداشت شروع ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر اور کئی نرس بڑی حدی سے فرض شکای کا مطالعہ کر رہی تھی۔ بالآخر تین گھنٹوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد انہوں نے شیخ کو وارڈ میں شفٹ کر دیا تھا۔ وارڈ بھی پرانے ریت تھا۔ جس میں شیخ جیسے ایمرنوک ہی مریض تھے۔ وہ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ شیخ صاحب کو کوئی بردست صدمہ پہنچا ہے۔ جو ان کے لیے ایک کا باعث بن گیا ہے۔ تا حال یہ ہوش شیخ کو آسکھن لگتی تھی لیکن جوں ڈاکٹر اس کی حالت اب غلط ہے سے باہر تھی۔ عالیہ تنگم کو طرح طرح کے دوسروں نے گھیر رکھا تھا۔ کیا شیخ نے اسے مرشد کی "خدمت" کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ یا پھر وہ سڑکی معصومین پر داشت نہ کر سکا تھا۔ عالیہ تنگم کو بچا بی نے اتنا دھوکا دیا تھا کہ اسے واپسی کی تاریخی یاد تھی اسے تو یس یہ پتہ تھا کہ اس کا شوہر گھر نہیں ہے۔ بس پیش کر لو!

جس بھی کئی دنوں سے پریشان تھا۔ وہ ڈاکٹر شارق کے گھر کے کئی پتھر لگا چکا تھا۔ گھر ڈاکٹر سے کوئی رابطہ نہ ہوا۔ نہ ہی اس کی بیوی کا کوئی پتہ تھا۔ گھر میں چڑا ہوا تھا اس کا منہ چڑا تھا۔ وہ بھی کھانا دوسرے مریضوں کے گھر بھی چلا جاتا تھا۔ احمد داد نے بیرونی دنیا شروع کر دی تھی۔ اسے اس نئے کی لذت میں کس نے ڈاکٹر کا کسی کو علم نہ تھا۔ وہ اپنے ہوش و حواس سے بچا نہ ہو کر دفتر میں چڑا رہتا تھا۔ اسے صدمہ کاظمی نے پہنچا تھا۔

جس کو یہ سڑک جنگ پائی باقیوں سے فحش دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ڈاکٹر پر بچا دبا کھا رہا تھا۔ کیونکہ ایمان کو کھانے لگانے کے بعد ڈاکٹر ہی اس کا راز اور راز دار تھا۔ اس نے اٹھانے نہ شے سے قوت خود کو روپوش کرنے کی سوچی۔ مگر پھر اس کا ذہن اپنے ایک خاص مریض جانی کی طرف مبموم گیا۔

اس نے جانی کو کئی بار اپنے گھر لگانے کا کہا تھا۔ مگر ہر بار جانی اسے ٹال جاتا تھا، لیکن جیل کو کیا خبر تھی کہ اس کی موت ہی اسے گھیر کر جانی کے پاس لے جا رہی ہے۔ اس نے فی الحال جانی سے رابطہ کرنے کا سوچا، لیکن اسے یاد آیا کہ اس کا تو کوئی بھی فون نمبر یا کوئی رابطہ نمبر اس کے پاس نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ جانی کے حلقے کسی ملک میں جاتا ہوتا۔ ہیپتال کے وٹیک ڈاکٹر میں چار پانچ سپاہی اور پیران کے ساتھ ایک ایسے افسر آئی بھی داخل ہوئے۔ جس نے انہیں دیکھ کر کوئی اہمیت نہ دی تھی، لیکن اسے اسے آئی نے آکر ایک کاشیشیل کو کہا کہ جس کو انکسٹری لگے۔

جرمن پریشان تھیں نے مجھے کی کوئی بھی کوشش نہ کی۔ کیونکہ اس کی نظر میں وہ بے گناہ تھا اور پھر اس کے اپنے جانے والے بھی بہت سے تھے۔ جو غلط نہیں ہیں میں اپنی پسندوں پر تھے۔ اس سے پہلے کہ سپاہی جیل کو انکسٹری لگا چکا ہوا ہے۔ عالیہ تنگم بھی۔

وہ پولیس والوں کو بچا بی کے گرد دیکھ کر جرمن رو تھی تھی۔ وہ جلدی جلدی آگے بڑھی۔ تو اسے مائنس آئی جو عالیہ تنگم کو شیخ عریضات کو تنگم کی حیثیت سے جانتا تھا۔ وہ بولا۔

"تنگم صاحب آپ ایہاں کیا کر رہی ہیں؟"

"اور حق جو کر رہے ہو۔ یہ کیا کر رہے ہو؟" عالیہ تنگم نے اس کے سوال کا جواب نہ دیا تھا۔ بلکہ اس سوال کو رد کیا تھا۔

"بھئی اوپر سے ہم ملے ہے کہ اس فراڈ ہے اور اس حق شخص کو گرفتار کیا جائے۔" اسے ایس آئی نے جیل کی طرف اشارہ کر کے کہا تو عالیہ تنگم پر جادو سر چڑھ کر بنے والا تھا اور درست ہو گیا۔ وہ فیسے سے ٹال بھسکا ہو گئی۔

"جسبیں مضمون ہے کہ کس کے بارے میں کیا الفاظ بک رہے ہو؟ میرے مرشد ہیں۔ جسبیں کوئی غلطی ہوئی ہوگی۔" وہ خاموش ہو گئی تو اسے ایس آئی نے جذب کا فکھار نظر آیا۔ وہ وہاں رہا۔

"اوپر سے کس کی اتنی برأت ہوئی ہے کہ میرے گھرانے کے خلاف حکم جاری کر سکے۔ انہی بات کرتی ہوں۔" وہ یہ کہہ کر استقبالیہ کا ڈنڑی طرف بڑھ گئی۔ جبکہ پولیس والوں کو اپنی دو دیواریں کی غریب چائیں گیں۔ اسے ایس آئی جانتا تھا کہ شیخ عریضات کے تعلقات کس نوعیت کے ہیں اور پھر ان کی تنگم سے تو اپنے ذاتی تعلقات بھی بنا رکھے تھے۔ اتنی دیر میں عالیہ تنگم نے فون کر دیا تھا اور اب اسے ایس آئی کا اشارہ سے اپنے پاس بلا دیا تھا۔ وہ دل سے کایچ ہوا فون کے پاس پہنچا دوسری طرف سے اسے چونک کر کہا گیا۔ وہ کافی تھا کہ وہ عالیہ تنگم سے معذرت کرتا۔ اس نے ڈیٹیل اعداد میں دیکھ کر لیٹ پر رکھا اور عالیہ تنگم سے معافی مانگنے لگا۔

"مجھے سے نہیں۔ میرے بچا بی سے معذرت کرو۔" کیا حکم کرے ایس آئی کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ "مرتا کیا نہ کرتا۔" اسے صدمہ تھا وہ بچا بی کے پاس پہنچا اور اپنی زوجہ کی اور اوپر کے حکم کو کھانچ کر قرار دے کر معافی مانگی اور بدل سا ہو کر سپاہیوں سمیت ہیپتال سے نکل گیا۔

ہیپتال کا کامل یہ تاشاد کہ کبھی بچکا رہ گیا تھا۔ عالیہ تنگم کی قدران کی نظروں میں مزید

یہ مکتبہ تھی۔

”آپ مجھ جا کرامت کریں۔ میں آتی ہوں۔“ وہ باہمی سے خطاب تھی۔ لہجہ باادبی تھا۔ جس نے جان بچ جانے پر شہزادہ کی والدہ سلطانہ ہواؤرا مجید کے ساتھ گاڑی میں جڑ کر گھر کی طرف چل چلا۔ وہ عجب سے لکھنے کا رنگ رہا تھا۔ شیخ کا بہارت آگیا۔ اور پھر یس کا۔ اسے گرفتار کرنے آئے۔ اس کی کچھ چیزیں آ رہی تھیں۔

دودھ انکڑا مارا کھلا آئینا سامنے لگا تھا۔ دودھ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اس شخص نے جمل کو اس کی حالت ضرورت تھی۔ محرم انکڑا کھائے کے سر سے بیگن کی طرح غائب تھا۔ بیکس دودھ کا گلاس لٹکایا۔ بیکس تمام دواؤں اور دوا پیتھرو اس وقت ان کے چان کے مطابق نسخہ عمر حیات کے کمر میں بہتے ہوئے آستانے میں ایک الماری میں موجود تھا جس کی چابیاں جمل کے پاس تھیں۔

اس نے اپنی جیب چھینچھا کر پائیوں کے چمچے کی موجودگی کا احساس کیا۔ اس نے یوں ہر ذرہ جی سکر اس بات کو دیکھی۔ وہ ایک چلان پر عمل کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر رہا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کے عاتبہ کو جانے نہ کی گئی اپنے لیے ٹھیکہ دار مانا تھا۔ وہ تمام رات غصہ کر کے عالیہ بیگم کے آنے سے پہلے ہی گھس جانا چاہتا تھا۔ وہ ایک ڈار بھر کر کچی کی رشتہ بندیوں میں دوڑ کر گیا تھا۔ وہ گھنٹوں کے بعد گھر پر واپس آئے۔ کوئی ایسا سازش کر کے۔ چلا آجی صاحبہ اور ایمان کے بعد ڈاکٹر کی خیر خواہی سے خوش ہو کر واپس آئے۔ وہ تمام رات غصہ کر رہا تھا۔

گازی رکے پر وہ چڑھا۔ گازی شیخ کی کٹھنی میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ گازی سے باہر  
 اور اپنے آستانے کی طرف چل دیا۔

گھر میں اس وقت چٹکیا اور رانیدر کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ تیسرا چٹکل خود تھا۔ اس نے جب سے چاہیوں کا گھما گھال کر اپنے آستانے کا دروازہ کھولا اور راجل ہو کر اندر کھڑی لڑکی لڑائی۔ اس نے لاشہ آن کر کے ہوس بھری نظروں سے الماری طرف دیکھا۔ مدی جلدی اس نے الماری کا تان کھولا۔ سامنے نوٹوں کی گڈیاں دیکھ کر اس کے منہ میں تھہرا رہا تھا۔

یہ نوٹ اس نے غیر محاسبات اور اس کے جاہل ساتھیوں سے تلفظ جھگڑا دیا ہے۔ لیکن اس نے اسی وقت اسے بتا دیا ہے کہ اسے بہت بڑے بیگ کی ضرورت تھی۔ اس نے آستانہ میں لاکھ دوڑائی۔ مگر کوئی بھی چیز اسے نظر نہ آئی۔ دو تھکاپہ کے عالم میں چلتا تھا اس کا دھیان نیچے کی طرف گیا، لیکن اچانک اس کے ذہن میں علی کی کونوی دو

جلدی سے کنڈیڑے کھول کے ہر ایک اداشیخ کے کمرے کی طرف چلے اور اداشیخ کے کوئی راز کھولنے والا تھا اور راز بھی دینے۔ کمرہ کش کوئی بھی تھا۔ اس نے شیخ کے کمرے میں داخل ہو کر وہ درجہ تکس پہنچا۔ پہلی کسی کی طرف پر جانا تھا اور اداشیخ جو شیخ ابھی تک خود کی اداشیخ سے کہا تھا۔ کازم نے وہ کازم اساتذہ شیخ کے کمرے میں رکھ دیا تھا۔

خجل کے برہنہ کس اٹھایا اور اپنے آستانے کی طرف حیرتزدہ ہوا سے چلا ہوا پہنچا اس بار اس نے دروازے کو کھڑی نہ لگائی تھی۔ اس نے برہنہ کس کو قبول کرنا سماں کا رعبت برہنہ دیا۔ اس میں ایک قابل و کرکٹری بھی تھی۔ جو بیٹا بیٹا جانی کے لیے ہی کا ہوا۔ خجل نے وہ کرکٹری اپنی کٹائی پر ہانک لی اور وقتی سماں کو دیکھنے لگا۔ عمر اس کی حیرت زدہ ہونے لگی کہ اسے فتنی سماں میں ایک بے وقعت چٹری کہا اسیت تھی۔ اس نے جھڑپا کر کر کے کوٹے میں پھینک دیا۔ جبکہ ایک کپڑے سے دھیر دھیر اسی کوٹے میں پھینک دیتے۔ اب چارمان کپڑوں کے نیچے تھا کہ بھی ایک ٹکڑی میں دیکھیں نہ سکتا تھا۔

عجل سے تمام نوٹ جیک میں بھرے اور مطمئن ہو کر کمرے کی طرف دیکھا۔ ۱۲۰

۶۶۔ بریل ٹیکس اٹھا کر اپنے عہدے سے ہٹا کر ان کو زمین دیوں سے دے دیا جس طرح ہر ٹیکس گئی۔ بریل ٹیکس انھوں نے نکل کر زمین پر گر پڑا۔ اس کی چیخاٹنی پر بیٹے کے گھر سے نمودار ہو گئے۔ اس کے سامنے احمد باور پور انور سے کھڑا تھا۔ اس کے سر پر تاج تھوڑے پیرے پر سخت قہر و غضب نظر آ رہا تھا۔ جس نے اپنا آپ سنبھالا اور احمد پر دوا ڈال دیا۔

”حرامزادے امیری بہن کے قاتل ہو تم۔“ وہ بمشکل الفاظ ادا کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ بھی شے میری رحمت لگتا تھا۔ وہ پھر الفاظ کو اب تو لے کر ہوا۔

”تم نے میری فقیری کی جیسے مقدس رشتے اور مقدس کام کی توجیہ کی ہے۔“ وہ بول رہا تھا جبکہ قبل اس سوازی سے ہاں کہنے کے لیے توجیہ کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کوئی بھی توجیہ کار گزرتا تو یہی نظر نہ آ رہی تھی۔

”تم نے مجھے گھر میں حرام کاری کا ذکر کھولا دوسرے گھر میں منہ دار تجارتی سڑک پر جیسی کہ کہیں کوئی رادیو جاسنے نہیں۔“ اس سے پہلے کہ احمد بارہ ٹکڑو دے گا۔ چلنے سے اس پر چڑھا ٹنگ لگادی۔ بس پھر راجہ اللہ راجہ کے ہاتھوں سے نکل کر دوڑ جاگرا۔ وہ ایک دوسرے سے گھر کھینچتا ہوا سے تھے۔ قبل احمد پر بھاری بار تھا۔ اب بھی بار بار اسے سرکو جھٹک کر اس

سے ڈرا ہمارے بھی پریشان نہ تھا۔

وہ بے گھر کی ہے چلا ہوا گھل کے پاس پہنچا اور پھر اور اس کے ہاتھ سے بکڑیا۔ جس پر گھل کی انگلیوں کے نشان تھے۔ نشان نہ تھکی ہوئے، اس کی پانچلک کے تحت تمام کام اسی برآمدہ میں ہوا تھا۔ جس میں اس نے گزشتہ کئی روز سے دلچسپی لگوا رہا تھا۔ اس کام میں بچہ کھیلانے اس کا بہت ساتھ دیا تھا۔ وہ ہر روز اس کو اس دن کی کیشیں دے کر آتا تھا اور وہی کیشیں لے کر آتا تھا۔ احمد کا دل گھل کے بعد قاضی اس غم میں غلط ہو گیا تھا۔

"آپ بے رحم سے محترم میر صاحب! جانی کی اس کاٹ دار بات میں قہل کو مہر جانا بھڑکھوس ہوا۔" تم پر نہیں کو کیا ہوئے دیکھتے ہو؟" اس نے گھل کی کٹائیوں میں ہتھکڑی ڈال۔ "میں گزشتہ کئی برس سے نہیں چاہ کے لیے لڑائی کر رہا تھا۔ میرے طریقہ تحقیق کو دیکھتے ہوئے میری مرضی کے مطابق مجھے تمام کام سارا وہاں میں کرنے کا موقع مل گیا اور اس طرح تم جیسے ادھیڑ اور آدرا دینے کو تھکے بغیر کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ مگر یہ سارا کام مقرران کا ہے جو تمہاری ناک کا بل بن کر تمہیں ستا رہا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو گناہ اور ذمہ داری سے بچا لیا مگر تمہارا بیچنا نہ چھوڑا۔" اس نے جھکا دے کر گھل کو کچلے پور سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ وہ اسے گاڑی میں بٹھا کر لے جائیں۔ "اس کی گھل سپاہیوں میں کر دیں گا۔"

☆=====☆

شک کو آج پھر وہ دن بعد تھا گا مہی تھا کہ احمد باؤ کو باپائی سے قہل کر دیا ہے۔ وہ ہسپتال کی دوا میں کو قہم تمام کر رہا تھا۔ کوئی اس کا نہ سنا حال تھا۔ جوان بچی کی موت نے اس کی کمر توڑ دی تھی۔ مگر اس کا جوان اور اکلوتا بیٹا بھی اس کی قہم پر تکی اور جہالت کی ہیئت چڑھ گیا تھا۔ وہ ان سے عالیہ بیکم بھی قہم تھا۔ وہ اس کی خبر گیری کے لیے ذاتی قہم۔ شگ سے سوچا کہ کمر میں قہم کرنے والوں کا تانا بندا ہو گا۔ لوگ دھڑا دھڑا غصوں کرنے کے لیے آ رہے ہوں گے۔ مگر صورت حال اس سے برعکس تھی۔ کسی سیانے نے قہل ہی کہا ہے کہ "ایسا نہ ہو تو کبریاں بھی نہیں چرتیں۔" اس کی کوئی میں نہ کا عالم تھا۔ بس چوکیدار تھا مگر ہار کی صفائی سہرائی کر دیا کرتا تھا۔

☆=====☆

پولیس جیپ اپنے دروازے پر کھڑی دیکھ کر غفلان جبران رہ گیا تھا۔ وہ شادی کی بنا روادری کر کے واپس آ رہا تھا۔ وہ چراگی سے جیپ کو دیکھا وہاں داخل ہوا تو اس کی انگلیوں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ سامنے جانی کو کھینچ لی کی بی بیٹا رہا جس کو دیکھ کر وہ اچھی سی می

پر عادی ہونے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن قہل نے احمد کو زبردست ڈانچ دے کر زمین پر گرا لیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں راج اور اگیا تھا۔ اب وہ قہل سے کٹانے پر تھا۔ اس نے احمد کو کھڑا ہونے کا اشارہ کیا۔ احمد وہاں گھٹا کھڑا ہوا گیا تھا۔ وہ قہم قہم رہا تھا۔ "قہل نے بھی کبھی مکی گولیاں نہیں کھینچی ہیں۔" قہل کے ہاتھوں پر زبردستی مسکراہٹ تھی۔ وہ بول رہا تھا۔ "میں نے تمہاری انکھوں کو قہل نہیں کیا ہے۔ بس اسے ماں بنایا تھا۔ وہ بہت روٹی کھیتی اس سے میرا نام بھی لگا مگر تمہارے جانی والدین نے اس کی ایک نہ کٹی۔" وہ قہم لگا کر کھینچنے لگا۔ احمد بدستور اس کے کٹانے پر تھا۔

"تمہاری ماں جو کہ تمہارے باپ سے تھکن نہ تھی۔ اسے اس عمر میں بھی ماں بیٹے کی خواہش تھی۔ پھر میں غریب کیا کرتا؟ اس کی سسرتوں کو بھی پورا کرنا تھا۔ سو کرتا رہا۔ بیٹہ! وہ اس عن گئی۔ قہمیں تو خوش ہونا چاہیے احمد باؤ کہ تمہارا کوئی لیکن بھائی آئے والا ہے۔" وہ پھر قہم لگا کر کھینچ رہا تھا۔

"جس تک تم اور تمہارے باپ جیسے جانی لوگ اس دلیا میں موجود ہیں مجھ جیسے ہوشیار اور چالاک لوگ ان کی جاہلیت کا فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ تم لوگوں نے تو شرک کی ابتکار کر دی تھی۔ میں لڑکیوں کا سپاڑ تھا۔ مگر تم نے اور تمہارے جانی باپ نے مجھے ملانا لیا تھا۔ میں اس چیز کا فائدہ کیوں نہ اٹھاتا۔ مجھ جیسے لوگوں کے پاس یہ کم نہیں ہوتا۔ بس چند اٹھا ہوتے ہیں۔ جن سے تم جیسے بے وقوف لوگ سٹار ہو جاتے ہیں۔" وہ اب کافی غصہ رکھ کر آ رہا تھا۔ احمد نے بہت بڑا رسک لیا تھا۔ اس نے اس پر چھانگ لگا دی تھی۔ مگر اس کے راج اور سے نکلے والی گولی نے احمد کے دل میں سوراخ کر دیا تھا۔

احمد کی آنکھیں کھلی گئیں جس اور وہ زمین پر گر کر رہ گیا۔ گولی کی آواز سن کر چوکیدار اور ڈرائیور کیوں نہیں آئے؟ قہل نے سوچا۔ مگر یہ وقت سوچنے اور گھٹنے کا نہیں تھا۔ یہاں سے نکلنے کا تھا، لیکن جب اس نے اپنے غصوں اور سست کچلے کو گولی کا پورا ان ہی پولیس والوں سے ہمراہ اور نظر آ رہا تھا۔ اس کے چاروں طرف ہی قہم تھی۔ ان کی کمانہ ایک جانا بچا اچھڑ کر رہا تھا کہ باپائی کا بچنا خاص مرے" جانی" تھا۔

پولیس والوں کی اپنی طرف تھی ہوئی بدلتی دیکھ کر اس کی رہی بھی غلطی ہو جانی رہی تھی راج اور اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے آخری حربہ آزمائے کے لیے راج اور جانی پر تان لیا تھا۔ وہ اس وقت اس کے سامنے غصہ لپی کی بی بیٹا رہا جس میں کھڑا تھا۔ قہل کو جبران و پریشان دیکھ کر جانی کے چہرے پر کھم اور متین کی مسکراہٹ کھیل گئی وہ راج اور



"اللہ تعالیٰ ہمارا رکھ کرے اور اس ننگی پر حریت ترقی دے۔" ماں جی نے جانی کے سر پر چادر سے ہاتھ بچھرتے ہوئے کہا۔ "شاہ جی نے کہا ہے کہ رخصتی کی ان کو چلیے سے ہوگی اور بڑی سادگی سے تمام تقریب ہوگی۔" ماں جی کی بات سن کر عصمت کو سر سے میں چلی گئی جبکہ جانی نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"عصمت سرکار کا کھمبہ آج بھی پریشان ہے آج ہی ان کی قدم پوی کے لیے ہاؤس گا۔" پھر وہ غفران سے مخاطب ہوا۔ "اگر تم بھی چلنا چاہو تو میرے ساتھ چل سکتے ہو اس جیب میں فیکر۔" وہ نکلے ہوئے ہوا۔

"نہ بھائی! بڑی مشکل سے مجھ سے یہ بد معاشی کا فیصلہ اتر رہا ہے۔ تمہارے ساتھ جیب میں دیکھ کر لوگ کہیں گے غفران پھر سے غفران بن گیا ہے۔" اس کی بات پر بھی ہنسنے لگے۔ جانی نے غفران کا ہاتھ پکڑا اور باہر لے گیا۔ وہ جیب میں سوار شاہ جی کی طرف چارہ تھے۔ جانی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"غفران بھائی! آپ شیخ کے لکھنؤ کے متعلق کب بتا رہے ہیں؟" اس نے گیزر ہلا کر اس سے مزید پوچھ کر دیکھنے لگا۔ جانی نے جان بوجھ کر گھبراہٹ اختیار کیا تھا۔ جبکہ وہ پیدل بھی چند منٹ کی داک کرتے ہوئے شاہ جی کی حویلی پہنچ سکتے تھے جانی کا مقصد شیخ کے غلیہ لکھنؤ پر چھاپہ مار کر اس کے تمام کاروبار کو ختم کرنا تھا اور غفران اس کی لڑکا کا بھی بی بی تھا۔

"جانی! بادشاہ صاحب ابورے پور سے نہیں والے ہیں گئے ہو۔" غفران ہوا۔

"کیا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بقول کا لگا ہوا یوہ ترقی اور محنت کا پانی پی کر ایک دن تیار اور درخت بن جائے۔" جانی مسکرا کر ہوا۔ "اور پھر بھی تو ہمارا مشرک کہ مشن ہے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" غفران نے کہا۔ تو جانی محض مسکرا کر رہ گیا۔ "جانی صاحبہ!" وہ پھر ہوا۔ "اس تمام کام سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟" اس کے ہونٹوں پر شریری مسکراہٹ تھی۔ جانی نے گاڑی سڑک کے کنارے روک لی اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہلا۔

ٹھیک کر رک گیا تھا، جیس جانی نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں موتی بھرا رہے تھے۔ غفران اس کی بوجھ پر ہاتھ بچھرتا ہوا تھا۔ جبکہ ماں جی اور عصمت ان کے پیچھے گھن میں کھڑی یہ شاد و بخود ہی تھیں۔

"جانی! بادشاہ!" غفران نے اپنے مخصوص لہجہ میں کہا تو جانی کے منہ کے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ ہچکچاہٹوں سے کروٹ لگا تھا۔ روتے روتے ہوا۔

"کہہ غفران بھائی!"

"جانی! بادشاہ صاحب!" غفران نے کہا تو کبھی مسکرا دیے۔ جانی حیران و پریشان غفران کا بازو پکڑ کر گھن میں لے آیا۔ عصمت نے ٹھیک پر چائے اور کچھ لوازمات تیار کئے ہوئے تھے۔

"میں آپ کی دعا اور غفران بھائی کی محبت سے اس سچے پر سچے کالوں ماں جی۔" وہ چار پٹی پر بیٹھتے ہوئے ماں جی سے مخاطب ہوا۔

حیران کر داری مجھے پہلی ہی مشرق لگتا تھا۔ "غفران نے کہا تو عصمت پہلی بار بولی۔

"مشرق نہیں ہوتا چناب۔ مشکوک ہوتا ہے۔" غفران کو اس کا یہ اعجاز بہت پیار لگا تھا۔

وہی جانتے ہیں اس پر قربان ہو گیا تھا۔ مگر جانی نے کھلا کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"بادشاہی سرکار کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اور اس کی بیوی کو سرکاری گواہ بنا کر عدالت میں پیش کروں گا۔ احمد باؤگل ہو چکا ہے۔" جانی کی آخری بات پر گھن میں تانا چما گیا تھا۔ عصمت کی آنکھوں کے سامنے اس کا چہرہ گھوم گیا تھا۔ وہ پھر جانی کی بات سننے لگی۔

"مستمر حسین جو کہ اس فرم کا منبر تھا اس نے ہمارا بہت ساتھ دیا ہے اس نے نشانی ہوئی چائے پانی پنا کر احمد باؤگل کو شہ کا قاتل و عادی بنا دیا تھا۔ خالد کی موت کا انتظام خود ہی اللہ تعالیٰ نے احمد باؤگل کی موت کی صورت میں لے لیا تھا۔ شیخ عمر حیات کے گھر کو اسی گھر کے چراغ سے آگ لگ گئی تھی۔ ہمارا جو مقصد تھا چارہ ہوا گیا ہے۔ شیخ ہسپتال میں پڑا ہوا ہے۔

اس کی بیوی صاحبہ ہو چکی ہے۔ اب تم سناؤ کیا پروگرام ہے؟"

جانی نے آخری فقرہ غفران سے کہا۔ تو وہ اسے غور سے دیکھنے لگا۔

"مطلب؟" غفران کی زبان کھلنے لگا۔

"مطلب یہ کہ میری بہن میرے ساتھ میرے گھر جائے گی۔ اس کی بارات وہاں آئے گی۔ میرے گھر سے رخصت ہونے کے بعد وہ اس گھر میں بے چین کر آئے گی۔ سبنا

مطلب ہے۔" جانی خوشگوار سوز میں تھا۔

انسان کو ایک دوسرے کا وسیلہ بنایا ہے۔ "شاہی نے گویا اس بات پر صبر لگا دی کہ غفران شیخ کے تمام تلمیذ ملاؤں کا پتہ چاہتی کو تباہ۔

"شاہی اجیرے لیے خصوصی دعا بھیجے گا۔" چاہتی نے کہا۔ تو شاہی نے ان کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"تم میرے اہل و عیال ہو۔ میں دعاؤں میں تمہیں بھی نہیں بھولتا۔ اب تم چاہاؤ اور باقی کام مکمل کرو اور غفران میں اس جگہ پہلی فرصت میں ہی میرے پاس آنا۔ تم سے ضروری کام ہے۔ شاہی نے ان کو ہا زرت دی تو وہ اپنے دل سے دعاؤں کو اپنا لئے اور شاہی کے ہوت جہاں کے آنے سے پہلے ہی دروازی کر رہے تھے ایک بار باہر حرکت ہو گئے۔

☆=====☆

شیخ کو گھر شفٹ ہوئے آج پانچواں دن تھا۔ حیرت اور افسوس کی بات تھی کہ کوئی بھی اس کی تیار داری اور خبر گیری کے لیے نہ آیا تھا۔ وہ چلنے پر لینا اپنے کمرے کی چھت اور کھلی دروازوں کو گھورنے لگا تھا۔ وہ عجیب سی حالت کا شکار ہو گیا تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے لمبکی الٹا کسموت کا منظر گھومتے لگے۔ وہ اسے کہہ رہی تھی۔ اس کے سناہ کا زہر دار پانی ہے۔ مگر شیخ نے اس کے منہ پر زہر دار مٹا پچھ رہا تھا۔ پھر وہ منظر جس نے اس کی یہ حالت کردی تھی۔ جب وہ صحر کی اداسی سے واپس آیا تھا۔ پانی اور عیال بیکم جس گند سے اور مکر و فعل میں مصروف تھے۔ اس نے تو تھوڑی بات پر چوٹی کی صبر لگا دی تھی اور پھر اس کے سامنے اس کا جہان اور خوبصورت دنیا اچھا یاد آگھڑا ہوا تھا۔ جو اس کے گریبان کی طرف ہاتھ بڑھا کر اسے دبوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آپ ہی میرے قائل ہیں۔ آپ نے ہی تو جہان نلوں کو زہر پہنچا شروع کیا ہے۔ دیکھئے آپ کا پتہ چلایا ہی زہر کا شکار ہو گیا ہے۔ وہ آگے بڑھ رہا تھا اور شیخ پانچوں کی طرف تیز ہاتھ۔ چار ہاتھ۔ وہ دعوت دارانہ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ سامنے ہندو دروازے سے نکلا کر گر پڑا۔ وہ بدحواس ہو کر اٹھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ وہ اپنے کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتا تھا جین میڈ اور ہاڈی چلیں اس کا پیچھا کرتی ہوئی اس کمرے میں بھی تھک جاتی تھیں۔

وہ کالوں پر ہاتھ رکھے پانچوں کی طرف "نہیں نہیں" کہتا بھاگتا جاتا تھا۔ نیلی فون کی بجائے والی ٹھنکی نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ بری طرح وحشت زدہ ہو گیا تھا۔ اس نے مسلسل بچتے ہوئے فون کی طرف دیکھا۔ اپنے فنگر ہوتے ہوئے مطلق کو حقو کٹھن کر توڑنے کی کوشش کی۔ آگے بڑھ کر داتے دل اور لڑتے ہاتھوں کے ساتھ رہا۔

تھماری بیوی حافظہ قرآن سے اور میری بھی نفع ہے کہ۔۔۔"

"بس اس بھائی!" غفران نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔ "تم تو پڑھے لکھوں بھی باتیں کرنے لگتے ہو۔ میرا مطلب ہے کہ صبر بھیجنا نہیں۔ جیسی وہ کرتی ہے۔"

"آپ کو تو خبر ہونا چاہئے بھائی کہ آپ کا سارا بھی آپ کی بیوی کی طرح پڑھا لکھا ہے۔" چاہتی نے کہا تو غفران لڑکیوں کی طرح خرابا کر دو برا ہو گیا۔

چاہتی نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ لہا سوز گات کہ شاہی کی حویلی پہنچ گئے تھے۔ شاہی اب قدر سے بہتر تھے۔ وہ حویلی کے کچن میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ چاہتی کو جوتا تارتے ہوئے دیکھ کر وہ مسکراتے گئے۔

چاہتی اور غفران نے ٹائٹس سلام کیا اور مصیبت سے ان کے ہاتھ چم لے گئے۔ "مبارک ہو ارسلان احمد!" شاہی نے چاہتی کو کہا تو غفران نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "اللہ تمہیں مزے ترقی دے گا۔ بس اس کی یاد سے بھی کبھی اپنے دل کو غافل نہ ہونے دینا اور کبھی بھی کچھ پر شیطان کو ترغیب مت دینا۔" شاہی نے اسے نصیحت کی۔ تو چاہتی جو کہ اب بھی اس ارسلان احمد تھا۔ وہ مزے سر ہکا کر بیٹھ گیا۔

"غفران یہاں اتنا ہوا؟" انہوں نے اس بار غفران سے کہا تو وہ ہر تن گوش ہو گیا۔ "کی شاہی!" وہ نہایت سعادت مند ہی ہوا۔ "آپ کا حکم ہو گا تو چل جوں گا۔" "میں اتنی مجال کہاں رکھتا ہوں کہ تمہیں حکم دوں۔" ان کی آواز میں درد تھا۔ حکم تو اوپر سے آتے ہیں۔ ہم تو ان کی تمہیل کے خادم ہو تے ہیں۔" شاہی نے ایک غلطی آہ بھری۔

"شاہی!" ارسلان احمد نے کہنا چاہا تو شاہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ "مکرو شرک پھیلنے والے عمل جنہیں کو گرفتار کیا گیا ہے۔ شیخ کی بیٹی اور بھائی بچے ہیں۔ اس کی بیوی لاپتہ ہے۔ جبکہ شیخ ہسپتال میں بے یار و مددگار پڑا ہوا ہے۔ اس کے لیے کیا حکم ہے؟"

"اللہ کی لاجی پڑی ہے آواز ہے۔" وہ آواز کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "تم دیکھنا کہ مقرر ہو وہ لاجی اس شرک و منکر کے سر پر زور سے رہے گی۔

شاہی کی خاموشی ہوئے تو غفران بولی چلا۔

"شاہی! کیا میں چاہتی صاحب سے مزید کچھ کہتا ہوں کہ تمنا ہوں؟" "اگر چاہتے ہو کہ تیار رہا شدہ وار تری کرے تو تمنا ہوں کہ تمنا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

دیکھ کر اس کی حالت کا اندازہ لگے نہ لگا۔

”بابائی کو روکو؟“ وہ نوجوان کو اندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”اندرا احمد پاؤ اور شیخہ رو رہے ہیں۔ روک لو بابائی کو، روک لو۔“ یہ کہہ کر وہ ایک بار کھڑکان میں ایسے بھاگنے لگا جیسے پتھر سے گازی کی آواز نہ لگائے کہ ہاتھوں سے خدائی گاڑی گورس دیتے ہیں۔ وہ بھی اس وقت ویسے ہی بھاگ رہا تھا۔ آئے دلا نوجوان اندر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بھی بابائی کے پیچھے ہی اندر کی طرف چل پڑا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ وہ فرار ہے بابائی کے آستانے کی طرف گئے تھے۔

دو دو دروازے میں کھڑا ہو کر عجیب و غریب انتظار دیکھنے لگا۔ بابائی ہو کر شاہ صاحب تھے۔ سید رشید حسین بھاری جتوئی بھی کسی نے روٹے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ وہ کمرے کے ایک کونے میں دو دو زانو بیٹھے ہوئے تھے اور چٹکیاں لے کر رو رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں کوئی جڑی بٹے وہ دھتے دھتے سے چوم بھی رہے تھے۔ نوجوان جو کہ ارسلان احمد عرف جانی تھا۔ وہ ہمت کر کے آگے بڑھ گیا۔ اس نے زندگی میں پہلی بار جرات کی۔ شاہ جی کے کندھے پر اپنا ہاتھ فرتی سے رکھ کر دیا۔ تو شاہ جی نے چونک کر دیکھ کر دیا تھا کہ وہ اب تک ارسلان احمد کی موجودگی کو نظر انداز کر چکے تھے۔ انہوں نے سرخ آنکھوں سے حذر اسے دیکھا۔ مگر وہ ان زورانی اور جھولی آنکھوں کی تاب نہ لاسکا۔ گھبرا کر آنکھیں جھکا کر بولا۔ ”آپ کیوں رو رہے ہیں شاہ جی؟“ جگر مرشد کو چٹکیاں لے کر دوتا دیکھ کر اس کا بھی دل بھرا آنا تھا۔ آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے تھے۔

انہوں نے کچھ کہنے کی بجائے۔ گونے میں جڑے ہوئے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔ تو ارسلان احمد نے کپڑے اٹھا کر رکھے۔ جو گھٹے ہو چکے تھے۔ گھران میں سے اٹھنے والی پہلی بھی خشیو نے گونے کو مہکا کر دکھا۔ کپڑوں میں گپا پگپا تھا۔ جانی نے کپڑوں کو سونگھا تو محسوس ہوا کہ اندر کی پوری دنیا یہاں مہلک آگئی ہو۔ پوری زندگی میں ایسا محسوس نہ ہوئے تھا۔

”یہ سب کیا اجڑا ہے شاہ جی سرکار؟“ وہ مضطربانہ لہجہ اختیار کر کے ہوئے تھا۔ اس بار بھی شاہ جی کچھ نہ بولے۔ بلکہ اپنی مٹی جو کہ بدلتی، ارسلان احمد کے آگے کر کے کھول دی۔ پتیلی پر ایک ننھا مسافہ سترہا چڑھ پڑا ہوا تھا جو گرم ہو گیا تھا۔ ارسلان نے سوچا کہ شاہ جی کے ہاتھوں کی گرمی کی وجہ سے تم ہو گیا ہوگا، لیکن شاہ جی کو پاؤں۔ ”ارسلان احمد؟“ وہ جی جان سے مرشد کی بات سننے کے لیے متوجہ ہو گیا۔ ”یہ کپڑے جو تم دیکھ رہے ہو اور یہ پتھر بھی جو کہ تم سے اور کپڑے سے گرم ہیں۔ یہ کسی عام پانی

افشاہ کیا۔ پتھر ہوئی آواز میں صرف ”تولا“ کی جگہ بابا تھا کہ سن ہو کر رہ گیا۔ دوسری طرف سے آئے والی آواز اس کو پاگل کر دینے کے لیے کافی تھی۔

”سوسر اسحق میں بول رہا ہوں۔ ثلثات سرکٹ کی وجہ سے جرات میں آگ لگ چکی ہے۔ سب تاجہ مل کر رکھ ہو گیا ہے سر اس میں آپ کو کافی دیر سے فون کر رہا ہوں۔ آگ پر قابو نہیں پایا جاسکتا۔ سب بکھرا رکھ ہو گیا ہے۔“ مضطرب خن اور دوسری بہت بکھرا ہوا تھا۔ مگر کٹ کی کچھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ رہیں پور چپک کر بیٹھنے لگا۔ بے ہتھم اور بلند آواز سے قہقہے لگنے لگا۔ خالی گولی کو کھورنے لگا۔ روٹے لگے بھی کبھی اونٹنی آواز میں بیٹھنے لگتا۔ کبھی اس قدر بے ہتھم روتا کہ گمان ہوتا کہ کوئی صراغ ہو گئی ہے۔ اس نے اپنے کرپان کو چاک کر لیا تھا۔ وہ بھی کے کان میں اور ہوا بھر بھانجے لگا۔ جیسے کسی انتہائی اور ان دھیمی چیز سے خوفزدہ ہو۔ ایک درخت کے پار یک دم سے پیچھے چپ کر بیٹھ گیا تھا اور خوفزدہ لگا ہوں سے اپنے ارد گرد دیکھنے لگا۔ اپنے ہاتھوں کو پوچھنے لگا۔ کبھی زمین پر لیٹ کر ماسی ہے آب کی طمران تر پنے لگتا۔

کوئی بھی اس کا پڑنا حال نہ تھا۔ کوئی اگر اس کو رو پتھی کی حالت دیکھتا تو وہ پناہ رو پنے دے دیتا، لیکن اس کی حالت پر ترس کھانے والا کوئی نہ تھا۔ اس پر دم کرنے والا کوئی نہ تھا۔ کیونکہ اس نے بھی کسی بھی پر دم نہ کیا تھا۔ کسی پر ترس نہ کیا تھا۔ بلکہ قہقروں کو دھکا دے تھا۔ وہ اپنی گولی میں ایک دایہ محسوس ہوا تھا۔ کبھی اونٹنی کی طمران ہاتھ پیچھے ہاندہ کر چلنے لگتا۔ کبھی سر پر اٹھی رکھ کر ایسے سوچنے لگتا ہے کہ جیسے کوئی بہت بڑا منکر ہو گئی دانش و رسوخ ہے۔ اس نے گینٹ ٹھٹھے کی آواز سن کر اپنے آپ کو ایسے سمیٹ لیا کہ جیسے کسی بڑی ہی آواز کے پیچھے اپنے آپ کو چھپا لیا ہو۔ اندر داخل ہونے والے کو وہ پہچان نہ سکا تھا۔ پہچان بھی کیسے اس کا دل و دماغ ہی کام کرنا چھوڑ گئے تھے۔

گولی میں داخل ہونے والے بزرگ کو وہ بغور دیکھ رہا تھا، لیکن اسے کہ جیسے انہوں نے اسے نہ دیکھا ہو۔ اس نے دیکھا کہ ان کے پیچھے ایک اور جوان بھی کسی داخل ہوا۔ جس نے کافی شرت اور خاک کی پیٹ بٹنی ہوئی تھی۔ وہ اس کی طرف ہی بڑھتا ہوا آ رہا تھا۔ جبکہ بزرگ اس کے کمر کی طرف بڑھ گئے تھے۔

نوجوان کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ گھبرا گیا لیکن جگہ اس کی طرف خود بڑھنے لگا۔ اس کی چال میں کھڑا بہت تھی۔ اس نے دیکھا کہ نوجوان کی آنکھوں میں جرات تھی۔ وہ غامض اس کی حالت پر حیران تھا۔ وہ دھتکے سے آکر کھڑا ہو گیا۔ شاہ اسے دیکھنے لگا اور وہ دھتکے کو

گھر میں اپنے خاندان میں اپنے دوستوں کے پاس۔ یہ اس معطر و مقدس جگہ کی جدائی برداشت نہیں کر پایا اور اللہ تعالیٰ کو اس چتر کا رد ان انسان کی نسبت زیادہ عزیز ہوا۔ اس واحد پروردگار نے اس منکر و شرک کی دنیا قتل و قتل کر دی ہے۔ یہ دیکھو ارسلان احمد اس کا سب جوشم ہو گیا ہے۔ ہر ایک چیز و یہاں تک کہ اس کا اپنا آپ بھی۔ اب یہ اپنے آپ کو کبھی نہیں پہچانتا۔ اس کے مزاج، دوست احباب و رشتہ دار سب ایک ایک کر کے اسے چھوڑ گئے ہیں۔ اب یہ لوگوں پر ہیکہ مانگتا پھرے گا۔ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ مگر شرک اور شرک کی بخشش نہیں کرے گا۔ اس کو ای طرح دنیا میں ذلیل کرے گا۔ "شاہی کا لہجہ ادنیٰ غری فقرہ ادا کرتے وقت ہر جوش ہو گیا تھا۔ ارسلان احمد مرشد کا جلال چرو و کچر خاموش ہو گیا تھا۔ بلکہ سرتا بالزور رو گیا تھا۔ اس نے یہ پوچھنے کی جرأت نہ کی کہ شاہی کو کیسے علم ہوا کہ یہ نورانی چتر شرک کے گھر کے اس کمرے میں موجود ہے۔ وہ بچہ کا حناٹو ہوا تھا۔ ہاشمو بھی تھا خودی اندازہ کر کے خاموش ہو گیا کہ یہ اسرار الہی ہیں ہر کسی پر نہیں کھلتے۔ جس نے عبادت و ریاضت سے اس سوئے رب کو راضی کیا ہو۔ تو وہ سوسنا بھی اس پر راضی ہو کر اپنے اسرار مختلف کر دیتا ہے بلکہ اپنے آپ کو افکار کو دیتا ہے۔ وہ اب شیخ حریات کو دیکھ رہے تھے۔ جس کی گاڑی سے گناہا ہڑول قم ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ بے سند ہو کر کان میں کر گیا تھا اور نئی طرح باپ رہا تھا۔

شاہی باہر کی طرف ہل چلا ہے۔ ارسلان احمد کو بھی ان کی تقلید کرنی پڑی۔

☆\*\*\*\*\*☆

فخران نے نیز دھوپ میں اوپر کی طرف مندر کے سورج کو دیکھنا چاہا مگر تھیں اس کی کرنوں کی تاب نہ لائیں۔ وہ اس وقت ایک ریختان میں تھے پاؤں چل رہا تھا۔ ابھی تک منزل کا دور دور تک نام و نشان نظر نہ آ رہا تھا۔ اس کے خلق میں پیاس کے باعث کانٹے چے ہوئے تھے۔ کوئی سایہ بھی نہ تھا۔ وہ گھرے غی والا تھا کہ دور تک لگا دوڑا نے پر استے ایسا لگا کہ جیسے بچہ لوگ کھانا کھا رہے ہوں۔ فخران کی ہموک پیاس جاگ اٹھی۔ وہ نیز نیز قدم اٹھانے لگا۔ مگر کانٹے چنے کے بعد اس نے غصوں کیا کہ وہ ان لوگوں کو دیکھ تو رہا ہے لیکن وہ پیاس آئے کی بجائے دوری دور کیوں ہوتے چارہ ہے ہیں۔ فخران انھیں زور زور سے آوازیں دیتے لگا۔ وہ بری طرح باپ رہا تھا مگر پیاس اور ہموک نے اس کا نہ حال کر رکھا تھا۔ سورج کی نیز گرمی بھی قبر بر سراری تھی۔ گھٹا کنک کے سورج آج اپنا قیام خداس و ایران و بیابان ریختان پر نکال کر دم لے گا۔ اپنا کچل اسے غصوں ہوا کہ اب وہ

سے تم نہیں ہوئے بلکہ اس نورانی چتر کے آئینہ ہیں۔" یہ کہہ کر شاہی تو خاموش ہو گئے۔ مگر ارسلان احمد حیرت و استعجاب میں مبتلا ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ آج تک سنا تھا کہ جو انسان سخت حجاز ہو کسی پر رحم نہ کیا جاتا ہو اسے کسی پر کسی نہ تھا ہوا لوگ اسے چرل کہتے ہیں۔ مگر آج وہ دیکھ رہا تھا کہ چتر بھی روئے ہیں۔ چتر کا گیلیا ہیں اور اس سے نکلنے والی حسل کر دینے والی خوشبو بھی وہ محسوس کر رہا تھا۔ ان بیزوں کو بھی دیکھ رہا تھا جو چتر کے رونے سے گیسے ہو گئے تھے۔

شاہی کے ہاتھوں میں آتے ہی چتر کا رونہ بند ہو گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ تنگ ہونا شروع ہو گیا تھا۔ شاہی چتر کے گاہر لٹو ارسلان احمد بھی ان کے پیچھے ہی باہر نکل آیا۔ انہوں نے دیکھا کہ شیخ حریات اپنا ہاتھ اندر کر اپنے ہی سر پر مار رہا تھا۔ شاہی کو دیکھ کر وہ جوتا پیٹک کر ان کی طرف آئے لگا۔ پاس آ کر اس نے فوجی جواڑوں کی طرح شاہی کو ٹپکٹ کیا اور اپنی ہاتھ کر لٹ کر اڑا ہوا گیا۔ مگر اس کا جسم ہوئے ہوئے کا پ رہا تھا۔ وہ ان کا لہجہ فوجی انداز اختیار کر رہے تھے تھا۔

"سر اتمام دشمن بکریے جیسے ہیں۔ ان کو قہر کر دیا گیا ہے۔ احمد ہاڈ اور غیہ کو کوشش کرنے کے لیے فوجیں بھیج دی گئی ہیں۔ سر۔" وہ سلیطہ مار کر اپنا ڈٹن ہوا اور لیٹ رامت کی سند سے آواز نکال کر ہوا اور پس لان میں جا گیا۔ اب وہ جہاز چلائے لگا تھا۔ کبھی وہ تانگہ چلائے لگتا۔ شاہی اور ارسلان احمد غور سے اس کی حرکات دیکھ رہے تھے۔

"اس شخص کو گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں ہے ارسلان احمد۔" شاہی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ عذاب الہی میں گرفتار ہو گیا ہے۔ اس نے منکر و شرک کی اختیار کر دی تھی۔ اب یہ سزا اس کی موت پر فتم ہو گی۔"

"مگر شاہی وہ اب کریم تو بڑا غفور و رحیم ہے۔" اس نے زور سے ڈرتے ڈرتے کہا۔ چاہے "بہ شک وہ بڑا صبر یار اور رحم والا ہے لیکن وہ شرک کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ واحد ہے۔ جس کی عبادت کی جاتی ہے وہ شرک سے پاک ہے۔ وہ وہ لڑا شرک ہے اور پھر اس نے غم کو ادا بھیجی کے بعد اس چتر کو قتل نور سے اس کے خاندان سے ملحد کر دیا۔ یہ اپنے خاندان کے ساتھ قتل کر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سلام پڑھتا تھا۔ اس شخص نے اسے اس جگہ سے ہٹا کر دیا جس جگہ پر محبوب خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہوئی تھی۔ قرآن کریم کی ابتدائی آیات نازل ہوئی تھیں۔ یہ ملک اس نے اپنی جان پر غم کیا ہے۔ یہ چتر وہاں کی جدائی میں دروہا ہے۔ یہ واپس وہیں جانا چاہتا ہے۔ اپنے

غفران نے پیچھے دیکھا تو حیرت سے اس کی زبان ٹپک ہو گئی۔ پیچھے تو وہ دھڑکی نہ تھا۔ وہ جب وہ مقام دوسرا اور ریحان و وحدت و وحش و دوحسب و گرم گرم بہت کا کھنکھانہ تھا۔ بلکہ ایک سرسبز و شاداب باغ تھا۔ جس میں درخت لہلہا رہے تھے اور ایک مسکین ترین راہدار سی پی ہوئی تھی جو پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی اور دو ٹک ٹکا دوڑا لے رہے اس نے غور سے دیکھا تو اس کا کمر ٹھنڈا رہا تھا۔ اچانک اس کے پاؤں کے چھانوں نے اسے احساس دلا دیا کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ اس نے اس پر غریب حضرت سے گتے لگے ہیں بنائیں تو حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔ تمام نورانی بزرگ غائب ہو گئے تھے۔ وہ حیرانگی اور پریشانی کے عالم میں انہیں آواز دینے لگا۔ مگر جواب نہ ملا!

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہی نظارہ اب اور بھی بھلا لگ رہا تھا۔ اس نے دوسری طرف دیکھا تو درگاہِ حضرت کی نظر آ رہا تھا، لیکن اس تک پہنچنے کے لیے درگاہِ ریحان تھا۔ یعنی گرم گرم بہت کا سمندر، جہاں معلوم کتاب طویل تھا۔ سورج کی عدالت میں ناقابلِ برداشت اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے گنبدِ حضرت کی طرف بڑھتے گا فیصلہ کر لیا۔ مگر ابھی ایک قدم ہی اٹھا یا تھا کہ پاؤں کے چھانے پہنچ جاتے کہ اسے آگے بڑھنے سے منع کرنے لگے۔ بلکہ اسے وہیں بیٹھنے پر مجبور کرنے لگے۔ لیکن گنبدِ حضرت کی ناقص و مسکین نظارہ واپسی طرف متوجہ کر رہا تھا۔

غفران نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور اللہ کو یاد کر کے ریحان میں سطر شروع کر دیا۔ اس کے پاؤں کے چھانوں نے اسے بہت اذیت دی۔ مگر وہ اللہ کے آسرے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ اقدس کی ماضی کے لیے چلتے چلا ہوا صحرائیں کو عبور کرنے لگا۔ وہ گنبدِ حضرت سے چند قدم کے فاصلے پر تھا کہ اس پر قدرتِ عاری ہو گئی۔ وہ روئے لگا۔ وہ ابھی اپنے آپ کو یاد رکھتا اور ابھی گنبدِ حضرت کی گواہی کے سامنے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھا۔

وہ بچکانے لے کر روئے لگا۔ اچانک اس کو ایسے محسوس ہوا کہ کوئی اسے مجبور کر رہا ہے۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو وہ اپنی چار پائی پر اپنے گھر میں پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ وہ رو رہا تھا۔ ہاں جی نے اسے مجبور کر چکا ہوا تھا۔ انہوں نے بیٹے کو سوتے میں رہا ہوا دیکھا تو پریشان ہو گئیں۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کا بیٹا کس مقام سے واپس آیا ہے۔ مصر بھی جانی ہی کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔

اس نے حیرت سے اپنے گھر کے دروازہ پر دیکھنے شروع کر دیے۔ وہ ہاں جی سے بولا۔ "گنبدِ حضرت کی کہاں گیا؟" اس کے اس سوال نے دونوں کو ہی سمجھا دیا تھا کہ غفران کوئی

نہ پاؤہ وہ نہیں چل سکے گا۔ کیونکہ گرم ریت نے پاؤں میں چھانے ڈال دیئے تھے۔ وہ روئے لگا۔ وہ اپنی اپنی آواز میں روئے لگا۔ گرمی اور پیسے سے اس کا نہ مال تھا۔ پاؤں کے چھانے اب پھلتا شروع ہو گئے تھے۔ گرم گرم ریت ان پر گھٹنے سے غفران کی سسکیاں نکل رہی تھیں۔ وہ بار بار گرجتا تھا، لیکن اس کی بار بار کی کوشش نے آخر کار اس کو کامیاب کر دیا تھا۔ اب وہ بیٹھنے ہوئے لوگ قریب آ رہے تھے۔ وہ ان کے پاس پہنچ کر ہانپتا ہوا گرجا رہا۔ وہ اوش ووحاش سے بیگانہ نہ ہو گیا تھا۔ اس کے منہ سے بس پانی کا قطرہ ہی نکل سکا۔ ان میں سے ایک بزرگ نے پانی کی چھانگی اس کے منہ سے لگائی۔ غفران نے خوب سیر ہو کر پانی پیاد اور اس سے پہلے بھی کبھی اس نے ایسا لطف اور شیرینی پانی نہ پیا تھا۔ وہ حیرت انگیز طور پر چاک و چوبند ہو گیا تھا۔ اب وہ ہارنی ہارنی تمام بزرگوں کے چروں کا دیدار کر رہا تھا۔ وہ تمام کے تمام اسے ایک جیسے ہی لگ رہے تھے۔ تمام کے چروں پر فوری نور لگ رہا تھا۔ تمام کے لباس سفید تھے اور سفید حقے شریف ان کی نورانیت کو مزید واضح کر رہے تھے۔ غفران حیرت کی تصویر بنا انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ غفران کو دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے اسے ایک سوچی روئی کا ٹکڑا دیا۔ وہ چپا لے لگا۔ وہ گناہِ غفلت تھا۔ مگر اس کے منہ میں جا کر وہ محسن سے بھی نرم ہو گیا۔ وہ ٹکڑا اٹھائے اور شیرینی میں اپنا آبی نہ رکھا تھا۔ ان میں سے ایک بزرگ نے اب بولے کہاں کے ارادے ہیں؟ غفران نے جواب دینے کی بجائے ان کا سوال کر دیا۔

"آپ کون ہیں؟ اور اس طرح دیر ان میں ڈیرہ لگا کر کیوں بیٹھتے ہوئے ہیں؟"

"یہ تمہارے لیے ویران ہے، لیکن ہماری منزل تو ہمارے سامنے ہے۔ وہ دیکھو۔"

ایک بزرگ نے ایک طرف کو اشارہ کیا۔ وہ غفران کی آنکھیں اس طرف اٹھیں اور نورانی جھٹک لگیں۔ وہ گنبدِ حضرت کی گواہی کے سامنے تھے۔ وہی نورانی روشنی کو برداشت نہ کر سکا تھا۔ دوسری بار بھی وہی ہوا۔ وہ لگاؤں جھٹکا کر روئے لگا۔ ایک بزرگ نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ "جس مقیم سے مقیم تر مقدس و معطر پیادے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاتی تم نے زمین سے اٹھا کر آگ میں بیٹھتے سے بچا کر اپنی جگہ پر رکھا تھا، اس مقیم ترین مقیم سے مقیم تر مقیم و مقیم دیا ہے کہ تم اس کے مقدس در کی زیارت کے لیے آؤ۔ اب تمہاری ہمت ہے کہ تم راستے سے واپس جاتے ہو یا پھر آگے اسی طرح کی گرمی اور نہرِ وحدت کا ریحان کو یاد کر کے اس مدنی کے در پر پہنچتے ہو۔ اپنے آگے پیچھے ابھی طرح دیکھو۔"

بہن و بھائی تھے۔ جو بے شکین اور ترچہ ہوئے دل کو قرار بخش سکنا تھا۔ وہ بہت دیر بعد میں جہاز ہا۔ اس کا وجود ہوا ہے کہ پانچ روپا آنکھوں نے خلیہ کے سامنے بندھن توڑ دیئے تھے۔ وہ دھلے ہوئے چہرے کے ساتھ جاہ نماز سے اٹھا اور اندر جا کر ماں کی کے پاس بیٹھ گیا۔ جو کہ نماز پڑھ کر آن کریم رکھ کر اس کی شکایت کر رہی تھیں۔

”ماں! ماں! وہ ماں جی سے مخاطب ہوا۔ ”مجھے قرآن کریم سنانا ہے۔“ اس کی آسکھیں بھر متورم ہو گئی تھیں۔

”مجھے بھرتو مصر پر حقیقی ہے۔ تم اس سے کیوں نہیں کہتے؟“ ماں جی نے ذرا خوشگوار موامد میں کہا۔ دو بیٹے کے چہرے پر حقیقی کے سامنے نہ کہ کچھ کئی تھیں۔ وہ جاہلی تھیں کہ فخران خوش رہے۔

”مجھے ان سے شرم آتی ہے۔“ اس نے جھپکے ہوئے کہا۔ ”وہ خود بھی تو سنا سکتی ہے۔“ معصوم اپنے ہونے والے شوہر پر قربان ہو گئی تھی۔ اس نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی۔

ملاور ان سب کو ہمارے سامنے حاضر کر دیا جائے گا اور ان کے لیے ایک نئی سی مردہ زمین ہے۔" عصمہ پہلے عربی میں ہنسی اور پھر اس کا ترجمہ سنائی گئی۔ غفلتاً خاموشی سے سن رہا تھا۔ عصمہ سورت نہیں کی آیات تلاوت کر رہی تھی۔

”ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غدا، جس کو اس سے کہا ہے تین اور ہم نے لاکے اس میں دفنات۔“ سمجھو اور انگوٹوں کے چار دیوے دیے اس میں جسے تاکہ کہائیں وہ اس کے پھلوں سے اور جسے تاکہ اسے اس کو ان کے پھلوں نے۔ کیا وہ ان فہماتوں پر کھڑے نہیں کرتے۔“ وہ خوشامی ہو گئی اور کچھ توقف کے بعد پھر کھادت کے بعد اس کا ترجمہ سنانے لگی۔

ابھی نہیں جانتے۔ ”وہ ایک فرائیڈر وارثا گرو کی طرح سن رہا تھا اور قرآنی الفاظ کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆ ★ ★ ☆

دو شاہ صاحب کی حوصلی پہنچا تو حاجی عبداللہ بھی وہاں موجود تھے۔ اس نے جا کر سلام کیا اور شاہ صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ دو ایسی بیٹیاں ہی تھا کہ ارسلان احمد بھی آپہنچا۔ دو بھائی اکٹھے ہو گئے تھے۔ ارسلان احمد کے ہاتھوں میں مٹھائی کی ٹوکری تھی۔ اس نے آتے ہی شاہ

خوبی کے خواب دیکھ کر میں رو رہا تھا۔ بلکہ گنبدِ حضرت پر حاضری دیتے ہوئے عقیدت و احترام سے رو رہا تھا۔

”بیٹا خواب تو خواب ہوتے ہیں۔“ ماں کی اس کی چار پائی پرچہ تھیں۔ ”جین  
اچھے سین خواب سے بھی ہوتے ہیں۔ تم یاد رکھ کر رہو تھے؟“ ماں کی نے اس کے بالوں  
میں اپنی انگلیوں سے کھینچی۔ تو اس کی آنکھیں ایک بار پھر نم ہو گئیں۔

وہاں ہی اور عصمہ کی طرف دیکھا ہوا اپنا تمام خواب، بن و بن بیان کرنے لگا۔  
عصمہ نے اس کے قدموں کی طرف آکر دیکھا تو حیرت سے اس کی چالی لکھ گئی۔  
اس کی آنکھوں میں نئے نئے موتی جھلکنا لگے۔ گے۔ ہاں ہی اور فطران نے حیرت سے اس

کی طرف دیکھا تو مصعب نے آگے بڑھ کر غفران کے پاؤں چوم لیے جن سے نون دس بانقا۔ چھالے پست چمکے تھے۔ غفران نے مصعب کو گھورت سے دیکھا جو اس کے پاؤں کو چوم رہی تھی اور دوہی رہی تھی۔ غفران کو یک دم ہوش آگیا۔ وہ اپنے پاؤں اکٹھے کر کے

خدا کر چاہے اور عرصہ کو طے سے بڑا۔ "کیوں مجھے گناہگار کرتی ہیں آپ۔ میرا مطلب ہے کہ آپ تو چار ہزار قرآن ہیں۔ مجھے گناہگار مت کریں۔ میں سب برداشت نہیں کر سکتا۔" وہی کہہ کر رونے لگا۔

ماں بچی بھولی پھیلا کر رب کریم کا شکر ادا کرنا شروع کر دیا۔

میرا اہل مقام مولا کرنا۔ میری اس جہولی میں میرے بیٹے کے لیے جنت کا اہل تقدیر الٰہی ہے۔

جی کو سلام کیا اور فردا فردا ان سے بھی ہاتھ ملا دیا۔ شاہی کی نوکری ایک طرف رکھ دی گئی تھی۔ وہ شاہی شاہ جی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جو خاموش تھے اور ان میں سے کسی کی بھی اپنی جرأت نہ تھی کہ وہ گفتگو میں داخل کرے۔ بالآخر شاہ جی نے سکوت کو توڑنے کے لیے خود ہی اب کھڑی کی۔

"فخران میاں! پاؤں میں تکلیف تو نہیں ہو رہی۔" یہ الفاظ سن کر فخران کے چہرے کو مائی مہدائے اور ارسلان احمد نے واضح محسوس کر لیا تھا۔ فخران کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ کہہ کئے کے لیے الفاظ تلاش کر رہا تھا لیکن ان کا جی کہہ سکا۔

"مجھے کھانا کھانے والے بزرگ کون تھے شاہ جی۔"

"اے کدے دوست۔" مختصر جواب نے فخران کی ہنسی باندھ دی تھی۔ ارسلان احمد اس کی بیٹھ جھپٹتا رہا تھا۔ حاجی مہدائے بھی اداس رہے تھے۔

"حاجی صاحب! " وہ حاجی مہدائے سے مخاطب ہوئے۔

"جی شاہ جی۔" حاجی مہدائے دل سے بولا۔

"کیا آپ کی طرف سے تمام انتظامات مکمل ہیں؟"

"جی سرکار! میری طرف سے کوئی دیر نہیں ہے۔ اب تو ارسلان احمد کی ہارپی ہے۔ وہ کتنی دیر میں کام نہ پتا ہے جی۔" حاجی مہدائے نے کہا تو شاہ جی نے ارسلان احمد کی طرف دیکھا۔

"آج ہی ان شاء اللہ سب کام ہو جائے گا۔" ارسلان احمد شاہ جی کے بولنے سے پہلے ہی بول پڑا۔ شاہ جی کے چہرے پر اطمینان کھیل گیا تھا۔ وہ بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شاہی کسی کا انتظار تھا اور بکرا انتظار بھی ختم ہو گیا۔ فخران کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ آنے والی عورتوں کو نہ دیکھ سکتا تھا۔

دونوں عورتوں نے اپنے آپ کو سیاہ چادروں میں اچھی طرح لپیٹ رکھا تھا۔ وہاں جی اور مصممہ تھیں۔ مصممہ نے تو باقاعدہ تھب کیا ہوا تھا۔ وہ دونوں ہی شاہ جی کو سلام کر کے حاجی مہدائے کے پیچھے ہی بیٹھ گئیں۔

"فخران میاں! " شاہ جی نے فخران کو مخاطب کیا۔ دوسرا اشارہ کر آنکھوں کو جھکا کر

کہا۔

"جی شاہ جی!"

"تیار ہو۔" شاہ جی نے ہونٹوں پر جسم کھاتے ہوئے کہا۔

"آپ کا حکم ہو تو فخران ہر جگہ جانے کے لیے تیار ہے۔"

"نہیں جاننا نہیں ہے۔ بلکہ سنت نہونی پوری کرتی ہے۔" شاہ جی اب بھی سسک رہے تھے۔

حاجی مہدائے اور ارسلان احمد جی اور بھروردین مصممہ بھی فخران کی حالت سے محسوس ہو رہے تھے۔ تمام پلان ارسلان احمد کا تھا۔ فخران کو ہی نہ بتایا گیا تھا۔ باقی تمام افراد کو معلوم تھا کہ فخران جی اور مصممہ کا نکاح ہوگا۔

"فخران میاں! آج تمہارا نکاح ہے۔ کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔" شاہ جی نے اس سے کہا تو وہ پہلی بار لگاؤ اور شادمانی کے جسم چہرے کو دیکھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے شرم سے سر جھکا لیا تھا۔

"کیا تمہیں مصممہ پسند ہے؟ میرا مطلب ہے کہ کیا تم اپنی زندگی میں اس لڑکی کو شامل کر کے شریک زندگی بنانا چاہتے ہو؟" شاہ جی نے کہا تو فخران کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ مصممہ کا بھی دل باہر آنے کو چھلنے لگا تھا۔

"آپ بہتر سمجھتے ہیں تو بہتری ہو گا جی۔" وہ سداوت مندی سے سر جھکا کر بولا۔

"تم کیا سمجھتے ہو؟"

"بہتری سمجھتا ہوں جی۔ وہ مجھے پسند ہے۔ مطلب ہے کہ اچھی لگتی ہے۔" وہ اپنی بی بی بات آسانی کی کہہ گیا تھا۔

"تو بھر وضو ہو گا تمہارا۔ میرے پیچھے پیچھے نہ جانا۔"

"جی شاہ جی۔"

شاہ صاحب نے نکلے پڑ جانے۔ بحر خطبہ دیا گیا۔ پھر ایجاب و قبول کر دیا گیا۔ فخران کو مصممہ کی موجودگی کا جب چھ چار قاب شاہ جی نے مصممہ سے فخران کے حلق ایجاب کر دیا تھا۔ وہ اس بات کو محسوس کر کے سرخ ہو گیا تھا کہ مصممہ نے اس کی پسند والی بات سن لی ہوگی اور مصممہ بھی خوش ہے۔ چوں کہ فخران بھی اسے پسند کرتا ہے۔

رخصتی کے وقت مصممہ کو مائی مہدائے نے پیار دیا اور کائی روپوں کی سلاخی بھی دی۔ وہ چائی کے گلاب کروڑنے لگی۔ اس کا بھی کوئی نہ تھا اور اس کا بھی۔ بس بڑی سرخی نے انہیں سین بھائی کے رشتے میں باندھ دیا تھا۔ چائی کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھیں۔ شاہ جی نے مصممہ کے سر پر پیار سے ہاتھ بکھرا اور بولے۔

"اللہ نے تمہارا عزت محفوظ رکھنے کے لیے تمہیں ایک محفوظ سہارا دے دیا ہے۔ بس

تک یہ پہنکا ہوا تھا، جسے اس کو بھونکنے والا آج اللہ کی راہ سے بہت دور نکل گیا ہے۔ یہ اللہ کے کرم سے سیدھے راستے پر چل پڑا ہے۔ ابھی ایک اور کام اس کے (لکھا گیا ہے) مگر تم اس کی خدمت کرنا ہی نہیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے بعد کسی کو کچھ دوا چاہے تو ارادہ بنا تو وہ بھی کا شہر کو کچھ دے گا۔ اللہ نہیں سدا خوش رکھے۔" شادی کی اپنی کوئی اولاد تھی۔ انہوں نے یہی اس طرح جاری کر لی تھی۔ اللہ پاک نے غفران کی صورت میں اچھا مریہ جو کہ چنا تھا اور مصممہ جو کہ نیک اور حاضر خزانہ میں تھی۔ وہ بیٹی بن کر اس چمکتے سے رخصت ہو رہی تھی۔ شادی نے سٹائی کی نوکری سے برنی کا کھڑا تھا کران دونوں کا منہ ملنا کر دیا اور انہیں گھر کی طرف رخصت کر دیا۔

باقی سٹائی محلہ میں ہائٹھ کے لیے اور سلطان احمد کو دے دی کر وہ نرہاں کے گھر پہنچا آئے۔ باں ہی بھی بہت خوش تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نیک سیرت اور خوبصورتی سے بھر پور راجگی پہنچائی تھی۔

☆=====☆

اور سلطان احمد کو بہت کام کرنے تھے۔ جن کا شادی اور حاتی مہدائ کو علم تھا۔ وہ کامیاب اور سرخرو ہونا چاہتا تھا۔ شادی نے پہلی مرتبہ اسے کام کہا تھا۔ وہ کام یہ تھا کہ کل تک غفران احمد کا سپاہی رہا تھا۔ حاتی مہدائ تمام اخراجات کر رہے تھے۔ غفران احمد کو اگلے محلے شہر کی اور اگلی کے لیے بھیج کر رہے تھے۔ وہ اس نورانی چتر کو اپنے ساتھ لے جا کر اس کے خاندان والوں میں پہنچو کر آئے۔ یہ غفران احمد کی ذہنی نہیں تھی، بلکہ رب تعالیٰ نے اس کام کے لیے چن لیا تھا اور یہ اس کے لیے اعزاز اور تہنیت گرشادی کی ذہنی تھی کہ اس بندے کو جلد اولاد رسول علیہ وسلم پر بھیجا جائے۔ اس کی حاضری کا بلاوا وہاں سے آیا تھا۔ جہاں تاجداروں کے تاجدار کا چکر کھٹکتے تھے۔ چھوٹی انڈیا کر بھیکے ہاتھ تھے۔ کر دھول چنی نہ چاہتے تھے۔ بس حاضری اور بار دے کی بات ہوتی ہے۔ یہ اعزاز فطرت خدا میں برکی کو حاصل نہ ہوتا تھا۔

غفران احمد کی سہاگن بن کر مصممہ جگہ عروسی میں بیٹھی تھی۔ وہ اپنی قسمت پر نازاں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت، الہاج اور شرم رکھ لی تھی۔ وہ بن باپ کی بیٹی اس خاتمہ حاشا سے میں بددلی ہو کر رہی کہ اسے چاہئے کیا بن جاتی۔ اسے آج خاندان کی طرح یاد آیا تھا۔ وہ اگر ہوتا تو کتنا خوش ہوتا۔ یہ خیال مصممہ کی آنکھوں کو بھونک گیا۔

لیکن خوشی اس بات کی بھی تھی کہ غفران احمد جیسا شوہر ملا تھا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے

برائیت اور نیک کارامت دکھایا تھا اور مصممہ اس کی شریک حیات بن گئی تھی۔ اس بات کو بھی اس نے اپنے من سے لے لیا تھا کہ غفران احمد کو پسند کرتا ہے۔

اس کی شادی بھی عجیب شادی تھی۔ ہندو، افغان، باموں، دھولک، گیت، بیکسیاں، تاج گانا، بھنگرا، لڈی، وغیرہ بیکو بھی نہ تھا۔ مگر جس عظیم ہستی کے گھر سے اس کی رخصتی ہوئی تھی۔ وہ قابل فخر بات تھی۔ سید گھرانے کے چشم و چراغ کا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔ دنیا کے کسی بھی محلے اور بکھیرے کی ضرورت نہ تھی۔ سب بیکو لیا تھا اور بھر غفران احمد کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں رؤیہ رسول علیہ وسلم کی زیارت سے جو فیض پائی عطا فرمائی تھی۔ وہ حقیقت بن کر غفران کے وجود پر چھا گئی تھی۔ وہ راز وہ کھلنے کی آواز نے اسے چمکایا تھا۔ اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو غفران احمد نے اسے سنا کر آیا۔ وہ بھی گھبراہٹ ہوئی تھی۔ یہ وہی غفران تھا۔ جسے روزِ امتحان سورج سے نماز کے لیے چمکایا کرتی تھی۔ قرآن کریم کی تلاوت سنایا کرتی تھی۔ جسے چمپ چمپ کر اوت سے دیکھا کرتی تھی۔ جسے کھانا پنا کرتی تھی۔ یہی خیر صریح اور بھی جزا ہے۔ ڈال کر شہر ت کیا کرتی تھی۔ مگر اس کی زبان سے بھی کوئی گھڑنگلا تھا۔

غفران احمد کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ ابھی تک دروازے میں بیٹھ کر اسونچ رہا تھا۔ وہ مصممہ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا اور بھر نظریں چمکاتا۔ یہ وہی مصممہ تھی۔ جسے پہلی ہی نظر میں دیکھنے کے بعد دل نے کہا تھا کہ غفران احمد ہونے ہو یہ تھا۔ راجہ جان سا بھی ہے۔ جسے دیکھ کر دل کی دھڑکیں تیز ہو جاتی تھیں۔ جسے دیکھنے کے لیے غفران احمد چمپ چمپ کر اس کے راستوں میں بیٹھا کرتا تھا۔ جس کی ایک سیرتی نے غفران بد معاش کو غفران احمد بنا دیا تھا۔ جس کی ایک جھلک نے ہی غفران جیسے چتر میں جل محبت کا ہوتا پڑ دیا تھا۔ وہ بوجہ محبت اور عشق کا پانی پانی کرکٹ چلی کا کتا اور درخت بن گیا تھا۔ اسے تو مصممہ کا شکر گزار ہونا چاہئے تھا کہ اس نے غفران احمد کو اپنی زندگی کا ساتھی بن لیا تھا۔

وہ بہت کر کے آئے بد حال اور مصممہ جو کہ چھوٹی موٹی ہو گئی تھی۔ اس کا ٹھوگھٹ افغان اور جبران رہ گیا۔ وہ مصممہ تو نہ گھڑ رہی تھی۔ کوئی نورنگ رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا انعام اس عورت کے روپ میں غفران احمد کو مل گیا تھا۔ وہ جیرا اور دواخو سے مصممہ کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے ہونٹ ہلے ہلے لڑ رہے تھے۔ وہ دواخو اور اپنی ہام ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ داتا تھا کہ کہیں اس کے لیے ہاتھ مصممہ کے خوبصورت و جود کو میلان نہ کر دیں۔ وہ اپنی تمام تر قوت کو اپنی جنت کر کے بولا۔



الٹ پلٹ کرنے لگا۔ بحرِ محبت اور مشق کی خوبت میں کھوکھرا۔ اس نے عصمر کا ہر راسخ اپنی آنکھوں سے جذ بہ کے دل کی لالچری میں پہلی اور آخری کتاب کو یک میں چھاپا تھا۔

☆=====☆

غفران کو شادی نے جگر پکڑا دیا تھا۔ ارسلان احمد نے دیکھا کہ وہ لٹھا سا جگر اب کافی بڑا لگا رہا تھا۔ وہ پہلے تو بچکانہ نہ پایا تھا کہ بچی جگر ہے۔ جو شادی ہی قلعِ عمر حیات کے گھر سے لائے تھے۔

پھر وہ بچکانہ جگر اب جگر آئل رسول کی چوکٹ پر اور بھر شادی کے ہاتھوں میں آنے کے بعد گھٹا بند ہو گیا تھا۔ اب وہ اپنے اہلِ عمل کی طرف مڑ رہا تھا۔

غفران احمد نے جگر کو برائی سے دیکھا۔ جگر شادی کی ہدایت سننے لگا۔

"اس جگر کو بھل رو مینی غارِ حرا کے اندر رکھ کر آنا۔" شادی نے کہا۔ تو ان کی آواز لڑکھاری تھی۔ وہ اس وقت انیر پورٹ پر کھڑے تھے۔ غفران احمد پچھلوں سے لہذا چندا کھڑا تھا۔ اس کا سر فخر سے اٹھا مگر گلابیں مرشد کے احرام میں بھیجی ہوئی تھیں۔ ارسلان احمد، ماں بی اور عصمر بھی ارسلان احمد کی بیپ میں سوار ہو کر غفران کو خدا حافظ کہنے آئے تھے۔ عصمر کی آنکھیں متورم تھیں۔ ماں بی کی متورم آنکھیں بھی بیٹے کے اعلیٰ مقصدوں پر خوش ہو کر متورم تھیں۔ غفران احمد اپنی قسمت پر نازاں تھا۔

"مرہو! اور انجیلی کے بعد اس جگر کو بھل نور پر نہ لے جاتا۔ جگہ جب مدینہ شریف جاؤ تو اس نورانی جگر کو اپنے ساتھ لے جاتا۔ اسے بھی گنبدِ عمری کا دیوار کروانا۔" شادی کی آواز بھرا گئی تھی۔ "میرے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدسوں کی طرف بیڑ کر میرا عاجز اندام نہ گنا۔ میری طرف سے درودِ شریف کی ایک کچھ پڑھ کر اس کا ثواب آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس اور ان کی آل کو بخشا۔ ہر قدم پر ہر لمحہ پرانی والدہ کے لیے دعا کرتا۔ اپنی بیوی کے لیے دعا کرتا۔ اپنے اس بھائی ارسلان احمد کے لیے دعا کرتا۔ اس جگر کو مسجدِ نبوی کے اندر چلے ہوئے آجب زم زم کے کوکروں میں سے پانی نکال کر قرض دے دیتا۔ یوں بھوکو کر ب کرم نے اس سے جان اور بے زبان جگر کے صدقے تہوارِ مبارک سفرِ قہار سے نصیبوں میں لکھا ہے۔" شادی کی آواز بھرا گئی تھی۔ ان سب نے دیکھا کہ شادی کی داڑھی آنکھوں سے تر ہو رہی تھی۔ وہ کچھ توقف کے بعد بولے۔

"غفران احمد! ہماری قہاری طاقاتِ شادیہ پارہ کبھی ہو چاند ہو۔" ان کا لہجہ جھپ

"میں آپ کا "مشور" ہوں گی کہ آپ نے میرا بچن ساجی بننے کے لیے مجھے چنا۔" اس کی آواز کا پیر جی جی، جس کا اس کا فخر و شہم ہونے سے پہلے عصمر اپنے حقیقہ کو نہ کر سکی۔ غفران احمد جی راگی سے اسے دیکھنے لگا۔ یک دم کمر اٹھیں کی جگہ سے منکب اڑا تھا۔ اس کی تھری قمی سے کمرے کا ماحول خوشگوار ہو گیا تھا۔ اس نے غفران کے ہاتھ کا لیے تو ایک ماحول سا کرت اس کے پاس سے وجود میں دوڑ گیا تھا۔ عصمر کی خوبصورت آواز آئی۔

"مشور نہیں بلکہ مشورہ دیتا ہے اور پھر آپ کا یہ احسان کیا کم ہے کہ مجھ پر اس گھر اس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے رحمت کی ہے اور آپ جیسا محبت کرنے والا ایک شوہر رہا ہے۔" "یہ میرا کوئی احسان نہیں ہے۔" وہ عصمر کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "یہ اللہ نے آپ کے سینے میں جو قرآن رکھا ہے اس کی ہی دولت ہے۔"

"دولت نہیں بدولت۔" عصمر نے اس کی عقل کو سداوار اور دوسرے لگا اور بولا۔ "مصلحت تو ایک ہی ہوتا ہے نا۔"

"مصلحت نہیں۔ مطلب۔" وہ سکرار کر شوہر کی معصومیت پر قربان ہو رہی تھی۔

"میری عقلیں کب سدا عریس کی؟"

"کبھی کبھی نہیں۔ کیونکہ ان میں جو معصومیت ہے وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔" وہ ادا سے بولی۔

"زندگی میں کبھی غصہ ہو جاؤں تو اؤس ہی معافی چاہتا ہوں گی۔"

"میں ایسا موقع ہی نہ دوں گی کہ آپ کو غصہ آئے اور اؤس نہیں ہوتا۔" لہجہ اؤس ہوتا ہے۔

"نہیں جی! ان چہ چہ ہوئے۔"

"میں آپ کو کھٹاؤں گی۔" وہ اپنا سر اس کی گود میں دیکھی ہوئی بولی۔ "میں چڑھاؤں گی۔ آپ کو۔"

"تھک ہے میں اس حسن کی کتاب کو دل کھول کر پڑھنا چاہتا ہوں۔" اس کے لہجہ میں غمناکی آتی تھی۔

"اس کتاب کا ہر مصرعہ برواقِ آپ کی محبت اور گن کا طلبگار ہے۔" اس کے لہجے میں غور و سیرا تھی۔ غفران انجان نہ تھا اور ان حسین لحاظ کو گھٹانا نہ چاہتا تھا۔

عصمر اس کے سامنے خوبصورت کتاب کی مانند کھلی ہوئی تھی۔ وہ اس کے حسین درق

ہاں جس پر ہمارا۔

”تھوڑے افسانے کا بدل نہیں چکا سکا۔ پیارے آقا کے حضور میرے لیے دعا کرنا کہ میں اس قابل ہو سکوں کہ اس عظیم خاندان کا احسان اتار سکوں۔“  
 ”جو تم نے مجھے دیا ہے۔ میں اس کا بھی بدل نہیں اتار سکتا۔“ غفران نے کہا تو ارسلان احمد نے استقبال نظر دے اس کی طرف دیکھا تو غفران نے کہا۔  
 ”میرا پہل ہے معصوم۔“ وہ دونوں ہنس پڑے۔

اسلام ہونے پر غفران احمد انیس پورٹ کی اندرونی قمارت کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں سے جہاز سے چار مقدس کی طرف لے جانے والا تھا۔

وہ سب کے سب انیس پورٹ سے واپس گھر کی طرف چل پڑے۔ ابھی کچھ دور ہی آئے تھے کہ کچھ لوگوں کو جمع دیکھا۔ سڑک کے دوسرے کنارے پر ایک کارکنز کی جی اور بہت سے لوگ جمع تھے۔ یوں لگتا تھا کہ کوئی ایک ہی صف ہو گیا ہے۔ ارسلان احمد جو کہ سادہ لباس میں تھا اور اس وقت ڈیوٹی پر بھی تھا۔ ایک سائڈ سے ہو کر گزرنے لگا۔ مگر شاہابی نے اسے کہا کہ گاڑی روک کر کچھ کرے کہ کوئی زیادہ نقصان تو نہیں ہوا۔ یا پھر کوئی شکا سا چروہ مصیبت میں مبتلا نہ ہو۔

ارسلان احمد گنج کو بچتا ہوا مطلوبہ جگہ پر پہنچا تو حیران رہ گیا۔ سڑک پر حالہ بیگم کی خون میں لٹ پست لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس نے فوراً دیکھا تو وہ بھی گھبرا گیا کہ وہ خون ہوئے ہیں اس نے واپس پر شاہابی کو بتایا تو اس جی اور معصوم کا ٹوکہ ہاتھ لگے گئیں۔

ارسلان احمد تانے لگا کہ لوگ مرنے والی کے ہارے میں کبہ رہے تھے کہ وہ فقیرنی قبی۔ سڑک کراس کر کے گلی کا گاڑی کو کچھ پر چکر مار کر گر پڑی۔ مگر گاڑی سر پر پہنچ چکی تھی۔ اس کی حیرت رازی کی وجہ سے گاڑی اس فقیرنی کو کھینچتی ہوئی گزرنی لگی۔  
 ارسلان احمد نے جاتے ہوئے جیب آگے بڑھا دی۔

☆ ===== ☆

جدہ انیس پورٹ کی رنگین روشنیوں کو کچھ غفران حیران رہ گیا تھا۔ آگاہی علاقہ حیرت روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ وہ بھی دوسرے لوگوں کی تکلیف کرتا ہوا ایسی قطار میں کھڑا ہو گیا۔ انیس پورٹ کی گزرتا دے کے بعد وہ باہر ہی لگا تھا کہ دوسری مردوں نے اس کے ہاتھ سے پتہ پتہ پکڑ لیا۔ وہ کی ٹیلی نائی ٹھنک کو آواز میں دینے لگے۔ پتہ چلا کہ غفران اس کی کمیٹی سے تحت پانچ کے تحت فرو کرنے آیا تھا۔ ٹیلی نائی ٹھنک سے تو کچھ شخص نے ایک لہجہ پڑنا

سادہ لے ہوئے تھا۔ ”پیارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا سلام ضرور کر دیجئے۔“

انہوں نے دوسری طرف منہ پھیر لیا تھا۔ ہاں جی نے غفران کو گنگے لگا کر اس کا ماتھا چومنا ارسلان احمد نے اسے گنگے لگا کر اس کے گال پر بوسہ دیا۔ سر شہرہ کرنے لگے گنگے لگا کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ سب معصوم کی طرف حوا آتے آتے وہاں شروع کر دیا تھا۔ آگھوں کی زبان نے انصاف کے لیے تمکین پائی کا سہارا لے لیا تھا۔ انہوں نے ان دونوں کو جی چھوڑ دیا اور خود ایک طرف چا کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ارسلان احمد مرشد کے احترام میں کھڑا رہ گیا۔ جبکہ ماں کی شاہابی کی کچلی کرسی پر بیٹھ گئی تھیں۔  
 ”آپ فکر نہ کریں۔ شاہابی کی دعا میں آپ کے ساتھ ہیں۔“ معصوم نے شہرہ کو تسلی دی۔

”مجھے بہت درگم رہا ہے۔“ وہ کھڑا ہوا بولا۔ ”گنا ہے جیسے میں کچھ خودوں گا۔ میری کوئی جی نہیں ہے۔“ گنا کی کوئی کیا کروں گا مہی؟“

”آپ کی جی چیز اللہ اور اس کے رسول کی حفظ و پناہ میں ہے اور وہاں سے کسی کی مجال نہیں کہ اسے چراتھے۔ میرے لیے سرکار وہ عالم آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے در پر حاضری کی دعا کرتا۔“ معصوم نے روتے ہوئے شہرہ کو اللہ اور آقا تو وہ واپس ماں جی کی طرف آیا۔ ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ اپنا سر ان کے قدموں پر رکھ کر کہنے لگا۔ اس کے آتھوں سے ماں جی کے پاؤں تر ہو گئے تھے۔ انہوں نے غفران کو قدموں سے اٹھایا اور ماتھے پر بوسہ دیا۔

”مجھے میں نے انشا اور اس کے رسول کے حوالے کیا۔ فی امان اللہ۔“  
 ”مجھے معاف کر دینا جی۔ میں نے آپ کو بہت دکھ دیئے ہیں۔“ یہ کہہ کر اس نے ماں جی کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ انہوں نے اسے ہاتھوں سے پکڑ کر سینے سے لگا پکارا۔  
 بیٹھانی پر بوسوں کی بارش کر دی۔

”میں نے تمہیں معاف کیا۔ میرے بچے۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔“ غفران اصحاب شاہابی کی طرف حوا۔ انہوں غم فرمایا اور پیار سے اس کے کندھے پر چھٹی دی۔ پھر ارسلان احمد کے بڑھادار سے گنگے لگا کر بولا۔

”غفران بھائی آ۔“  
 ”بول جانی پاؤشا۔“ غفران نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا تو جانی کے لبوں پر درد

بھرتا تے گئے کہ "اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں ہونے حرم شریف کے پاس ہی مل گیا ہے۔ ورنہ بہت پہل چنانچہ تھے۔" وہ ان کی طرف بھی دیکھ رہے تھے۔ غفران کی آنکھوں نے تو برسات کی ہنسی لگا دی تھی۔ اس کی دلی کیفیت کا اندازہ نہ ہو پار تھا۔ وہ مضطرب اور بے چین تھا۔ حاجی رمضان کی آواز نے انہیں ایک بار پھر اپنی طرف متوجہ کیا۔ "یہ سامنے جو بڑا دروازہ ہے اس کا نام "باب الخ" ہے۔ یاد رکھنا ہم نے اسی دروازہ سے اندر جانا اور آنا ہے اور اسی راستہ سے واپس ہونے پڑے گا۔" وہ چلتے چلتے باب الخ کے پاس پہنچ گئے تھے۔ غفران امجدان چاروں کے پیچھے نکلی گیا تھا جو اس نے بھی کیلنڈروں اور تصاویر میں ہی دیکھے تھے۔

وہ ان چاروں سے نکلنے والی روشنی کو حقیقت میں دیکھ رہا تھا جو دروازے سے نفی دین میں اذان کے دوران دیکھی تھی۔ رات کا تقریباً تین کا وقت ہو گا۔ مگر ہر طرف سفید روشنی ہے ہر چیز کو سفیدی میں ڈھکی ہوئی۔ آٹا تو تھا کہ چوہر جی اعلیٰ اعلیٰ اور کھلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ چاروں کی چوہر اور بہت بڑی بنیادی اینٹوں کو چومنے لگا۔ اس کے طبیب کے سارے بھین من مٹ گئے تھے۔ سرفراز بھی اس کی طرح ایک سپر سادہ دستانہ جہان تھا۔ مگر وہ بڑھا کھٹا تھا۔ وہ بھی فرط جذبات سے اپنی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں کو نہ روک سکا تھا۔ وہ واقعی ان چیزوں کو تصاویر میں ہی دیکھا کرتے تھے۔ حاجی محمد رمضان نے انہیں دل کو ملی کر دئے وہاں۔ وہ جاتا اور کہتا تھا کہ پہلی مرتبہ آنے والے مسلمان کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ وہ بھی اس دور سے گزرا تھا۔

جب وہ ابھی طرح روکتے تو حاجی نے انہیں اپنے پیچھے پیچھے آکر کہا اور لگا نہیں بچی دیکھو کہ وہ بار بار دہریہ جیسا اتر کر نازنا کہہ کر حد میں داخل ہو گئے تھے۔ قدموں میں سبکبوسہ مگر کافر تھا۔ جس پر لگاؤ بھلی چارہ تھی۔ مسلمانانِ اقوام آ جا رہے تھے۔ دور دوری ہوئی آنکھوں سے کانیں دہریہ پڑے۔ بھری جیسا آئیں۔ مگر حاجی محمد رمضان نے روک کر ان کی طرف دیکھا۔ اور انہیں کہا۔ "اپنے دل میں جو بھی دعا دعا ہے۔ یاد کو باہر لے آؤ۔ نہ ان سے ادا کر کے نہ وقت آ گیا ہے۔ اب لگاؤ اٹھا کر اس مقدس دروازہ کو دیکھو۔ جسے قطیف اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مٹی اور گارے سے بنا دیا تھا۔" انہوں نے محسوس کیا تھا کہ حاجی محمد رمضان کی آواز میں بھرا کئی تھی۔ ان کی نگاہیں انہیں۔ مگر یہ کیا؟؟ کسی نے نورانی نور کی ہلکی ہلکی کرن کی آنکھوں میں چمکائی تھی۔ انہیں نور خدا کی جلی کی طرح کھلی کی کھلی روک تھی۔

ہوا تھا جو کہ اس کے گھٹوں تک تھا۔ اس نے گھڑی کی طرف نگاہ دوڑائی تو حیران رہ گیا۔ اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔ مگر اس کی گھڑی پر بندھی گھڑی تین بج رہی تھی۔ قطیف امجدان نے اس کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے شستہ اردو میں بتایا کہ اس جگہ کا وقت پاکستان کے وقت سے دو گھنٹے پیچھے ہے۔ لہذا اپنا وقت یعنی گھڑی درست کرلو۔ غفران کو ایک گاڑی میں بٹھا دیا تھا۔ اس کی طرح دوسرے مسافر بھی احرام کی حالت میں تھے۔ گاڑی انہیں جدو آخر چرٹ سے لے کر کھنکھنہ کی طرف چل پڑی۔ رات کے ایک بجے کبھی سڑکیں اچھوڑ کر چلی ہوئی تھیں۔ غفران کو بڑھ کھنکھنہ کرنے کے کا احساس ہی نہ ہوا تھا۔ وہ مکہ کے ایک بڑے ہوٹل میں پہنچ گیا تھا۔ اس کا ایک سفری جیک اس کے پاس تھا۔ اسے جس کمرے میں بٹھرایا گیا تھا۔ اس میں ایک بزرگ اور اسی کی طرح ایک نو جوان بھی تھا۔ تین بڑے بڑے شعلے یہ کمرے لائٹنگ تھا۔ بزرگوار نے ان دونوں کا تعارف چمچا۔ نو جوان نے اپنا نام سرفراز بتایا۔ اس نے بھی اپنا نام غفران بتا دیا تھا۔ جبکہ بزرگوار نے اپنا تعارف حاجی محمد رمضان کے طور پر کر دیا۔ جو کہ پہلی گھنٹہ میں سہاگت اور دوسرے چرمہ کی سہاگت حاصل کر چکے تھے۔ ان کی نسبت دونوں نو جوان ہی پہلی مرتبہ آئے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حاجی محمد رمضان کی صورت میں ان کی رہنمائی فرما کر عمرہ کی ادا بھی لہجہ آسان بنا دی تھی۔

حاجی محمد رمضان نے انہیں وضو کرنے کا کہا اور خود بھی وضو کیا۔ انہیں نے کر حرم شریف کی طرف چل پڑے۔ راستے میں تاتے جا رہے تھے۔

"جب حرم شریف کی حدود یعنی برآمدوں میں داخل ہوں۔ تو اپنی پہلی نگاہ کو بھرا کر رکھنا یعنی کہ پہلی نگاہ جب خانہ کعبہ پر پڑے تو آنکھ جیسے بغیر جو بھی آڑو کرو گے، جو بھی دعا مانگو گے وہ پوری ہوگی۔" وہ باتیں کرتے ہوئے ایک بازار سے گزرا کہ بڑے جیسا اتر کر لپچے آئے غفران کے قدم من من کے ہو گئے تھے۔ دوسرے بازار کو رد کیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر جم کر کھڑا ہو گیا۔ جبکہ سرفراز کی بھی یہی حالت تھی۔ حاجی محمد رمضان نے ان کی کیفیت بھانپ لی۔ وہ مسکراتے ہوئے ان کی طرف بڑھے اور ان کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔

"ابھی تو ان چاروں کو ہی دیکھا ہے۔ جب ان کے پاس ان کے لیے پہنچے میرے بچہ کی حالت ہوگی۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ اللہ تعالیٰ کی جلی اور نورانی نگاہ دیکھنے کے لیے تمہیں اپنے بچہ کو اٹھانے ہی پڑیں گے۔" حاجی محمد رمضان کی باتوں نے ان کو سہارا دیا۔ وہ بے جان قدموں سے حرم شریف کی حدود کی سڑکیں اتر رہے تھے۔ حاجی صاحب



گیا تھا۔ اس نے اپنی جتنی خوراک تیار کی، اس کے جسم سے بے نیاز چھوڑ دیا۔ اس کے سر کے بال جڑک بھی گئے اور بالے گئے۔ تھا تھا کہ کھڑے ہو گئے ہیں، اس کا وجود کا پتہ نہ لگا۔ اس کے ہوت اور دھڑکن پڑھنے پڑھنے لگے۔ متحرک ہوتوں سے کراہتی اور غشی سے کاہلی آنکھوں کے ساتھ وہ سامنے مسجد نبوی کے ان عمارتوں کو دیکھ رہا تھا جو کمرات کے درمیانی پیر میں اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہے تھے۔ اپنی دور سے وہ عمارت دیکھ کر اسے درختان والا خواب یاد آ گیا تھا۔ وہ گنبد حضرت کی کوشش کرنے لگا مگر گاڑی نے ایک سوڑا کا تو پیرا بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ حاجی رمضان نے اس کی تکلیف بھانپتے ہوئے اسے زم زم سے بھری ہوئی پوسٹ پیش کی۔ غفران اسے کھولتے کھولتے پہننے لگا اور دروازہ کھلی ہوئے والی آنکھوں کے لیے زم زم کی صورت میں دوبارہ پتھر لہرے لگا تھا۔ گاڑی میں پیر میں پہنچ گئی تھی۔ ایک وسیع و عریض پارکنگ میں گاڑی رکی۔ مسافر اپنا اپنا سامان اُتارنے لگے۔ یہ بوش کی عمارت مکہ کے بوش سے بھی بلند تھی۔ کمرے میں پہنچ کر انہوں نے وضو کیا اور سبز کپد کھینے کے لیے تیار ہوئے۔ حاجی محمد رمضان انہیں لے کر چل پڑے۔ کوئی سات آٹھ منٹ کے فاصلے پر بہت اچھا کعبہ شریف شروع ہو گیا تھا۔ چلتے چلتے ایک چمک چمک رہی تھی۔ وہ دونوں بھی رک گئے۔ حاجی صاحب نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ وہ قبرستان ہے جہاں اہل بیت اور اذن و انوار مطہرات کی قبریں ہیں۔“ وہ توقف کر کے پھر بولے۔ ”میرے بچے! اپنے دل کو سننا۔ لو۔ دھڑکنوں کو بھرو۔ ہر کمرے اب وہ نظارہ سامنے آ رہا ہے جو تم نے کبھی بھی نہ دیکھا ہو گا۔“ یہ کہہ کر وہ ایک طرف مڑ گئے۔ دونوں نے ان کی پیروی کی۔ مگر سامنے مڑتے ہی دونوں کی دھڑکنیں اس قدر تیز ہو گئیں کہ لگتا تھا دل باہر آ جائے گا۔ سامنے ہی وہ نظارہ تھا۔ جو بھی خرابیوں میں آتا ہوں میں سوالوں میں جوابوں میں۔ قہقروں میں ٹہلی وچن پڑ چکا تھا۔ حجاب حقیقت بن کر سامنے آ گیا تھا۔ اپنے گھر سے قدموں کی طرف دیکھنے کی بہت سی دوری تھی۔ آسٹوئس کا کوئی حساب نہ تھا۔ گالوں پر کھیر بن گئی تھی۔ سر اُبل رہا تھا۔ حجاب سے جھک گئے تھے۔ دھڑکنیں اور دھڑکن کا درد کرنے لگی تھیں۔ آگے قدم اٹھانا وہ بھر ہو گیا تھا۔ رات کے آخری پیر میں وہ نور، وہ چہل، وہ درویش کا مصلوب، نور کا سیلاب برداشت نہ کر سکے تھے۔ وقت ختم ہوتا۔ گھر پر خواہش ہی تھی۔ تیرہ کی اذان نے دل میں تپ پیدا کر دی۔ اپنے بوجھ قدموں کو نئے جوتے کے ساتھ اٹھایا گیا۔ جا کر گنبد حضرت کے پہنچے کھڑے ہو کر باپ جبرئیل کا نظارہ کیا گیا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی طرف سے اندر داخل ہو کر سبیری

جامعت ادا کر کے غفران احمد کا سر لہرا اور اعلیٰ تھکر سے بلند ہو گیا تھا۔ اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اس جی، مصر، اور سلمان احمد اور اس کے محسن حاجی عبداللہ شاہی کے ساتھ کھڑے ہوئے غفران احمد کی آنکھوں کے سامنے آنکھ سے ہوئے غفران کی ایک ایک بات داک اک ادا، اک داک حرکت سامنے آئے گی۔

دعا کا طویل سلسلہ جاری تھا۔ غفران احمد رب ذوالجلال کے گھر کے سامنے اس کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ آنکھوں کو کھلی کر رب ذوالجلال کی شان کا اندازہ کرنا چاہتا تو آنکھ کھلی مانتی پلٹ کر نہ کام لوٹ آتی تھی۔

پھر اس نے غیب متحرک دیکھا۔ اس کے سر پر خاند کعبہ سے تھوڑی بلندی پر سیاہ رنگ کے پھر سے پھر سے پتہ سے پہنچا۔ وہ تیرا گئی سے انہیں دیکھنے لگا۔ ”یہ کیا ہوتا ہے۔ اللہ کی فوج ہے جس نے اچھی وادوں پر سنگریاں برساتی ہیں اور انہیں ایسا کر دیا ہے جیسے کہ کہا ہوا ہے۔“ یہ حاجی رمضان کی آواز تھی جو اس کے پیچھے ہی سرگرا کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

”ان کی کچھ بات متو غفران۔ یہ بھی رب ذوالجلال کی حمد و ثناء بیان کر رہی ہیں۔“ اس نے تیرا گئی سے ان پر غصہ کی طرف دیکھا۔ پھر حاجی کی آواز پر متوجہ ہو گیا۔ ”اس جگہ کا اچھا اس وحدہ لا شریک کی تسبیح کرتا ہے۔ یہی ہے خدا جس کو سجدہ واجب ہے۔ جس کی عبادت میں کوئی شریک نہیں تھا۔ یہاں اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔“ حاجی نے انہیں بولیں۔ مگر کچھ دیر آرام کرنے کا کہا اور احرام بھی اتارنے کا کہا۔ اب وہ غلو افریقش مابین سکتے تھے اب اپنی عبادت شلو افریقش میں ہی کر رہی تھی۔ لہذا وہ بوش آگئے۔ غفران نے کپڑے بدلے اور اپنے بیگ میں سے چکر کو نکال کر دیکھا اور اسے چمکے۔ اس نورانی چکر کی بدولت ہی وہ آج یہاں تک پہنچ سکا تھا۔ مرشد کا حکم تھا اور اللہ کی رحمت تھی اور پھر نہی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا تھا۔

دونوں مکہ مکرمہ میں گزارنے کے بعد ان کا مدینہ کی طرف سفر شروع ہو گیا تھا۔ حاجی محمد رمضان نہ تو دور عمر کی ادا پہنچ اور فرائض وغیرہ کا شاید ٹھیک طریقہ سے ادا نہ کر سکتے۔ خاند خدا میں حاجی محمد رمضان نے ہر جگہ ان کی رہنمائی کی تھی۔ اب گاڑی انہیں مدینہ کے پہنچ گئی تھی۔ رات کا وقت تھا اور ان کا مدینہ شہر سے دوری تھی کہ فرزند بیت پر بیٹھے ہوئے غفران احمد کو حاجی محمد رمضان نے اپنی اچھی کے اشارے کی سیدھ میں دیکھنے کے لیے کہا۔ غفران نے پہنچی ہوئی گاڑی کی سکرین کے پار سامنے لگا دوڑائی تو وہ سانس لینا بھول

ہارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

غفران احمد نے پہاڑ پر چڑھتے ہوئے اسے پیپ سے نکال کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور اسے بوسے لگا۔ حاجی محمد رمضان جو کہ نیچے ہی بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اب دو گھنٹے کوئی بلدی پر چڑھنے سے معذور ہیں۔ سرفراز بھی نیچے ہی رک گیا تھا۔ غفران ہاتھ کا تھکا ہوا اہل نور پر پہنچا۔ اس نے مارے چاروں کو چوڑا شروع کر دیا تھا۔ نورانی بھی اسے دل کی گھبراہٹوں سے غواں آہ یہ کہہ رہے تھے۔ اس نے نورانی کو ایک جگہ پر مار میں رکھ دیا۔ نورانی اپنے اصلی جہم میں واپس آ گیا تھا۔ تمام نورانیوں میں غوثی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ ان کا کھرا بھل ہو گیا تھا۔ ان کے افراد پورے ہو گئے تھے۔ ان کی دعا میں رنگ لے آئی تھیں۔ انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امتی کو سلام کیا۔ غفران کی آنکھیں چمک پڑیں۔ انہوں نے آخر سے اس امتی کو دیکھا اور رشک کیا۔ اس نے مار میں دو رکعت نماز مکمل ادا کی۔ ایک طرف ہاتھ سے پر ایک بازو بٹھکے ہوئے تھے۔ غفران نے سلام پکیر کر ان کی طرف دیکھا تو ان کا جھکا ہوا چہرہ دیکھ کر غفران کی کھٹکی بندھ گئی۔ وہ صرف اتنا ہی کہہ پڑا۔

”اعطیل بھائی آپ؟“

اعطیل نے سگراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”ہاں میری سیکل پر ڈیوٹی ہے۔ مرشد سر کا بھی ابھی ایسیاں سے گئے ہیں۔ تمہارے کچھ بچے انہوں نے گھٹے تادیبا تھا۔“

”مرشد سر کا؟“ غفران کے کچھ میں حیرت کا عنصر نمایاں تھا۔

”ہاں اب وہ جہیں وہاں نہیں گئے۔ اس دنیا سے ان کا رابطہ ختم ہو گیا ہے۔“ اعطیل نے بھراؤنی آواز میں کہا تو غفران کا ذرا اس کا گمان باہر آ گیا۔ اس نے آتے ہوئے عصمہ سے کہا تھا کہ اسے ڈر لگتا ہے کہ اس کی جتنی ترن جین نہ ”گموا“ جائے۔ وہی ہوا تھا۔ انکھیں ایک بار پھر اٹھار ہو گئی تھیں۔ اعطیل نے اسے اس کا سا بڑا۔

”ان کی جتنی ڈیوٹی تھی۔ وہ دے دیئے، تم واپس جا کر میرا بوسہ بھاری چمکت پر اپنے ہونٹ رکھ کر دینا۔ وہ میرا مرشد تھا نہ۔ میں اب وہاں نہیں جا سکتا۔ مگر اپنا سلام تو بھیج سکتا ہوں۔“ اعطیل کی آواز میں ذیبت تھی۔ ”اب ان چاروں کو کوئی بھی یہاں سے جدا نہیں کر سکتا۔ میری یہ ڈیوٹی ہے۔ غفران احمد امیری ماں اور عصمہ سب کو سلام کہنا اور شادی کی مبارک بھی دینا۔“ یہ کہہ کر اعطیل نے دوبارہ بائیں سر جھکا لیا۔ گویا اب وہ کوئی بات نہ کرے گا۔

جانیوں کا دیار کیا گیا۔ اتفاقاً نہیں، دعا نہیں، حسرتیں بھی کچھ ان آنکھوں کے سامنے آنسو بن کر بہ گیا تھا۔ غواہتیں تو پ کر چکیں کر آنسوؤں کی صورت میں آتے تھے دو جہاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو رہی تھیں۔ یقیناً یہ نگار سے کعب میں بھی نہ دیکھے تھے۔

وقت گھر صاحب نے خواہصورت فرشتہ کو یہ خواہصورت کر دیا تھا۔ تیز اور چمکتی دھوپ جب مکہ عسکری پر پڑتی تو مکہ عسکری کا سایہ سایہ سب سر پر پڑتا تھا تو آنکھوں میں اتنی تاب تھی کہ اس فرشتہ کا نگار وہ سنکتیں۔ جس پر مکہ عسکری کا سایہ پڑتا تھا۔ دل کو پارہو کر کے راست دان کے نگاروں سے لطف اندوز ہو کر غفران احمد نے گڑے کا پچھوہ جو کے ساتھ چاروں خواہصورت آتے تھے دو جہاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پارگاہ میں مجروح انکسار سے بیٹھ گئے۔ رنگ یہ وہ چمکتی یہ وہ مقام تھا کہ آرزو دل میں ابھی جگ رہی ہوئی ہے کہ وہ دولت کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔

مرشد سر کا کا حکم یاد آیا تو سر کا کے قدموں میں بیٹھ کر درود شریف کی تسبیح کی۔ ماں جی عصمہ اور ارسلان احمد کا سلام پیش کیا۔ ان کے لیے دعا نہیں کیں۔ وہ بار بار مکہ عسکری کو دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھنے کی خاطر اس نے آبد پانی کا خیال بھی نہ کیا تھا۔ یقیناً جنتی امتی مسین نہ ہوئی۔ جتنی خواہصورت و نگاہ و حسین مسجد نبوی ہے۔ غفران نے سوچا مقتدر کی پوری جی کر اسے واپس آدرا لگنے کے لیے راضی اہلنت میں بھی کھیل گئی۔ اس نے جتنی بھر کر اس جگہ کے کوئے کوئے اور پہنے پہنے چڑیا۔ آنکھوں سے لگا لگا۔ دل سے بوسے دینے اور پیپ سے چتر نکال کر اس کو مسجد نبوی کے خواہصورت وسیع و عیش سخن میں رکھ دیا۔ گویا وہ بھی دیار سے فیض پائی حاصل کر لے۔

آج وہ دن بھوان کی تکریم و ادائیگی تھی۔ روتے ہوئے سسکیوں کے ساتھ اس نے آتے تھے تاجدارہ بند کی خدمت اقدس میں شکرانے اور خزانے کا تختہ آنسوؤں کی صورت میں بیٹھ گیا اور درے نہاقت اور متصل دل سے وہاں سے روتے ہوئے وہاں پر ایکہ مشرہ بھرا لیا۔

پھر وہ حاجی محمد رمضان کی سربراہی میں عازرا کی جانب چل پڑے۔ غفران احمد کو ایک نظر میں لگا کہ پہاڑ روایا ہوئے۔ جیسے اسے کسی نے ٹھکی میں لے کر دیوچا ہوا ہو۔ ایسا کیوں نہ ہوتا۔ آخر سر درگون و مکان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک و معطر و جود۔ پھر چرائیل علیہ السلام اور قرآن کریم کا نزول۔ ان چیزوں کی شہادت اور گواہی نے ہی اس کو لایا تھا۔ گھر اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس کی جیب میں پڑا ہوا چتر اچھل اچھل کر

تھی۔ تمام پتھر کیلے ہو گئے تھے۔ وہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی میں درد رہے تھے اور  
نہا نورانی جو کڑا انگریز تھا۔ جہنم جہنم کر رہا تھا۔

خوش بخت پرندے ہیں اڑتے ہیں ان خداؤں میں

کاش میں بھی کیڑا ہوتا آگ بیارا دھینے کا

نور تھا پھیلا ہوا اس بستی رحمت میں

سب اکہ درد مٹا گیا میرے پیار سینے کا

خوشبوؤں سے مغلط ہو یہ سیاہ بخت سینہ میرا

مل جائے اگر آقا ﷺ اک قطرہ پسینے کا

اطمینان کو وہ لحاظ یاد آنے لگے جب وہ مرشد سرکاری خدمت میں اس نعمت کو پڑھا  
کرتا تھا۔ اس کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئی تھیں اور نورانیوں کے وجود پر گہلے ہو گئے تھے۔

☆=====☆  
ختم شد

ظفران احمد وہاں سے روٹا ہوا چھپے اترنے لگا۔ اب وہ وہاں اپنے وطن جا رہا تھا۔ مگر  
مرشد کو سامنے نہ پا کر کیا کرے گا۔ کون اس کی رہنمائی کرے گا؟ وہ یہ سوچ کر وہیں بیٹھ کر  
روئے لگا۔ "اللہ کے کام اللہ ہی جانتا ہے۔ اس کی کسی بھی مرضی کا ٹکڑا نہیں کرتے۔"

اس کے کانوں میں شادی کی آواز گونجنے لگی۔ وہ ادھر ادھر ہواؤں میں ان خداؤں  
میں انھیں اصطاف نے لگا۔ مگر یہ اس کی خام مٹیانی تھی کہ وہ انھیں "مُسکے گا۔ وہ بدلتی سے  
جیل نور سے چھپے اترنے لگا۔ اسے ظفران بد معاش سے ظفران احمد بنانے والے اب اس دنیا  
میں نہ رہے تھے۔

☆=====☆

نورانیوں نے اپنے ساتھی کو گھیر لیا تھا۔ وہ انہیں تمام واقعات بتاتے لگا۔ مگر جب  
مدینہ شریف کی باری آئی۔ مجاہد شہری کے سینکھن کی مدد سرائی کی باری آئی۔ وہ ہول نہ سکا۔  
اس کے آسواں کی تمام داستان گزر چکی تھیں۔ وہ جب دردور کر پھان ہو گئے تو اطمینان  
آگے بڑھ کر انہیں دلاسا دیا۔ اب نورانی پھر وہی کھنگھڑا کرنے کے لیے اطمینان کی صورت میں  
ساتھی مل گیا تھا۔ اطمینان کے کہنے پر نورانی نے اپنا دل کی سڑی بھرتی کر دیا۔

"پیارے نورانیو! آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے در کی بات میں جان میں کر سکتا۔ ان کی  
شان۔ ان کی مدد سرائی کے لیے میرے پاس اللہ تعالیٰ ہیں۔ میں تو حقیر ہوں۔ ان کی  
افنی وارفتہ شان میں تو رب تعالیٰ مل شان خود ان رات مدد سرائی کرتا ہے۔ مؤذن کی  
ازان میں مسلمان کے نام ملتا ہے۔ نماز میں دعا میں پڑھتا ہے۔ ہر اتنی کے دل  
میں جو پیارا اور محبت بھری ہے۔ میرا خیال ہے کہ کسی کے قلم میں بھی اتنی طاقت نہ ہوگی کہ وہ  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اسے اور یہ کہہ کہ ہاں میں نے مکمل لکھ دیا ہے۔ اس دور پر  
مسلمانیں سر کو جھکا کر اپنے دامن گدائی کو بھر رہے ہیں۔ ہوا یاد پ اور مغلط ہو کر پچھتی ہے۔  
سورج کی گرمیوں تھوڑے ہو کر گزرتی ہیں۔ چاند کی چاندنی خطی آجیں بھرتی ہوئی گزر جاتی  
ہے۔ ہم بے جان ادھر ہی چڑھ رہے ہیں۔ بس اس افنی کے لیے دعا کرو۔ جس کی  
بدولت میں یہ سب کچھ دیکھ سکا ہوں۔ پیارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آل کے لیے دعا  
کرو کہ ان کی آل کے ایک رجمن چرچا نے مجھے بھی زندہوں میں شامل کر دیا۔ مجھے کتبہ  
شہری کا نورانی دھانی نکھار کر اسے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد سرائی کا موقع دیا ہے۔  
میں وہ وہاں وہ منتظر وہ انتظار سے کبھی بھی نہیں بھول سکتا۔ وہاں اڑنے والے کیے پتھر دیں کو بھی  
مخود سے خوش قسمت تصور کرتا ہوں۔" نورانی کی آواز پھیلنے لگی تھی۔ اس پر وقت طاری ہو گئی